جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ
إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

تحفۂ بابل و نینوا

المعروف

ارمغانِ عجم

مؤلفہ

عُزیز احمد صدیقی

ناشر:۔ مکتبۂ جاء الحق

انتساب

اِسلام پر جب بھی اُدبار کے بادل منڈلاتے اللہ تعالیٰ نے کوئی ہادی و رہنما بھیج دیا جس نے مذہبی اجارہ داروں اور ایمان فروشوں کی مُخالفت کے باوجود اپنی خدمات سے سرانجام دیں۔ ہندو پاکستان کی تاریخ میں شاہ ولی اللہ، سیّد احمد شہید، سرسیّد احمد خاں، حالی، شبلی، مُحسن الملک ڈاکٹر اقبال جیسے خادمانِ قوم و مِلّت بھی مُلّاؤں کے کُفر والحاد کے فتووں سے محفوظ نہ رہ سکے چناچہ حالی نے شکوہ کیا۔

اُمّت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
اِسلام ہے فقیہو ممنون بہت تُمہارا

پَس جب بے لوث اور سچّے خادم و رہنما کے لئے نام نہاد مولویوں کی مُخالفت ناگزیر ہو اور اُن کا فتویٰ کُفر اعترافِ خدمت کا ضامن ہو تو جو کام خلوصِ نیّت سے کرنا ہے اُسے کر گزرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

یعنی جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستے دکھاتے ہیں۔

عُزیز احمد صدیقی نے دُشمنانِ اسلام کے باطنی علُوم سے پردہ اُٹھا دیا۔ دُوسری طرف اِسلام پر باطنی یا بابلی تہذیب کے اثرات کی نشاندہی کر کے دینِ توحید کو سمجھنے کے راستے کھول دیئے ہیں۔ عُزیز صاحب یقیناً مبارکباد کے مُستحق ہیں۔ کہ اُنہوں نے حق اور ایمان کے اظہار میں کوئی پس و پیش نہ کیا۔ جان مال اور عزّت آبرو کے خوف نے بھی اُن کے قدم نہ ڈگمگائے۔ سچّ ہے کہ ایسے ہی لوگ سچّے مُصلح اور راہبر کہلانے کے مُستحق ہوتے ہیں۔ جو سچ بولنے میں کسی کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔ اور کسی کے غم و غصّہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی خود حفاظت کرتا ہے۔

قسَم ہے اُس پیدا کرنے والے کی اگر اللہ تعالیٰ نے اِسلام میں وفات کا دن بنانے کی اجازت دی ہوتی تو دُو دن ہم مُسلمانوں کیلئے بہت اہم ہے۔

(بقایا آخری صفحہ پہ مُلاحظہ فرمائیں)

صرف ناصبی بھائیوں اور ٹھیٹ مسلمانوں کیلئے

نام کتاب ———— "تحفۂ بابل و نینوا"

سابقہ ٹائیٹل ———— ارمغانِ عجم یا تحفہ بابل

مؤلف ———— عُزیر احمد صدیقی،

ناشر ———— مکتبۂ جار الحق ناظم آباد ۱

طابع ————

○ طبع اوّل ۱۹۶۹ء تعداد :- ایک ہزار رف ایک ہزار سفید کاغذ، لاہور

○ طبع ثانی ۱۹۷۴ء 〃 :- ایک ہزار سفید کاغذ آفسٹ، کراچی

قیمت ————

کتابت ———— ظہور احمد تابش، عبدالرحمن، ملتان

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۱	سچے ہو تو دلیل لاؤ	۵		دوسرا باب	
۲	چند تبصرے	۱۰	۱۵	باطنیت کا سیلاب	۴۳
۳	الفاتحہ یا دیباچۂ اوّل	۱۴	۱۶	معرکۂ کربلا	۴۷
	پہلا باب		۱۷	باطنی تبلیغ	۵۶
۴	اِسلام پر کیا بیتی	۱۹	۱۸	کارخانۂ اولیا سازی	۵۹
۵	ظاہر و باطن کے اسرار	۲۰	۱۹	عہد الاولیاء	۶۳
۶	باطنی تحریک کی مقبولیت	۲۱	۲۰	ایک مثالی ولی اللہ	۶۷
۷	ظاہری شریعت کی تنسیخ	۲۴	۲۱	خواجہ کی اولیاء سازی	۷۳
۸	ظاہری و باطنی رسالت	۲۵	۲۲	اولیاء کی دوسری اقسام	۷۴
۹	امام کا مرتبہ	۲۶	۲۳	ولایت کی قرآنی تعریف	۷۹
۱۰	باطنیت کا بانی	۲۸	۲۴	تیسرا باب	
۱۱	باطنی دعوت	۱۱	۲۴	میراث بابل و نینوا	۸۱
۱۲	اِمامت پر اختلاف	۳۳	۲۵	تہذیب بابل و نینوا	۸۲
۱۳	باطنی علوم	۳۴	۲۶	نمرود کی خدائی	۸۷
۱۴	علم فقہ تاویل فلسفہ	〃	۲۷	عیسائیت پر آریائی اثرات	۹۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	نمرود کی ماں یا بیوی	۹۲	۴۷	دُرُود شریف	۱۶۸
۲۹	کرسمس کی حقیقت	۹۴		چھٹا باب	
۳۰	اِسلام اور بابلی تہذیب	۹۹	۴۹	اِسلامی اقدار سے بیزاری	۱۷۵
۳۱	نقاب حیدری	۱۰۱	۵۰	اَللہ کے نام سے نفرت	۱۷۷
۳۲	شیر پرستی	۱۰۳	۵۱	مُسلمانوں کے دُو مُولا	۱۸۰
۳۳	بارہ ستارے، بارہ امام	۱۱۴	۵۲	قرآن دُشمنی	۱۸۴
	چوتھا باب		۵۳	قبلہ وکعبہ کی بے حرمتی	۱۹۵
۳۴	علُوم بابل و نینوا	۱۱۷	۵۴	شبر و شبیر کا بھید	۲۰۰
۳۵	عِلمُ الاعداد و جفر	۱۱۸	۵۵	کراری حیدر	۲۰۲
۳۶	حروف تہجی کے اسرار	۱۲۰	۵۶	شہادت خلیفہ ثانی	۲۰۴
۳۷	عِلم ہندسہ کے رموز	۱۲۲	۵۵	عرب و عجم کے بادشاہ	۲۰۷
۳۸	علامتیں اور اشارے	۱۲۵	۵۸	شہادت خلیفہ ثالث	۲۱۰
۳۹	بسم اللہ کا اشارہ	۱۲۷		ساتواں باب	
۴۰	۱۲ منہ، کا اشارہ	۱۲۸	۵۹	ہمارا عروج و زوال	۲۱۴
	پانچواں باب		۶۰	بنواُمیہ و بنوعبّاس کا زوال	۲۱۶
۴۱	رسُوم بابل اور ہم	۱۳۵	۶۱	فتنۂ باطنی خلافت	۲۱۹
۴۲	عید نوروز شعبان و رجب	۱۳۶	۶۲	ایران میں باطنی فتنہ	۲۲۳
۴۳	عید غدیر آخری چہار شنبہ	۱۴۸	۶۳	مُسلمانوں پر غضب الٰہی	۲۲۶
۴۴	عید عاشورہ و متعلقات	۱۵۳	۶۴	ہندُوستانی اِسلام	۲۲۹
۴۵	نماز یا صلواۃ	۱۶۱	۶۵	یورپی قوموں کا عروج و زوال	۲۴۰
۴۶	فاتحہ کے معنیٰ	۱۶۷	۶۶	درسِ عبرت۔	۲۴۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝

"سچے ہو تو دلیل لاؤ"

اللہ ربُ العزت کا احسان ہے جس نے مجھ جیسے بے علم اور کم مایہ بندے کو قرآن عظیم پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اُس علم کو اپنے بھائیوں تک پہنچانے کے وسائل ارزانی فرمائے۔ بے شک اُس کی شان نرالی ہے۔ وہ جس سے چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ ورنہ پانچ چھ کتابیں لکھنا، چھپوانا اور تقسیم کرنا آسان کام نہ تھا میری کتابوں کے ہزاروں نسخے ملک اور بیرون ملک پھیل چکے ہیں "سبائی سبز باغ" کا دوسرا ایڈیشن تجارتی معیار پر چھپ کر نکل چکا ہے اور اب ارمغانِ عجم اپنے نئے نام — تحفۂ بابل و نینوا" کے ساتھ سامنے آرہی ہے، جبکہ میری بصارت جواب دے رہی ہے۔ مگر یہ اُسی مالک و مولائے کائنات کی نوازش ہے جس کا وعدہ ہے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط

"جو ہماری راہ میں جہاد کرتا ہے ہم اُسے نئے نئے راستے دکھلاتے ہیں۔"

پس معراج بندگی یہ ہے کہ اِنسان صرف اِسی خالق کائنات اور ربُ العالمین کے حضور عجز و نیاز کا نذرانہ پیش کرے (جس کی عظمت و جلال کی جھلکیاں ہم جیسے حقیر بندوں کے رشحات قلم سے بھی جلوہ ریز ہو جاتی ہیں) اور تمام دُنیاوی سہارو (دیوی، دیوتاؤں، خواجوں اور داتاؤں) سے بے نیاز ہو جائے۔ جو اِنسانیت کو در بدر کی ٹھوکریں کھلاتے اور فرقوں، جماعتوں، قوموں، نسلوں اور سلسلوں میں تقسیم کر کے جانوروں کے غول کی طرح صرف اپنے ریوڑ گلے اور پاڑے میں زندگی

بسر کر نا سکھاتے ہیں مسلمانوں کی طرح بھائی بھائی بن کر جینے کی تعلیم نہیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم تھا واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا۔ یعنی توحید کی ایک لڑی میں بندھ (پرو) جاؤ اور الگ الگ فرقوں میں نہ بٹ جانا ورنہ تمہارا زور ٹوٹ جائے گا۔ مگر ہم بنگالی، پنجابی، مہاجر، پٹھان اور بلوچ ہی رہے اور رسوائے زمانہ ہوئے۔ ہندوؤں کے تین سو فرقوں (ذاتوں) نے ہماری پانچ قومیتوں کے منہ پر تھوک دیا ہے۔ جس پر سارا زمانہ ہنس رہا ہے اور ہم کو رونا بھی نہیں آتا۔

ہمارے بعض بزرگوں کو شکوہ ہے کہ میرے تند و تلخ انداز بیان سے قوم کے ادیبوں دانشوروں اور محققوں کی نازک طبایع منغض ہو جاتی ہیں وہ میری کتابیں پڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جس سے تفہیم و تبلیغ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا اچھی کتابوں سے انہوں نے کبھی کوئی فائدہ اٹھایا ہے۔ جو ناقص کتابوں سے کچھ حاصل کر سکیں گے۔ خود میرے خاندانی بزرگ میری کتابیں پڑھنا گوارا نہیں کرتے۔ ان کے مذہبی عقائد پختہ اور بے لچک ہیں۔ وہ مجھے سمجھاتے ہیں کہ بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ حضرت علیؓ کو مولا علی مشکل کشا یا مولائے کائنات کہنے میں کوئی ہرج نہیں۔ ہم اپنے باپ دادا سے سنتے آئے ہیں، نذر و نیاز، فاتحہ، درود سے بزرگوں کی روحوں کے علاوہ خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ یورپ اور انگلستان میں بھی ایصالِ ثواب کے لئے کھانا کھلایا جاتا ہے۔ جب ہم انگلینڈ میں تھے یا ہم نے فرانس میں دیکھا وغیرہ وغیرہ

چنانچہ ہماری بیگم کے ساتھ بغداد شریف کا روضہ تھا۔ ایک بار نیاز کا اہتمام فرمایا اور مجھ سے پوچھا آپ کو فاتحہ دینا آتا ہو تو پڑھ دیجئے۔ ورنہ میں کسی پڑوسی کو بلا لوں۔ میں نے کہا میرے خاندان نے فتحپور ضلع بارہ بنکی اودھ میں اپنے جدِ اعلیٰ شاہ لالہ میاں قدس سرہ کی درگاہ پر تین سو سال تک فاتحہ پڑھنے اور پڑھانے کی کمائی ہے۔ مجھ سے زیادہ فاتحہ درود کا جاننے والا اُم کو کون ملے گا۔ مگر تھوڑی دیر بعد ایک ہنگامہ ہو گیا۔ میں نے نیاز کی مٹھائی سے پہلا حصہ اپنے کتے کے آگے ڈال دیا تھا۔ اس بے ادبی یا کفر پر ہمارے مذکورہ بزرگ بھی منغض ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ مقبروں، مزاروں

تعزیوں اور دُلدلوں کا احترام کرنے اور نذریں، منتیں ماننے کئی نسلیں گزار دینے والے اللہ اکبر کی عظمت کو سمجھنے سے عاری ہو جاتے ہیں۔ ان سے تو وہی کہا جا سکتا ہے۔

...... لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔

ہمارے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اُن کے بزرگ اور قوم کے دانشور اسی طرح ناراض تھے۔ وہ بھی لا الٰہ کہہ کر ان کے آبائی بزرگوں اور خداؤں کی توہین کرتے تھے۔ اور اُن کی دل آزاری کا خیال کئے بغیر جب موقع ملا سب کو گرا کر پاش پاش کر ڈالا۔ میں بھی اُنہی کی سنت پر عمل کر کے مسلمانوں کے بت توڑنا چاہتا ہوں۔ قرآن حکیم نے مجھے سچ بولنے اور لکھنے کا حکم دیا ہے۔ سچ کڑوا ہوتا ہے تو اُسے شکر میں لپیٹ کر پیش کرنا میرے لئے منافقت ہے۔ رہے اختلافات اور تفرقے تو قرآن حکیم نے ان کی افادیت سمجھا دی ہے۔

اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۶۵ انعام

(ترجمہ) "(جب تم گمراہ ہو جاؤ گے) ہم تم میں شیعہ (یعنی فرقے) پیدا کر دیں گے پھر تم آپس ہی میں لڑتے مرتے رہو گے۔"

ہم نے اس کتاب میں اسی وعدۂ ربانی کی تفسیر یعنی مسلمانوں کے شیعہ بننے اور آپس میں لڑتے مرتے رہنے کی کہانی سنائی ہے۔ جو چاہے پڑھے اور عبرت حاصل کرے۔ جو نہ پڑھے خوش رہے۔ ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول (اقبال)

باطل کے پرستار ہر دور، ہر زمانے میں حق کو دباتے رہے ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں دیکھئے سنیوں کی آبادی پچاسی فیصد ہے اور شیعہ سب فرقوں کے ملا کر بھی دس فیصد سے زیادہ نہیں۔ مگر وہ تمام کلیدی عہدوں اور ذرائع ابلاغ عامہ یعنی نشر و اشاعت کے اداروں پر قابض ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و رسائل اور ان کے اشتہارات پر شیعوں کی اجارہ داری ہے۔ کیونکہ یہ چالاک مدمغ اور مالدار

ہیں جیساکہ عموماً اقلیتوں میں ہوتا ہے (روس اور امریکہ میں یہودیوں کا یہی حال ہے) اور بیچارے سُنی اپنی اکثریت کے زعم میں جہالت، مُفلسی، بے حسی بے یقینی اور خاص کر رواداری کے فریب میں مبتلا ہیں۔ اِن کا کوئی اخبار یا رسالہ نکلتا ہے تو وہ اشتہاروں اور چندوں کے لالچ میں ضمیر فروشی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے جسارت، چٹان اور نوائے وقت بھی اُنہی کی گاتے ہیں۔ علامہ محمود احمد عباسی کے خلاف مہم میں شیعوں سے زیادہ شور مچانے والے یہی تھے۔ مگر اللہ نے انہیں رسوا و روسیاہ کر کے چھوڑا

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آگئی شاید جہانِ پیر کی موت (اقبالؔ)

پھر پاکستان میں خواندگی کا اوسط دس فیصد ہے یعنی چھ کروڑ کی آبادی میں صرف ساٹھ لاکھ بچے اور بڑے جو دستخط کر لیں خواندہ شمار ہوئے ہیں اِن میں سے پچھتر فیصد علاقائی زبانوں اور انگریزی میں خواندہ ہیں اُردو نہیں جانتے۔ رہے پندرہ لاکھ اُردو داں تو ضروری نہیں کہ سب کتابیں پڑھتے یا پڑھ سکتے ہوں۔ اِس طرح ایک چھوٹی سی تعداد غالباً پندرہ یا بیس فیصد پڑھنے والوں کی رہ جاتی ہے جو پھر تین گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

(۱) ۲۵٪ خواندہ افراد جعفریہ اسماعیلیہ طیّبی کتابیں پڑھتے ہیں۔
(۲) ۲۵٪ عیسائی، زرتشتی، یہودی اور ہندو کتابیں پڑھتے ہیں۔
(۳) ۵۰٪ دیوبندی، بریلوی، وہابی، قادیانی اور مودودی کتابیں پڑھتے ہیں

پھر لُطف یہ کہ آپس میں کوئی کسی دُوسرے کی کتابیں نہیں پڑھتا۔ سب ڈرتے ہیں کہ اِن سے ایمان میں خلل آجاتا ہے۔ اِسی وجہ سے اُردو زبان کی کوئی کتاب ایک ہزار سے زیادہ تعداد میں شائع نہیں ہوتی۔ اُردو کی اس زبوں حالی پر ہمیں بھی کوئی غم نہیں نہ یہ ہماری مادری زبان ہے نہ اِس نے ہمیں روٹی کھلائی۔ یہ تو بس میروں، میرزاؤں اور میراثیوں کی زبان ہے یا مجتہدوں اور مولویوں کی۔ اِس کے شہ پارے داستان امیر حمزہ، طلسم ہوش رُبا، داستانِ کربلا، یادوں کی برات، اور خدا کی بستی ہیں۔

جب ہی تو پچاس کروڑ ہندوستانیوں نے اُسے جلاوطن کر دیا۔ سات کروڑ بنگالیوں نے ٹھکرا دیا۔ اور اب مقامی زبانیں اِس سے بیزار ہیں۔ یہ سب من جانب اللہ ہے کیونکہ یہ دروغ بافوں اور ریاکاروں کی زبان ہے۔ جیساکہ الطاف حسین حالیؔ نے اعتراف کر لیا تھا ؎

وہ شعر و قصاید کا ناپاک دفتر!
عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر!
ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا ؛ وہ علموں میں علم ادب ہے ہمارا

ہم اپنی عوامی حکومت کے اِس فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ اسلام کی سربلندی اور اسلامی اتحاد کی خاطر عربی زبان سیکھی جائے اور وہی ہماری قومی زبان بنے۔

آخر میں اُن بے شمار قارئین اور قدر دانوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے میری کتابیں پڑھ کر بے لاگ تبصرے اور تنقیدیں فرمائیں۔ نیک مشورے دیئے اور ہمت افزائی فرمائی۔ اُنہی کی دعاؤں اور خواہشوں کا نتیجہ ہے کہ موجودہ اشاعت کی ہیئت کے ساتھ اِس کا نام بھی بدل گیا ہے۔ جو یقیناً عام فہم ہوگا

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مِری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

والسلام
عُزیز احمد صدیقی۔
۱۹۷۴ء

ارمغانِ عجم پر چند تبصرے

از، بزرگوار، محترم عالی جناب انوار احمد شاہ صاحب، بی اے ساکن $\frac{1}{29}$۲ لیاقت آباد کراچی

کتاب ارمغانِ عجم کے سرسری مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ صاحبِ کتاب نے کسی خاص جذبہ و جوش میں اُن مقدس ہستیوں کے خلاف قلم اٹھایا ہے جن کے بارے میں بزرگوں سے سُنتے چلے آئے ہیں کہ دین کی اشاعت اور اسلامی دُنیا کی ترقی میں اِن جلیل القدر ہستیوں نے زبردست حصّہ لیا تھا۔ اور اُنہی کے طفیل ہندوستان میں اسلام کا بول بالا ہوا تھا۔

ایسے بزرگوں کی شان میں ایسے انکشافات مؤلّف کتاب کی زبانی سُن کر دل و دماغ پر وہ اثر ہوا کہ میں مبہوت رہ گیا۔ کہ بیسویں صدی میں یہ کون مجتہد زماں اور امام وقت پیدا ہوگیا جو صدیوں پرانے عقائد و ایقانات کو جو ہماری رگ رگ اور ریشے ریشے میں سرایت کئے ہوتے ہیں بیخ و بن سے نکال پھینکنا چاہتا ہے ہفتوں کیا مہینوں میں اسی ادھیڑ بن میں غلطاں رہا حتیٰ کہ دماغ مختل ہوگیا۔

آخر کار ایک رات جب دُنیا محوِ خواب تھی اور میں تقریباً مذہب سے بیزار ہوچکا تھا۔ ڈرتے ڈرتے پھر وہی کتاب اُٹھائی اور پڑھنا شروع کیا۔ مقدّمہ کتاب جسے مؤلّف نے الفاتحہ لکھا تھا۔ بغور پڑھا۔ جب اِس جملے پر آیا کہ اگر خلیفہ سوم کا پردہ اٹھایا جاسکتا ہے تو خلیفہ چہارم کے چہرے سے نقاب حیدری بھی اُتارا جاسکتا ہے۔ تو جیسے کوئی مجھ سے کہنے لگا کہ اے پست ہمت ضعیف الاعتقاد شخص اِس کتاب کو غور سے پڑھ اور پھر نتیجہ اخذ کر۔ یاد رکھ کہ اگر حق بات سے چشم پوشی برتے گا اور تغافل سے کام لے گا۔ تو آخرت کی بازپرس سے نہ بچ سکے گا۔

چونکہ یہ کتاب شیعہ اخبار "رضا کار" کے کسی دعوے کے جواب میں لکھی گئی تھی معاً خیال آیا کہ "سُبائی سبز باغ" کا مؤلف جس نے اپنے دلائل سے شیعوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں اور خود اُنہی کی کتابوں سے اِن کو قائل کیا ہے۔ بزرگانِ دین کے بارے میں بھی جھوٹ نہیں لکھ سکتا۔ پھر بنو اُمیہ اور بنو عبّاس کے دَور کا پورا نقشہ سامنے آگیا۔ اور شوق پیدا ہوا کہ مؤلّف کی ہر بات اور ہر جملے کو سمجھ کر پڑھا جائے چنانچہ اِس بار یہ کتاب تین دن میں ختم کی۔ تو آنکھیں کھل گئیں۔ حقیقت معلوم ہوگئی پیروں، ولیوں اور فقیروں کے کشف و کرامات کی باتیں جو بچپن سے سُنتے چلے آئے تھے افسانہ معلوم ہونے لگیں۔ اور موجودہ دَور کے باباؤں، پیروں اور ملنگوں کے دجل سے اُن کا مُقابلہ کیا تو کوئی فرق معلوم نہ ہوسکا۔

اب میں مُصنّف کتاب کا شکر گزار ہوں کہ ایک طرف تو اُنہوں نے دُشمنانِ اسلام کے باطنی علوم سے پردہ اُٹھا دیا۔ دُوسری طرف اسلام پر باطنی یا بابلی تہذیب کے اثرات کی نشاندہی کرکے دین توحیّد کو سمجھنے کے راستے کھول دیئے ہیں۔ عزیر صاحب یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ اُنہوں نے حق اور ایمان کے اظہار میں کوئی پس و پیش نہ کیا۔ جان مال اور عزت آبرو کے خوف نے بھی اِن کے قدم نہ ڈگمگائے۔ سچ ہے کہ ایسے ہی لوگ سچے مُصلح اور راہبر کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ جو سچ بولنے میں کسی کا پاس و لحاظ نہیں کرتے۔ اور کسی کے غم و غصّہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی خود حفاظت کرتا ہے

از جناب مُحمّد رضا صاحب سرشار $\frac{861}{8}$ سمن آباد لاہور

مجھے اپنے ایک لاہوری دُوست محمد اسلم صاحب سے آپ کی تالیف "اَرمُغانِ عجم" دیکھنے کو ملی۔ کتاب ختم کی تو اس بات پر مجبور ہوگیا کہ اس کا ایک نسخہ خرید لوں اور بار بار اُسے پڑھتا رہوں۔ آپنے اِس کتاب میں معلومات کا خزانہ بھر دیا ہے۔ اور توحیّد کے نظریات کو خُوب اجاگر کیا ہے۔ جزاک اللہ۔ مگر ایک بات بصد ادب

عرض کروں گا کہ کتاب مذکورہ کے لب و لہجہ اور سخت و درشت الفاظ نے اس کی افادیت گھٹا دی ہے۔ اس کا لحاظ خود خالق طبع انسانی نے بھی ضروری سمجھا ہے اور فرمایا ہے لَا تجادلوا اهل الكتاب إلا بالتي هي احسنُ، الخ

میں نے آپ کی تصنیف سے بہت استفادہ کیا ہے مگر مشکل یہ آپڑی ہے کہ اپنے کسی بھی شیعہ عزیز کو یہ کتاب دیکھنے کو نہیں دے سکتا کیونکہ بعض مقامات پر آپ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکے ہیں جن شخصیتوں کو شیعہ حضرات اپنا مقدس رہنما کہتے ہیں اُن کے لئے الفاظ کا صحیح انتخاب نہیں ہو سکا ہے۔ جب دلائل مستحکم ہوں تو کیوں نہ الفاظ نرم رکھے جائیں تاکہ جن کی اصلاح مقصود ہے اُنہیں اس کا پڑھنا گوارہ ہو سکے۔ جب مطالعہ ہی خوشگواری کے ساتھ نہ کر سکیں یا بالکل ہی مطالعہ نہ کر سکیں تو نتائج بھی حسب دل خواہ اور مفید نہیں نکلیں گے۔

بہر حال میں اس کا بہت شکر گزار اور دعا گو ہوں کہ مجھے ایک اچھی کتاب پڑھنے کو مل گئی۔ اور میں نے اس سے خاطر خواہ استفادہ بھی حاصل کیا ہے۔

قابل صد آفریں ہیں آپ جیسے لوگ کہ اسلام کے چہرے کو تہہ بتہہ پرانی گرد سے نکال کر دکھانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اس کی جزائے خیر دے۔ مگر یہ مسئلہ سخت مشکل بن چکا ہے۔ صدیوں کے افسانے حقیقت کا روپ بدل کر عقائد کا جزو بن چکے ہیں۔ پیشہ ور لوگ اس گرد کی تقدیس ثابت کرنے میں اپنی خطابت کا پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ اور پرسش آخرت سے ذرا بھی نہیں ڈرتے۔

آپ کا خیر اندیش :-

نوٹ :- یہ خط میری کاوشوں کا پورا پورا صلہ ہے۔ اگر اس کتاب نے کسی ایک فرد کو صراطِ مستقیم دکھلانے میں مدد کی ہے تو وہی میری آخرت کا توشہ ہو جائے گا۔ مجھے اپنے ان تمام شیعہ بھائیوں پر ناز ہے جنہوں نے تبصروں اور تنقیدوں سے نوازا ہے۔ افسوس کہ وہ سب خطوط شائع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (مؤلف۔)

از جناب سید شبیر حسین صاحب جعفری ایم اے نشان سپاس ساکن ۴۶۵/۸ پیپلز کالونی لائل پور مورخہ ۷ مارچ ۱۹۷۳ء

میرے ایک رفیق کار سید عباس علی صاحب نے آپ کی کتاب ارمغانِ عجم کل ہی مجھے پڑھنے کو دی۔ الحمد للہ کہ میں نے ایک ہی دن میں اسے پڑھ ڈالا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے بڑی محنت سے کتاب تیار کی اور اس کے لئے وسیع مطالعہ کرنا پڑا ہو گا۔ کتابت اور چھپائی اچھی نہیں ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے اہم ہے کہ حوالہ جات ملتے ہیں۔

آپ نے کتاب لکھتے وقت ایک محقق یا مورخ کا انداز نہیں اختیار کیا۔ بلکہ! ایسی صورت نظر آ رہی ہے کہ کسی ایک کو یا بہت سے لوگوں کو اپنا ذاتی دشمن جانا اور اسکے یا ان کے خلاف لکھا ہے۔ انداز بیان، طنز اور اشارے ایسے ہیں جن سے کوئی بھی پڑھا لکھا آدمی آپ کے متعلق رائے قائم کر سکتا ہے۔ آپ کے انداز بیان سے عیاں ہو رہا ہے کہ مسلمان الگ لوگ ہیں اور شیعہ کوئی الگ مخلوق ہیں۔ اور یہ کہ جس قدر خامیاں اور تباہی نازل ہو رہی ہے یا ہو چکی ہے اس میں شیعہ حضرات کا قصور یا سازش ہے۔

نیز مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے آپ کو شدید اختلاف ہے۔ بہتر یہ تھا کہ آپ اس کتاب میں ایسا انداز تحریر اختیار کرتے جو دوسروں کو متاثر کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ جاہل ملا یا متعصب لوگ آپ کی تحریر پسند کریں۔ لیکن صاحب علم لوگوں کے لئے یہ انداز قابل تحسین نہیں ہے۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ آپ ایسے ذہین لوگوں کو متعصب نہیں ہونا چاہیئے۔ محقق کی حد تک رہنا چاہیئے تاکہ سب لوگ برابر استفادہ کر سکیں۔ خدا کرے آپ کا مزاج بخیر ہو۔

الفاتحہ

صدر پاکستان محمد ایوب خان روس کے سرکاری دورے پر گئے تو وہاں اُن کو قدیم ترین بلکہ قرآن حکیم کا نسخۂ اول دکھایا گیا۔ جو کبھی خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی تلاوتِ خاص میں رہا تھا۔ بلکہ اس پر اس معصوم دامادِ رسولؐ کا پاک خون بھی محفوظ تھا۔ جس نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے کسی کلمہ گو پر خواہ وہ مفتری ہی کیوں نہ ہو تلوار اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

ہمارے صدرِ محترم اپنی قوم کے لئے اِس اسلامی دُنیا کے عجوبۂ روزگار نسخے کا ایک عکس لے آئے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال تک دُشمنوں بے دینوں اور بدخواہوں کی نظر سے اوجھل رکھ کر ہمارے زمانے کے مُسلمانوں کو غیرت وحمیت دلانے اور اصل حال سے واقف فرمانے کے لئے اپنا وعدہ پُورا فرما دیا۔ نَحْنُ لَهٗ لَحَافِظُوْنَ تاکہ یہ عظیم مُعجزہ اپنے جمع کرنے والے کی عظمت کو یاد دلائے۔

اِس سے ہمارے اُن بھائیوں کے حلقوں میں مایوسی پھیل گئی۔ جن کا اصلی قرآن ابھی امام غائب کی بغل میں ہے۔ وہ قرونِ اولیٰ کی طرح جھلّانے اور تلملانے لگے۔ کوئی فیضی کا بے نقط قرآن نکال لایا۔ کوئی امام حسنؓ کا لکھا ہوا کوفی آرٹ پیش کرنے لگا۔ اور کوئی حضرت علیؓ کا وہ قرآن دکھانے لگا۔ جسے اُنہوں نے قسم کھا کر کہا تھا۔ کہ قیامت تک کوئی نہ دیکھے گا۔

یہاں تک تو غنیمت تھا۔ مگر نہ جانے کیوں ہمارے مودُودی صاحب کو غصّہ آگیا۔ آپ نے حضرت عثمانؓ اور اُن کے خاندان کی دھجیاں اُڑانی شروع کر دیں۔ ملوکیت اور بادشاہت کی خرابیاں بیان کرنے لگے تو بھول گئے کہ گذشتہ اٹھارہ سال سے وہ جس چیز کی تلاش میں ہیں وہ بھی دعوائے فدک سے کم نہیں ہے مگر

اوہمۂ دوزخ نہ کند باغ ارم را

دُوسرے مُسلمانوں پر مودُودی صاحب کی اِس حرکت کا اثر کیا ہوا ہمیں نہیں معلوم، البتہ ہم نے دیکھا کہ سادات مُومنیّن کے حلقوں میں بغلیں بجائی جانے لگیں۔ لاہور کے شیعہ ہفت روزہ اخبار "رضاکار" نے خوش ہو کر اداریہ لکھا۔ جس کا عنوان تھا۔ "پردہ اُٹھ رہا ہے"۔ پھر کسی اِسلام دُوست بندۂ خُدا نے مودُودی صاحب پر اعتراض کر دیا۔ تو معاصر رضاکار لاہور اُس پر برس پڑے آپ نے ۲۴ اگست ۶۵ء کے شمارے میں لکھا۔

شیعی اثرات یعنی چہ؟

"ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب ہم نے مذکورہ مقالے میں پڑھا کہ جن روایات کا حوالہ مودُودی صاحب نے اپنے مقالات میں دیا ہے۔ وہ روایات تو لازماً ہیں مگر یہ روایات ہماری کُتب میں شیعی اثرات سے آگئی ہیں۔ ہم فاضل مقالہ نگار سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جس زمانے میں اُن کی یہ کتابیں لکھی گئی تھیں۔ اُس وقت شیعی اثرات کہاں تھے۔ کس انداز سے تھے اور کس طرح شیعوں کو یہ موقعہ مِلا کہ اُنہوں نے سوادِ اعظم کی کُتب معتبرہ میں اِس قسم کی تحریف کر دی۔ جو تمام دُنیائے اِسلام میں رائج ہیں۔ اور سوادِ اعظم کے پُورے دین و مذہب کا انحصار اُنہی پر ہے۔ مگر آج تک سُنی عُلماء کرام اپنی اُن کُتب کو شیعی اثرات سے پاک نہ کر سکے۔ ہم مدیر موصوف کی خدمت میں ادب کے ساتھ عرض کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی تحقیق سے ثابت فرمائیں کہ اِن کی کتابوں میں ایسی روایات شیعی اثرات کے تحت کس طرح داخل ہوگئیں۔ تاہم ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ اگر ہر کتاب کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ اِس میں شیعی اثر سے تحریف ہو چکی ہے تو پُوری سُنی دُنیا میں سناٹا چھا جائے

گا۔ اور کوئی قابلِ اعتبار کتاب حضراتِ اہلِ سُنّت کے کُتب خانوں میں باقی نہ رہے گی۔ (مدیر رضاکار)

ہمیں نہیں معلوم کہ مدیر ترجمانِ اسلام نے یہ چیلنج دیکھا یا نہیں اور جواب بھی دیا یا خاموشی بہتر سمجھی مگر ہم اپنی بے بضاعتی کے باوجود اِس "یعنی چہ" کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔ اور وہ شیعہ اثرات جو مدیر رضاکار کو شیعہ ہوتے ہوئے بھی معلوم نہیں ہیں ضرور دکھائیں گے۔ ؎

مُکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھنگ نکالا ہے
ہمیں سے پُوچھتا ہے تم کو کس نے مار ڈالا ہے۔

اور رہے مَودُودی صاحب تو ہم اِن کے شکر گزار ہیں اُنہوں نے ایک خلیفہٗ ارشد کا پردہ اُٹھا کر دکھا دیا کہ خلفائے راشدین بھی ہم جیسے اِنسان تھے اِن میں اِنسانی کمزوریاں موجود تھیں۔ اور جس طرح خلیفہٗ سوم کا پردہ اُٹھایا جا سکتا ہے اِسی طرح خلیفہٗ چہارم کے چہرے سے نقابِ حیدری اُتارا جا سکتا ہے۔ تاکہ وہ کرم اللہ وجہہ سے پھر رضی اللہ عنہ بن سکیں۔

اِس پردہ دری میں ناظرین یاد رکھیں کہ پردہ اُٹھتا ہے تو ہیرو کے ساتھ ویلن اور مسخرے بھی بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ تو یہ بیسویں صدی ہے۔ آپ کی اپنی حرم سرا کے پردے اُٹھ چکے ہیں تو دُوسروں کی پردہ داری کب تک کیجئے گا۔

چلئے ہمارے ساتھ امام باڑے تک روشنیاں اور چراغاں دیکھیں مرثیے اور نوحے بھی سُنیں سُنا ہے کہ آخرِ شب وہاں بھی پردے اُٹھا دیئے جاتے ہیں واپسی میں درگاہوں سے ہوتے ہوئے آئیں گے تو سورج نکل چکا ہوگا۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ پکار رہا ہوگا۔ ؎

تری صبح کہہ رہی ہے تری شام کا فسانہ

کراچی نومبر ۱۹۶۷ء | عُزیر احمد صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارُف

از ڈاکٹر محمّد سلطان صاحب نظامی

معنف قصاص سیدنا عثمان، اہلِ بیت رسُولؐ و سلمان فارسی وغیرہ

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دینِ حقہ سے عرب کے اُجڈ لوگوں کو فرشتہ سیرت بنا دیا۔ اور صحابۂ کرام نے اپنے ایمان و عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی رضی اللہ عنہ کہلانے کے مستحق تھے۔

جب اِسلام سرزمینِ عرب سے نکل کر عجم کے شرق و غرب میں پھیلا تو، عجمی، مجُوسیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندو آریوں نے گہری سازش کے تحت اسلام کی سیدھی سادھی تعلیم کو بگاڑ کر اِس میں شخصیت پرستی، حیوان پرستی اور ہزاروں دیگر بدعات و خرافات کو شامل کر دیا (جس کی وجہ سے مُسلمان اپنی بدعتوں اور قومیتوں کی مناسبت سے مختلف ذاتوں اور فرقوں میں تقسیم ہوتے چلے گئے)

دورِ راشدہ میں تبلیغ دین کا مرکز مسجد تھی عجمیوں نے اپنے مراسم کی ادائیگی کے لئے مسجد کو خیر باد کہہ کر اس کی جگہ خانقاہوں کو دے دی۔ خانقاہوں سے یہ، امام باڑوں میں پہنچی اور امام باڑوں سے یہ اب سینما گھروں میں پہنچ گئی ہے جیسے ایک پنجابی فلم "اکبرا" بنی ہے جس کے شروع میں ہے ؎

دما دم مست قلندر، سخی شہباز قلندر، علی دا پہلا نمبر.....

اور فلم کے اختتام پر دُو نعرے لگاتے ہیں۔ علی اللہ، علی اللہ .... یعنی، نعوذ باللہ خالقِ کائنات کی توہین۔ اور رُسولِ مقبول علیہ السلام کی تعلیم کی صریح تکذیب

کی گئی ہے اور اُسے سنسر بورڈ نے پاس بھی کر دیا ہے۔ خیر فلم فیل ہو گئی۔ ہیرو اکمل مارا گیا۔ ہیروین فردوس بیوہ ہو گئی (انشاءاللہ دوسرے بھی کیفر کردار کو پہنچیں گے)

محترم عُزیر احمد صدیقی نے ارمغانِ عجم پیش کر کے عجمی خُداؤں اور اُن کے پرستاروں کے عقائد سے پردہ اُٹھا دیا ہے۔ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوہ حسنہ کو جو کُل نسل آدم کے لیے مشعل راہ ہے پھر سے اُجاگر کیا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ مُسلمان اِسے پڑھ کر صراطِ مُستقیم پر گامزن ہوں۔ آمین۔[1]

[1] اِس کتاب کا پہلا ایڈیشن ایوبی پریس آرڈی نینس کی وجہ سے کراچی میں شائع نہیں ہو رہا تھا۔ محترم نظامی صاحب نے اسے لاہور سے شائع کروایا۔ اور خود اِس کا تعارف لکھا۔ اللہ اُن کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ بڑے بے جگر اور بے لوث دُوست ہیں

(مؤلف)

پہلا باب

بیش فرعوناں بگو حرفِ کلیم — تا کند ضربِ تو دریا را دو نیم

اِسلام پر کیا بیتی،

ابھی چند روز پہلے کی بات ہے میں بھی اپنے باپ دادا کیطرح حصُول ثواب اور تلاشِ نجات میں وعظ و میلاد، قوالی و مجالس شیعہ میں دوڑا جاتا اور ایمان تازہ کیا کرتا تھا۔ جو باتیں سمجھ میں نہ آتیں یا خلاف عقل ہوتیں ان پر بھی زبان نہ کھولتا تھا۔ کیونکہ بزرگ کہہ گئے ہیں۔ ؎ خطائے بزرگاں گرفتن خطا است

اتفاق سے ایک دن قرآن حکیم کا انگریزی ترجمہ خرید لایا اور پڑھا تو حیران رہ گیا مترجم قرآن نے بھی اعتراف کیا تھا کہ یہ ایک عجیب و غریب کتاب ہے جو ہر دور اور ہر زمانے میں جاہِل اور عالِم دُونوں طرح کے لوگوں کی اِن کی استعداد اور سمجھ کے مُطابق رہنمائی کرتی ہے۔ اگر اقوام عالم قرآن کی تعلیم پر اتفاق کر لیں تو ہماری دُنیا جنّت ارضی کا نمونہ بن سکتی ہے۔

لیکن ہم اپنے دانشوروں، بزرگوں یعنی ملاؤں اور مجتہدوں سے عُمر بھر یہی سُنتے چلے آئے کہ "قرآن کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اسے صرف امام اور عُلماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عربی زبان نہایت مُشکل زبان ہے۔ اِس میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ ذرا سی لغزش ہوئی اور ایمان غارت ہوا۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ اِس میں ہر بات آسان اور عام فہم انداز میں کھول کر بیان کی گئی ہے۔ اِس کی تعلیم کسی

قوم یا فرقے کے لئے مخصوص نہیں۔ یہ ساری دُنیا کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ انگریزوں نے اسے پڑھا سمجھا اور ترجمہ کر ڈالا۔ معلوم ہو کہ مولوی اور مجتہد کسی خاص وجہ سے مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ خاص وجہ معلوم کرنا ہو تو یہ کتاب پڑھیئے۔

چند روز بعد اپنے ایک دوست کے اصرار پر پھر ایک مجلس میں جانا پڑا۔ جہاں علامہ رشید ترابی صاحب ذاکری فرما رہے تھے۔ آپ نے بڑی گرجدار آواز میں فرمایا۔ "باب العلم کو ہم نے بابل و نینوا کی میراث سونپ دی" تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے اپنے دوست سے پوچھا یہ بابل علم کون صاحب تھے۔ اس نے جھنجھلا کر جواب دیا یہ لفظ بابل علم نہیں ہے۔ اسے باب العلم کہو۔ یعنی علم کا دروازہ۔ اور یہ خطاب جناب امیر کا ہے (یعنی حضرت علیؓ کا)

میں نے کہا "مگر باب العلم کو بابل و نینوا سے کیا تعلق تھا۔ وہ خالص عربی تہذیب اور رسول عربی علیہ السّلام کی تربیت کے پروردہ اور نمائندہ تھے۔ جب کہ بابل و نینوا قدیم آسیائی تہذیب کے گہوارے شمار ہوتے ہیں۔ وہ حضرت علی کو میراث میں کیسے مل سکتے تھے"۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا "یہی تو ہمارے باطنی اسرار ہیں۔ جنہیں سمجھنے کیلئے تمہیں ایک عمر درکار ہوگی۔

ظاہر و باطن کے اسرار

اب مجھے باطنی علوم کی تلاش ہوئی۔ بزرگانِ دین یعنی اولیا و صوفیا وغیرہ کے حالات زندگی میں بار بار پڑھ چکا تھا کہ خواجہ بندے نواز، خواجہ فرید، علی ہجویری، نظام الدین اولیا وغیرہم علوم ظاہری و باطنی سے بدرجہ کمال واقف تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ علوم ظاہری سے مراد قرآن و حدیث کی تعلیم ہے۔ جو چاہے اِن کتابوں کو پڑھ لے۔ اور عالم فاضل بن جائے۔ مگر اِن سے کوئی ولی، مجذوب، قطب، ابدال یا اولیا نہیں بنتا۔ صرف عالم بن سکتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اسے مولوی یا مولانا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن باطنی علوم حاصل کرنے کے لئے خاص قسم کے روحانی پیشوا اور مرشد کی

ضرورت ہوتی ہے۔ جس میں خدائی صفات بھی ہوں۔ یعنی وہ تصرفات کر سکے۔ کرشمے دکھا سکے، لوگوں کے دلوں میں رعب پیدا کر سکے۔ جو چاہے کر گزرے، نامرادوں کی مرادیں پوری کر دے، بے اولادوں کے گھر اولاد پیدا کر دے۔ حتّیٰ کہ سنا ہے کہ جیسے اللہ مارڈالتا تھا ایسے بزرگ اسے قُم بِاِذنی کہکر زندہ کر دیتے تھے۔ خاص کر شیعہ مجتہدین علوم باطنی سیکھے بغیر مجتہد نہیں بنتے۔ جب سیکھ لیتے ہیں تو حجۃ الاِسلام، آیات اللہ، آقائے شریعت، قبلہ و کعبہ کے خطابات سے نوازے جاتے ہیں۔

اتفاق سے علوم باطنی سے پردہ اُٹھانے کی سعادت دو باطنی بزرگوں کو حاصل ہوئی جنہوں نے باطنی فرقوں سے تعلق رکھتے ہوئے بھی دیانتداری سے سب کچھ کھول کر لکھدیا۔ اور سارے راز فاش کر دیئے۔ اِن علوم پر پہلی کتاب انگریزی میں دی فاطمائید (THE FATMID) کے نام سے ملی جسے پروفیسر عبّاس ہمدانی نے لکھا۔ اور پاکستان پبلشنگ ہاؤس کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب شیعہ حضرات کی کوششوں کی بدولت انٹرمیڈیٹ کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

دوسری کتاب تاریخ بنو فاطمین مصر ہے۔ جس کے مصنف پروفیسر زاہد علی ہیں یہ کتاب نفیس اکیڈمی کراچی نے دو جلدوں میں شائع کی ہے۔ اور بی۔اے کے نصاب میں بھی شامل تھی۔ گورنر موسیٰ نے اپنی شیعیت کی پردہ داری کے لئے خلفاء راشدین کے ساتھ اسے بھی خارج از نصاب کر دیا۔

یہ دونوں مصنفین شیعہ فرقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر دونوں نے جان بوجھکر یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ شیعیت نے باطنیت کے پردے میں اسلام کے ساتھ غداریاں کی ہیں۔ اور اسے نقصان پہنچایا ہے۔

باطنی تحریک کی مقبولیت

پروفیسر ہمدانی مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ باطنی فرقہ خاص وجوہ اور خاص مقاصد سے معرض وجود میں آیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اِس قدر مقبول ہوا کہ اس نے نہ صرف شریعت کو بدلنے اور منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ بلکہ اقتدار بھی حاصل کر لیا

اور خلافت بغداد سے ٹکر لینے کے قابل بن گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"بنو فاطمین کی حکومت شمالی افریقہ میں ۲۹۷ھ میں قائم ہوئی۔ یہ ایک سوچی سمجھی تنظیم کے تحت جسے اسماعیلی تحریک کہتے ہیں وجود میں آئی۔ یہ دراصل اسی شیعہ تحریک کی ایک شاخ تھی جسے اسلام کے اقصائے عالم میں پھیلنے کے بعد عجمیوں یعنی ایرانیوں، عراقیوں اور خراسانیوں نے شروع کر رکھا تھا۔ یہ لوگ عربوں کے ماتحت بن کر رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ برابر کے حقوق مانگتے تھے۔ مگر جب وہ حقوق نہ ملے تو انہوں نے اپنی قوت کا اظہار کرنے کے لئے خلافت کے خلاف ایک متحدہ محاذ تیار کیا جو بالآخر حضرت عثمان کی شہادت کا باعث بنا۔ اس سے شیعہ متحدہ محاذ کی اہمیت بڑھ گئی۔ اور لوگ جوق در جوق اس میں شامل ہونے لگے"۔ (دی فاطمائید ص۱)

غالباً اس عبارت سے واضح ہو گیا ہوگا کہ عجمی یعنی آریا نژاد نسلیں جو صدیوں سے اپنی گوری رنگت، قدیم تہذیب اور نسلی برتری پر ناز کرتی رہی تھیں، عربوں کی محکوم بن کر زندگی گزارنا نہ چاہتی تھیں۔ وہ عربوں کو وحشی، بادیہ نشین اور حقیر قوم سمجھتی تھیں۔ جیسا کہ کئی صدیوں بعد فردوسی بھی اپنی نفرت کو چھپا نہ سکا اور لکھ گیا ؎

زشیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید است کار
بدیہیم ایران کند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

بادل ناخواستہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر بہ باطن اس کی بیخ کنی کے درپئے ہو گئے۔ انہوں نے عربی زبان سیکھ کر اپنی قدیم روایات اور رسمیں اسلامی تعلیم میں ملا کر پیش کر دیں تو نئی نسل سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنے کے قابل نہ رہی پھر اسے باطنی اسلام کا نام دیدیا گیا تو مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو گیا۔ عجمیوں نے باطنی اسلام کو لے لیا اور عرب ظاہری اسلام پر قائم رہے۔ مگر یہ فرقہ بندی صرف دو گروہوں تک محدود نہ رہ سکی۔ اور جلد ہی ان میں آپس میں قوت آزمائی شروع ہو گئی۔ چنانچہ ہمدانی صاحب لکھتے ہیں۔

گو یہ سچ ہے کہ ان شیعوں کو کربلا کے واقعہ میں پہلی سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مگر اس نے ان کی تحریک کو خفیہ کاروائیاں کرنا سکھلا دیا۔ چنانچہ جلد ہی ان کی دوسری کوشش مختار کیسانی کے تحت خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں رونما ہوئی۔ اس نے حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو امام مقرر کیا اور حکومت وقت سے بھڑ گیا۔ ہرچند یہ بغاوت بھی ناکام رہی مگر مہدی آخر الزمان کا تصور مسلمانوں میں اسی وقت سے راسخ ہو گیا۔ مختار نے اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے مشہور کر دیا کہ محمد بن حنفیہ مرے نہیں بلکہ روپوش ہو گئے ہیں اور پھر سیاہ جھنڈے لیکر ایک دن واپس آئیں گے اور دنیا میں عدل و انصاف قائم کر دیں گے۔ یہ عقیدہ بے حد مقبول ہوا بلکہ شیعہ عقائد کی بنیاد بن گیا (ص۲)

یعنی اسلامی عقائد و اعمال میں اختلاف و اختلال پیدا کرنے اور اسلام کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے ضروری تھا کئی مکاتب فکر تیار کئے جائیں اور ان میں نزاعی مسائل پر بحث و تکرار اور مناظرے کروا کر انہیں شہرت دی جائے۔ ہمدانی صاحب فرماتے ہیں۔

قدریہ عقائد

"بنو امیہ کے دور میں شیعہ تحریک کا عقیدہ "قدر" پر تھا یعنی ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کا حق ہے۔ اور اس سے یہ ثابت کیا جاتا تھا کہ بنو امیہ اگر برے ہیں تو عوام کا حق ہے کہ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور ان کو نکال باہر کریں۔ یہ عقیدہ سب سے پہلے حسن بصری نے پیش کیا تھا مگر بعد میں امام جعفر صادق نے اسے اپنا لیا اور پھر بنو فاطمین کا یہ مرکزی عقیدہ بن گیا"۔

معتزلہ فرقہ

آگے لکھتے ہیں کہ "بنو امیہ کے خاتمے پر عہد عباسی میں یونانی، ایرانی اور دیگر زبانوں کے علوم اور فلسفے کے تراجم عربی میں ہونے لگے۔ یہ نئے خیالات قرآن کے سیدھے سادھے اسلام کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوئے۔ اسلام منطق اور فلسفے کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ اس سے ایک نیا فرقہ وجود میں آگیا جو معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ فلسفے اور منطق کے ذریعہ اسلامی عقائد میں انقلاب پیدا کرنے لگے۔ شیعوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور علوم باطنی کی بنیاد ڈالی۔ وہ کہنے لگے کہ ظاہری

الفاظ کے باطنی معنی بھی ہوتے ہیں۔ اور باطنی معنوں کو سمجھنے کے لئے تاویل ضروری ہے۔ یقیناً یہ تاویلات جو یونانی اور آریائی دیومالا کے عقائد کی تطبیق سے تیار کی گئی تھیں قرآنی تفسیر تھیں۔ بلکہ فلسفہ و منطق کے ذریعہ قرآنی الفاظ کو نئے معنی پہنا دیئے گئے تھے جو شیعہ اماموں کے مفید مقصد ثابت ہوئے۔ تاویل کا کام امام جعفر صادق کے زمانے میں اپنی معراج کو پہنچ گیا اور مقبول عام ہوا۔ پھر فاطمیوں نے اس علم سے پورا فائدہ اٹھایا۔"

(دی فاطمائید ص۳)

اس طرح ایک نئی شریعت نے جنم لیا۔ جو حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد سے توسل کا دعویٰ کر کے باطنی شریعت کی شکل میں اُبھری۔ اور جب اُس تحریک کو اقتدار حاصل ہوا تو اُس نے شریعت محمدی کی منسوخی کا دھڑلے سے اعلان کر دیا۔ اور مسلمان دم بخود بیٹھے رہے اُن میں کوئی ہیجان نہ ہوا چنانچہ یہ قصہ ڈاکٹر زاہد علی سے اِنکی اپنی زبان میں سُنئے تاکہ غلط ترجمے کا شک نہ رہے۔

ظاہری شریعت کی تنسیخ

اسمٰعیلی کتابوں میں ظاہری شریعت کی تعطیل کے متعدد حوالے ملتے ہیں۔ امام معزّ کی دُعا میں جو تعطیل کا لفظ ہے اِسکے معنی تبدیل و تنسیخ ہی ہیں۔ شریعت محمدی کا مُقابلہ انبیاءِ سابقین کی شریعتوں سے کرنے سے مُراد ہی یہ ہے کہ ظاہری شریعت کو منسُوخ کر دیا گیا یعنی ساتویں رسُول محمدّ بن اسمٰعیل کے عہد سے جو قائم سابع اور قائم القیامۃ و البعث ہیں ظاہری شریعت معطل ہو گئی اور باطنی شریعت شروع ہو گئی۔ گویا چھٹا جسمانی دُور ختم ہوا۔ اور ساتویں رُوحانی دُور کی ابتدا ہو گئی۔ اب ظاہری اعمال یعنی نماز روزہ وغیرہ کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ ان کی تاویلیں ظاہر کر دی گئیں۔ اب ممثولات کی معرفت اور ولایت کافی ہے۔ سب سے اہم راز جسے امام معزّ کے باب الابواب جعفر بن منصور نے صاف صاف ظاہر کر دیا یہ ہے کہ ہم نے صرف چھ اماموں پر انحصار کیا ہے۔ اور بے شک ساتویں امام محمدّ بن اسمٰعیل ہی اہل معرفت و عقل کے لئے مبدّل شریعت ہیں۔ یعنی شریعت کو بدلنے والے ہیں۔ اور یہی عقیدہ قدیم اسمٰعیلیوں کا رہا ہے۔" (ص۲۰۹ ج ۲)

یعنی جب باطنی شریعت کے اصول و عقائد مرتب ہو گئے تو اعلان کر دیا گیا کہ

اب ظاہری شریعت کی ضرورت نہیں رہی۔ اور آپ کو معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ یہ باطنی شریعت حضرت علیؓ کی شریعت کہلائی جو رسُول عربی کی زندگی میں دورِ ستر میں یعنی پوشیدگی میں تھی۔ خلفائے ثلاثہ کے دُور میں اُس پر دورِ فترت طاری رہا یعنی کمزوری اور بے بسی کا دور رہا اور جب حضرت علیؓ کو خلافت مِل گئی تو دورِ کشف میں آ گئی یعنی اُس کا ظہور ہو گیا۔ اور جب ظہور ہو گیا تو لازماً اُس نے اپنے پیشرو رسُول کی شریعت کو جو ظاہری شریعت کہلاتی ہے، منسُوخ کر دیا۔

اُس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ جو اِس باطنی شریعت کو نہ ملنے اور رسُولِ عربی کے اسلام پر قائم رہنے کی ضد کرے وہ مرتد، کافر، ناصب، غاصب اور خارجی کہلائے۔ پھر اُس کا اطلاق عہدِ ماضی پر بھی کر دیا۔ اور تمام خلفائے اسلام، اصحابِ رسُول و ازواج مطہرات کو بھی مرتد و کافر قرار دیا گیا۔ اور برملا کہا گیا کہ حضرت علیؓ اور اُن کے پانچ اعوان و رفقاء کار کے علاوہ سب مرتد ہو گئے تھے۔ اُس سے بھی عام مُسلمانوں کی کوئی دل شکنی نہ ہوئی جس سے اُن کی گمراہی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دُوسری طرف جس نے باطنی اسلام قبول کر لیا۔ یعنی حضرت علیؓ کی رسالت، امامت اور ولایت کا اعتراف کر لیا وہ مُسلمان ہو یا نہ ہو، مُومن کہلانے کا مستحق بن گیا۔ بلکہ اُسے اور اُس کی اولاد کو آلِ رسُول اور سیّد بن جانے کا بھی حق مِل جاتا تھا چنانچہ عہد ماضی میں تمام یہودی اور مجوسی جو باطنی تحریک میں شریک ہوئے وہ ساداتِ مومنین کہلائے اور اب یہی لوگ آلِ حسین اور آلِ رسُول کہلاتے ہیں۔ اور کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آل کے معنیٰ اُمت کے ہیں۔ جیسے آلِ فرعون اور آلِ نمرود وہ قومیں ہیں جو اِن کے بادشاہوں کا ساتھ دیتی تھیں اور آلِ ابراہیم اور آلِ موسیٰ سے جنگ کرتی تھیں۔ ظاہری و باطنی رسالت کا فرق ڈاکٹر زاہد علی سے سُنئے۔

ظاہری و باطنی رسالت کا فرق

عُلوم باطنی کی رُو سے دورِ ستر و پوشیدگی میں مستقر امام الہام سے حسب ضرورت اپنی جگہ نائبوں کا تقرر کرتا ہے جو مستودع یا انبیاء کہلاتے ہیں۔ امام اگر مناسب سمجھتا ہے تو خود بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اس کا ظہور کلی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بعض بعض

مقامات پر ظاہر ہوتا ہے جس طرح حضرت ابراہیم کا ظہور شام میں ہوا۔ آپ اپنے زمانے کے مستقر امام بھی تھے یعنی ظاہری شریعت کے علاوہ علم باطن کے بھی مالک تھے۔ آپ کی ذات میں مستقر اماموں کا سلسلہ حضرت عبدالمطلب تک پہنچا۔ اُن کے دُو فرزند ہوئے، ایک حضرت عبداللہ جنہیں عبدالمطلب نے ظاہری دعوت کا صدر بنایا۔ اور دُوسرے ابو طالب جنہیں دعوت باطنی کا رئیس مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ کے قائم مقام حضرت رسولِ خدا صلعم ہوئے۔ اور حضرت ابو طالب کے جانشین حضرت علی رضؓ ہوئے۔ یعنی ہر بیٹے کو اپنے باپ کی وراثت ملی۔ اسی وجہ سے حضرت رسولِ خدا صلعم شریعتِ ظاہری کے مالک ہوئے۔ اور حضرت علی رضؓ دعوتِ باطنی کے صدر مقرر ہوئے۔ حضرت علی کی نسل سے قیامت تک ائمہ قائم ہوں گے۔ اور آخری امام قائم القیامتہ ہوگا جو دورِ کشف کا پہلا امام ہوگا اس کے بعد پھر دورِ فترت (کمزوری) اور اس کے بعد دُورِ ستر (پوشیدگی) واقع ہوگا۔ اور جب تک جسمانی عالم میں سب نفوس نجات نہ پا جائیں۔ گویا دُنیا کے ختم ہونے تک پہلے انسان صاحب جثہ ابداعیہ ہی کی نسل سے امامت کا سلسلہ باقی رہیگا (بنو فاطمین مصر ص ۲/۲۰)

ناظرین کو اس مضمون سے رسول اللہؐ اور علیؓ کے مراتب کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ رسول اللہؐ کو علوم باطنی کا کوئی علم نہ تھا۔ علوم باطنی صرف حضرت علیؓ اور اِن کی اولاد کو معلوم تھے اور اُنہیں میں رہے۔ نیز آپ کو معلوم ہوا کہ ہمارے رسولِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو رسالت ملی تھی وہ نبوت تھی۔ اور حضرت علی کی رسالت کا نام امامت تھا۔ باطنی عقیدہ ہے کہ امام رسول اور نبی سے برتر ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب سے امام کا مرتبہ معلوم کیجئے۔ اس سے واضح ہو جائے گا کہ امام نبی سے کیوں بڑھکر ہوتا ہے۔ آپ اس عقیدے کو قبول نہ کریں گے تو ناصبی کہلائیں گے۔ یعنی پھر آپ کا حشر مومنین کے ساتھ نہ ہو سکے گا۔

امام کا مرتبہ "امام کو ایک فوق البشر شخصیت دی جاتی ہے۔ اس سے خُدا کی صفات منسوب کی جاتی ہیں۔ اس کو رسُول سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے کیونکہ رسُول تو معمولی انسان ہوتا ہے۔ دُنیا میں ایک لاکھ چالیس ہزار رسُول آئے۔ لیکن امام

صرف چند ہوئے جن میں سے چھ تو سب کے پاس مشترک ہیں یعنی امام جعفر تک جو باطنی مذہب کے بانی ہیں۔ اس کے بعد ہر فرقے کے امام الگ ہو گئے۔ مگر وہ ساٹھ سے متجاوز نہ ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اخوان الصفا میں امام کی خصوصیات حسب ذیل درج ہیں

"باطنی عقائد میں امام علم خُدا کا خازن اور علم نبوّت کا وارث ہے۔ اس کا جوہر سماوی اور اس کا علم عُلوی ہے۔ اس کے نفس پر افلاک کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق اس عالم سے ہے جو خارج از افلاک ہے۔ اس میں اور دُوسرے بندگان میں وہی فرق ہے جو حیوان ناطق اور حیوان مطلق میں ہوتا ہے۔

ہر زمانے میں ایک امام ہوتا ہے۔ زمین کبھی امام سے خالی نہیں رہ سکتی۔ ورنہ وہ متزلزل ہو جائے۔ اماموں کا سلسلہ روزِ قیامت تک حضرت فاطمہ ہی کی نسل سے جاری رہے گا۔ باپ کے بعد بیٹا خواہ وہ عمر میں بڑا ہو یا چھوٹا، بالغ ہو یا نابالغ امام ہوتا رہیگا سوائے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کے جو ایک خاص صُورت ہے (یعنی دُونوں بھائی ہوتے ہوئے بھی امام برحق رہے)

امام ہی کو دُنیا پر حکُومت کرنے کا حق ہے۔ دُوسرے سب حکام غاصب اور متغلب ہیں (مُراد ناصبیوں سے ہے جن میں خلفائے اسلام وسلاطین عباسیہ سب شامل ہیں) کبھی امام ظاہر ہوتا ہے، کبھی اپنے دُشمنوں کے خوف سے چھُپ جاتا ہے۔ اس صُورت میں اس کے نائب جنہیں داعی یا آدیاؔ کہا جاتا ہے اس کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

امام معصُوم ہوتا ہے اس سے کوئی خطا نہیں ہوتی۔ ہر حالت میں اس کے حکم کی تعمیل لازمی ہے۔ خواہ اس میں کوئی حکمت نظر آئے یا نہ آئے۔

امام غیب اور آنے والے حوادث سے واقف ہوتا ہے۔ اور شریعت کے تمام علُوم جانتا ہے۔ خصوصًا کلام مجید کے حروف مقطعات کے اسرار سے سوائے امام کے دُوسرے واقف نہیں۔ (حتیٰ کہ رسُول اللہ بھی واقف نہ تھے۔)

معرفت کی طرح ہر مومن پر اپنے زمانے کی ولایت بھی فرض ہے یعنی اس کی ولایت کو تسلیم کئے بغیر کوئی عمل مقبول نہ ہوگا۔ جو امام کی امامت کا قائل نہیں اُس کے

سارے اعمال محض بیکار ہیں" (بنو فاطمین مصر ص ۲۶۸)

یقیناً اس بیان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ باطنی شریعت کا امام ہمارے اسلامی عقیدۂ رسالت و نبوت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ محض عجمی دیوتاؤں جو پیٹر، اپولو، لعل وغیرہ قسم کی کوئی چیز ہوتا ہے۔ مگر انسان نہیں ہوتا۔ امامت کے اس سلسلے کو جاری کرنے والے بزرگ کا حال ڈاکٹر زاہد علی سے سنئے۔

باطنیت کا بانی

"کہا جاتا ہے کہ اسمٰعیلی دعوت کا بانی ایک ایرانی داعی (مبلغ) ابو شاکر میمون القداح یا اس کا بیٹا عبداللہ ہے۔ یہ دونوں مختلف ادیان اور یونانی فلسفے کے ماہر تھے۔ میمون دوسری صدی کے نصف آخر میں جنوب فارس میں رہتا تھا جو شیعوں کی پناہ گاہ تھی (اس کا اصلی مذہب مجوسی (آتش پرست) تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتا تھا۔ ابتدائی زندگی میں وہ حضرت امام جعفر کا غلام تھا۔ خلیفۂ عباسی منصور ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ کے آخری عہد میں وہ اور اس کے ساتھی گرفتار کر کے کوفے کے قید خانے میں بھیج دیئے گئے۔ قید خانے میں اُنہوں نے اپنے مذہب کے جو مذہب باطنیہ (چھپانے یا چھپنے والوں کا مذہب) کے نام سے منسوب ہے کچھ مدارج مقرر کئے (قواعد و قوانین بنائے) قید خانے سے چھوٹنے کے بعد میمون اور اس کے بیٹے نے اسمٰعیلی دعوت کا سلسلہ شروع کیا جو جنوب فارس، جنوب عراق اور بحرین میں بڑا کامیاب رہا (بنو فاطمین مصر ج ۲ ص ۳۱۴)

ابھی ڈیڑھ سو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ رسول عربی کا اسلام منسوخ ہو گیا۔ اور ایک نئے مذہب کی داغ بیل پڑ گئی۔ جو عرب کے باہر عجمی علاقوں یعنی عراق، ایران، سمرقند، بخارا، شام، فلسطین، یمن، مصر اور مشرقی افریقہ میں بے حد مقبول ہوا۔ آیئے دیکھیں اس کی تبلیغ کس طرح شروع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں

باطنی دعوت کیا ہے

"اسلام کے جن فرقوں نے مذہب کو فلسفے سے متحد کرنے کی کوشش کی ان میں معتزلہ اور اسمٰعیلیہ کو قدامت کا شرف حاصل ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ اسمٰعیلیوں نے اپنے اصول معتزلیوں سے اخذ کئے ہیں۔ جن کا رئیس واصل بن عطا متوفی ۱۸۱ھ گزرا ہے۔

اسمٰعیلیوں کا بھی دوسرے شیعہ فرقوں کی طرح یہ عقیدہ ہے کہ شریعت کے روحانی علوم کا منبع اور سرچشمہ حضرت علیؓ ہیں۔ آپ کے بعد ان علوم کی وراثت آپکی اولاد کو ملی۔ یہ علوم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ تک پہنچے۔ آپ نے ان کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔ آپ کے شاگرد ابو موسیٰ جابر بن حیان نے ایک ہزار ورق کی ایک کتاب لکھی جس میں آپ کے پانچ سو رسالے شامل ہیں۔ یہ رسالے زیادہ تر زجر فال کیمیا وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہیں۔ آگے لکھتے ہیں۔

بہر حال اسمٰعیلیوں کی روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق نے علوم باطنیہ کی اشاعت میں بڑا اہتمام کیا۔ آپ ہی نے ظہور سے پہلے مہدی کے ظہور کی تمہید کی۔ بلاد مغرب (افریقہ کے شمالی حصے) میں اسمٰعیلی داعیوں نے مسلسل اور جان توڑ کوشش کر کے اسمٰعیلیت پھیلائی۔ اور خلافت عباسیہ کے سیاسی اثر کو ان شہروں سے زائل کر دیا۔ ان میں سب سے زیادہ جس داعی کی دلیری محنت اور جان فشانی قابل تعریف ہے وہ ابو عبداللہ شیعی ہے۔ اور فاطمین کے ظہور کا سہرا اسی کے سر ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اسمٰعیلی پہلے ایک فرقے کی شکل میں تھے۔ بڑھتے بڑھتے سیاست کے میدان میں اُتر آئے۔ ان کے مہدی کے ظہور کا اصلی مقصد ان کے عقائد کی تعلیم تھی۔ باطنی اسمٰعیلی عقائد کی تعلیم صرف دعوت کے حلقے تک محدود تھی۔ مگر ظہور مہدی کے بعد سے فرقہ اسمٰعیلیہ کا مذہبی دور سیاسی دور میں بدل گیا۔" (ص ۲۸۸ تا ص ۲۹۰ ج ۲)

یہ مضمون بالکل صاف ہے۔ اس لئے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ایک مجوسی غلام کی دماغی اُپج قابل تعریف ہے کہ نہ صرف اس نے اسلام کو زک دینے کے قابل ایک نیا مذہب تیار کیا۔ بلکہ حکومت پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور خوب کیا یعنی فاطمی سید بن کر کیا اور اصلی سادات منہ دیکھتے رہ گئے۔

یہاں لفظ دعوت یا دعوہ کے معنی پر غور کر لیجئے۔ یہ لفظ تبلیغ سے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظ انگریزی لفظ مشن (MISSION) یا مشنری کے مترادف ہے۔ اب آپ ڈاکٹر صاحب سے سنئے۔ یہ مشن کیسا تھا اور اس کے عزائم کیا تھے۔

دعوت کے مقاصد

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ "بے شک اسمٰعیلیوں نے اپنی سیاسی عمارت کی بنیاد، مذہب پر رکھی تھی جسے وہ دعوت کہتے تھے۔ امام مہدی سے لیکر مستنصر کے اگلے زمانے تک یہ مذہبی سرگرمی جاری رہی۔ امام کے قصر میں بڑے اہتمام سے مذہبی مجلسیں ہوا کرتی تھیں جن میں علوم اہلِ بیت پر لکچر دیئے جاتے۔ فقہ میں دعائم الاسلام، اور علمِ باطن یا تاویل میں اساس التاویل سرایر النطقار، تاویل الزکوٰۃ، تاویل سورۃ النساء وغیرہ اِسی دور میں تصنیف کی گئیں مصر کے علاوہ عراق، شام، یمن اور ہندوستان کے بعض شہروں میں دعوت قائم کی گئی اور تبلیغ کا سلسلہ بڑی کوشش سے جاری رہا۔ اسی زمانے میں ناصر خسرو حمید الدین کرمانی مؤید شیرازی اور حسن بن صباح ایران سے مصر میں آئے" (ص ۳ ج ۲)

ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ اِن داعیوں یعنی مشنریوں کے اصلی مقاصد سیاسی ہوتے تھے۔ یعنی دُوسرے ممالک میں تبلیغ دین کے بہانے جانا اور شورشیں برپا کرنا۔ ہوسکے تو حکومت وقت کے خلاف بغاوت کروا دینا۔ اور موقع ملے تو حکومت پر قبضہ کر لینا"۔

آگے لکھتے ہیں کہ اسمٰعیلیوں کے دعوتی نظام میں چند داعی ایسے بھی ہوئے ہیں جو اہلِ سیف کہلائے۔ اُن کے ہاتھ میں مُلک کی حکومت آئی اور یہ سیاسی امور انجام دیتے رہے۔ بعض داعی اہلِ قلم ہوئے جنہوں نے امور مذہبی کے صدر کی حیثیت سے شرعی خدمتیں انجام دیں اور بلحاظ مصلحت کبھی ایک ہی داعی سیف و قلم کا مالک ہوا۔ اور دُونوں فرائض انجام دیتا رہا۔ (ج ۳ ص ۳)

ڈاکٹر صاحب ایک بڑے گُر کی بات بتلا گئے کہ اِسلام کے خلاف مذہب بنانے کے لئے ایسی چیز پیش کرنی تھی جو لوگوں کو اپیل کرتی۔ اور یہ چیز تھی محبت اہلِ بیت کا چٹکلہ جو عبداللہ بن سبا یہودی نے چھوڑا تھا۔ اور اس چٹکلے سے نہ صرف حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں کامیابی ہوئی بلکہ بنو اُمیّہ کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ جو اِسلام کے بڑے داعی تھے۔ شاید آپ کو یہ سن کر حیرت ہو کہ اسی دعوت اہلِ بیت کے نام سے فاطمیوں سے پہلے عبّاسیوں نے بھی حکومت حاصل کی تھی۔ اور شیعانِ عراق کی مدد سے بنو اُمیّہ کی حکومت ختم کی تھی۔

ہاشمیّت کا دعویٰ

فرماتے ہیں۔ "اہلِ بیت کے لفظ سے عرف عام میں حضرت فاطمہؓ کی اولاد مُراد تھی۔ لیکن عبّاسیوں نے عام لوگوں کو باور کرایا کہ وہ بھی اہلِ بیت کی طرف دعوت کرتے ہیں اور اپنی دعوت کا نام ہاشمیہ رکھا۔ جس سے دراصل مُراد ابو ہاشم عبدُاللہ عبّاسی سے تھی۔ مگر لوگ سمجھے کہ اِس سے مُراد بنو ہاشم بن عبدالمطلب ہیں۔ جن میں بنو فاطمین بھی شامل ہیں۔ اِس سے لوگ دھوکے میں آگئے اور عبّاسیوں نے اپنی قوت بڑھالی۔ حقیقت میں ان کی کامیابی زیادہ تر شیعوں کی کوششوں کے سبب ہوئی جو مختار بن ابی عبیدہ کے وقت سے اہلِ بیت کے لئے دعوت کر رہے تھے۔ اور جنہوں نے موالی و عجمی غلاموں کی ایک کثیر تعداد کو اپنے زیر اثر کر لیا تھا۔ اِن کے دلوں میں اہلِ بیت کی گہری محبت پیدا کر دی تھی۔ اِس زمانے میں شیعوں کی دُو جماعتیں تھیں۔ ایک محمّد بن حنفیہ کے اتباع جو کیسانیہ حنفیہ کہلاتے اور دُوسری جماعت حضرت فاطمہؓ کی اولاد کے پیرو تھے جس کا نام آئندہ چل کر امامیہ پڑ گیا۔ جس میں اسماعیلیہ اور اثنا عشری دُونوں شامل ہیں" (ص ۵ ج ۱)

آپ نے دیکھا کہ عجمی علاقوں میں دعوت الی الاِسلام یا دعوت الی التوحید کے مقابلے میں دعوت اہلِ بیت کیسی کامیاب رہی۔ یعنی عجمی دماغ اپنے اِنسانی خُداؤں کو چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔ ہاں اتنی تبدیلی گوارا تھی کہ پرانے خُداؤں کے بدلے نئے خُدا قبول کرلے۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ فاطمیوں نے بھی جو آگے چل کر باطنی مذہب کے اصل بانی بنے ہیں اِسی دعوت اہلِ بیت کے دعوے کے ذریعہ حکومت حاصل کرلی تھی۔ اِس کی تفصیل اُنہی سے سُنیئے۔

فاطمی دعویٰ

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ "۱۴۹ھ میں امام جعفر صادق نے عقائد اہلِ بیت کی تعلیم کے لیے دُو داعی حلوانی اور ابو سفیان افریقہ بھیجے۔ اُن کو ہدایت کی کہ افریقہ کی زمین غیر مزروعہ ہے۔ جاؤ اس میں ہل چلاؤ۔ جب تک کوئی بیج بونے والا وہاں آئے اِن داعیوں نے قبائل بربر میں عقائدِ اہلِ بیت کی اشاعت کی اور

بہت لوگوں کو اپنا معتقد بنایا۔ خصوصاً قبیلہ کتامہ میں اُن کو بڑی کامیابی ہوئی۔ یہی وہ قبیلہ ہے جس کی مدد سے دولت فاطمیہ نے سارے بلاد مغرب پر قبضہ کر لیا (تاریخ فاطمین مصر ص۱۰۲ ج۱)

آگے لکھتے ہیں، مگر اِن فاطمیوں کے نسب میں لوگوں کو شکوک ہیں۔ اُن کا دعویٰ تھا کہ وہ سب سید ہیں۔ کسی نے امام حسنؓ کی اولاد بتلایا ہے کسی نے امام حسینؓ کی لیکن عوام اِن کو یہودی النسل جانتے رہے ہیں۔ اسماعیلی داعی ادریس کی روایت ہے کہ اسماعیل کے انتقال کے بعد محمدؐ اُن کے وارث ہوئے تو امام جعفر نے محمدؐ کو چھپا دیا۔ کیونکہ خلافتِ عباسیہ ان کی جان کے درپے تھی۔ اور عوام میں موسیٰ کاظم کو ان کا حجاب یعنی ظاہری نائب اور میمون القداح کو ان کا کفیل یعنی باطنی نائب مقرر کیا۔ تاکہ لوگ محمدؐ کو بھول جائیں اور اِن کی توجہ موسیٰ کاظم کی طرف ہو جائے۔

چونکہ میمون القداح دعوت باطنیہ کا صدر تھا جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔ عام لوگوں نے سمجھ لیا کہ مہدی یعنی پہلا فاطمی میمون القداح کی اولاد میں سے ہے۔ اور یہ مغالطہ اِس لئے ہوا کہ میمون القداح ابتداء میں امام محمدؐ بن اسماعیل کے نام سے بیعت لیتا تھا۔ لیکن اِس کے بیٹے احمد کو جب کافی قوت حاصل ہو گئی تو اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ میرا باپ عبداللہ بن میمون القداح ہی حقیقی امام ہے اور میں اِس کا جانشین ہوں۔ یہ دیکھ کر قرامطہ نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ (تاریخ بنو فاطمین مصر ص۸ ج۲)

یہاں آپکو معلوم ہوا کہ قرامطہ بھی باطنی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اسماعیلیوں سے ناراض اِس لئے ہو گئے کہ اسماعیلیوں نے اولاد فاطمہ ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا جب کہ وہ میمون القداح یعنی امام جعفر کے ایرانی غلام کی اولاد تھے۔ قرامطہ بھی خاصے ذی اقتدار تھے۔ سندھ سے پنجاب تک اِن کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ یمن ان کا صدر مقام تھا۔ بحرین میں اُن کی قوت تھی۔ کہتے ہیں کہ قرامطہ نے خانہ کعبہ سے حجرِ اسود اکھاڑ لیا اور بیس سال تک اسے بحرین میں رکھا۔ وہ خانہ کعبہ کو مسمار کر کے اس کا ملبہ بھی بحرین لانا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے محمود غزنوی کو بھیجا۔ اِس نے اِن کا قلع قمع کر دیا۔ ملتان اور سندھ کی حکومتیں بھی چھین لیں۔ ہمارا کوئی مؤرخ اِس واقعہ کو اہمیت نہیں دیتا۔

حجاج بن یوسف اور بنو اُمیہ ہی اِسے خانہ کعبہ کی توہین کرنے والے نظر آتے ہیں جنہوں نے وہاں چھپنے والے باغیوں کو نکالنے کے لئے سنگ باری کی تھی اور غلاف کعبہ جلا دیا تھا۔ پھر اِس کی تلافی بھی کر دی اور بہتر غلاف پہنا دیا کیونکہ یہ اِن کا بھی محترم اور معزز تھا۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے بتلایا تھا کہ رسُول عربیؐ کے اسلام کو مسخ کرنے اور مسلمانوں کا زور توڑنے کے لئے تمام عجمی ایرانی، عراقی، خراسانی، یمنی اور مصری باطنیت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تھے۔ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ متحد رہے اور دعوتِ اہلِ بیت کے نام سے ملکر کام کرتے رہے۔ جی نہیں چونکہ فسادو افتراق اِن کا پیشہ تھا یہ خود بھی کبھی متحد نہ رہ سکے۔ بلکہ فرقہ در فرقہ تقسیم ہوتے چلے گئے۔ اور ایک دُوسرے کو گالیاں دیتے رہے۔ اُن کے اختلاف کی چند مثالیں ڈاکٹر صاحب سے سُنئے

امامت میں اختلاف

امام مہدی کے بارے میں اسماعیلیوں اور دُوسرے شیعوں میں بڑا اختلاف ہے۔ اثنا عشری (بارہ امامیہ) کہتے ہیں کہ وہ مہدی جس کی خوشخبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہ بارہویں امام ہیں جو تقریباً ۵ سال کی عمر میں دشمنوں کے خوف سے سامرہ کے ایک سرداب (سرد پانی کے چشمے) میں چھپ گئے۔ وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔ اور قائم القیامۃ (یعنی قیامت برپا کرنے والے مُراد خُدا کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔

لیکن اسماعیلیوں کے وہاں مہدی کا ظہور ہو چکا ہے۔ یہ ۲۹۷ھ میں موضع اقادہ میں ظاہر ہوئے۔ باطنیوں کے یہ گیارہویں امام ہیں۔ اِن کے بعد ۹ اور امام ہوئے جو ظہور کے امام کہلاتے ہیں۔ پھر ۵۲۵ھ میں اکیسویں امام طیب ڈھائی سال کی عُمر میں دُشمنوں کے خوف سے مستور کر دیئے گئے۔ اس امام کی نسل سے روزِ قیامت تک یکے بعد دیگرے امام ہوتے رہیں گے۔ اِن کا آخری امام قائم القیامۃ ہوگا۔ جس سے دورِ کشف کی ابتداء ہوگی۔ یہ سب ائمہ اولوالامر کہلاتے ہیں۔ جن کی اطاعت بندگانِ خُدا پر فرض ہے

(ص۲۶۸ ج ۳ بنو فاطمین مصر)

آگے لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا کے پیرو سبائیہ کہلاتے تھے۔ اِن کا عقیدہ تھا کہ

امام عارضی طور پر غائب ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ ایک روز ظاہر ہوگا۔ ابتدا میں اماموں کی تعداد چار تک محدود رکھی گئی۔ اور سبط لا یذوق الموت (نواسہ جو موت کا مزہ نہ چکھے گا) سے مراد محمد بن حنفیہ ہیں جو شیعوں کے پہلے امام ہیں جو مہدی کے نام سے مشہور ہوئے۔ انکے ماننے والے کیسانیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ عارضی طور پر غائب ہوگئے۔ مگر روزِ قیامت ظاہر ہوں گے۔"

اب ہم تھوڑا سا نمونہ اِن علوم کا دکھانا چاہتے ہیں جو عجمیوں نے اسلام کا مذاق اُڑانے اور اُسے بدنام کرنے کے لئے بڑی محنت سے تیار کیا تھا۔ اور اُسے حضرت علی رض کی باطنی شریعت کا نام دیا تھا۔

باطنی علوم ڈاکٹر صاحب تبلاتے ہیں کہ اسماعیلیوں نے اپنے باطنی علوم کو مالکی فقہ سامنے رکھ کر تیار کیا تھا۔ اور بڑی ہوشیاری سے اسے توڑ مروڑ کر مسخ کیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے علوم کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔

۱۔ فقہ ۲۔ تاویل ۳۔ مذہبی فلسفہ یا حقائق

اِن تینوں حصوں کی تعریف اُنہی کی زبانی سُنیئے،

علم فقہ ڈاکٹر صاحب تبلاتے ہیں کہ اسماعیلیوں کی فقہ میں قیاس اور رائے کو بالکل دخل نہیں ہے۔ اِس میں اجتہاد گمراہی کہلاتا ہے (یعنی مذہبی امور میں عقل استعمال کرنا منع ہے) اور ہر شرعی حکم نص قطعی کا محتاج ہے (مگر باطنی مذہب میں یہ نص یا دلیل قرآن سے نہیں ملتی) امام کے حکم کو نص کہا جاتا ہے۔ کیونکہ امام کا حکم خدا کا حکم سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ امام کو خُدا سمجھا جاتا ہے۔ اِس علم کی مستند کتاب دعائم الاسلام ہے۔

علم تاویل جسے عرفِ عام میں علم باطنی بھی کہا جاتا ہے۔ اِس میں جو اسرار (بھید) ہیں وہ عوام کو نہیں بتلائے جاتے۔ اِن علوم پر مستند کتابیں، اساس التاویل اور سرائر النطقاء وغیرہ ہیں۔

اس علم نے اسلام پر گہرے اور دور رس اثرات چھوڑے ہیں۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ اِس علم کے ذریعہ مسلمانوں کا اندازِ فکر ہی بدل دیا گیا ہے۔ اور رسولِ عربی

کے اسلام کو ہمیشہ کے لئے سُلا دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ فعال دین با تحریک بن کر پھر کبھی نہ اُبھر سکے۔
ڈاکٹر اقبال نے بھی اِس بات کو محسوس کر کے کہا تھا

زندہ قومے بود از تاویل مرد   آتش او در ضمیر او فسرد

یعنی مُسلمان ایک زندہ قوم تھے اُنہیں تاویل کے میٹھے زہر سے مار ڈالا گیا۔ اور ایمان کی جو آگ اِن کے دلوں میں روشن کی گئی تھی اسے سرد کر دیا گیا۔

تاویل کا یہ حربہ اِس قدر موثر اور مُفید ہے کہ دُوست اور دُشمن دُونوں اِس سے چمٹے ہوئے ہیں اور قعرِ مذلت میں غوطے لگا رہے ہیں۔ اگر شیعہ مجتہد، ذاکر یا کوئی شرتین علاّمہ مُسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے آیات قرآن کی غلط تاویل کر کے روپیہ کماتا ہے تو سُنّی مُلا مولود خواں، مجاور یا مشائخ بھی اِسی تاویل کی الٹ پھیر سے اپنا آزوقہ حاصل کرتا ہے اور سب کے سب اپنے اپنے فرقے کو گمراہ رکھنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ اِس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علمِ تاویل کو ذرا تفصیل سے پیش کیا جائے۔ کیونکہ یہی وہ علم ہے جو اسلام کو تباہ کرنے کے لئے بڑی محنت سے تیار کیا گیا تھا چنانچہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

شیعوں کے تمام فرقے تاویل کے قائل ہیں۔ ان کے یہاں آیت لا یعلم تاویلہٗ الا اللہ ۔ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ میں اِلّا اللہ پر وقف کرنا درست نہیں تاکہ اللہ کے ساتھ وہ عُلما بھی جو علمِ باطنی میں راسخ ہوں تاویل کو جاننے اور سمجھنے والے شمار کئے جا سکیں۔ حالانکہ آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اِن باتوں کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور جو لوگ صاحبِ علم ہیں وہ اعتراف کرتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

یہ اثرات ہماری تمام مروجہ تفاسیر و تراجم میں جگہ جگہ موجود نظر آتے ہیں۔ مگر ہم زبان نہیں کھول سکتے۔ سورتوں اور آیتوں کی شان نزول ملاحظہ فرمایئے صاف معلوم ہو جائے گا کہ سیدھی سادی اور صاف بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر مولوی صاحب کا اصرار ہے کہ جو کچھ اگلے لکھ گئے ہیں وہی صحیح ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ قرآن کا اصل مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ شیعہ انہی آیات سے کچھ مفہوم نکالتے ہیں بریلوی کچھ اور دیو بندی کچھ

اور سب کو ناز ہے کہ وہی قرآن کے وارث ہیں۔ حالانکہ ایسی شرارتیں کرنے والے اور قرآن کے معنیٰ بدلنے والے اسماعیلی داعی تھے جنہوں نے احکام، عبادت، قصص الانبیاء اور تاویلات قرآن پر مستقل اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ اور صوفیا و شیعہ گروہوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا ہے اور آج بھی اُٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو اعتراف ہے کہ یہ کام خاص مقصد سے کیا گیا تھا فرماتے ہیں۔

تاویل کا مقصد

"علمِ تاویل کا مقصد اُمّت میں اختلاف پیدا کرنا تھا۔ اسی وجہ سے تاویل کے اصول اور طریقے منضبط کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ تاویل میں یکسانیت ضروری نہیں۔ مختلف داعی مختلف تاویلیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی داعی شریعت کے ایک ہی حکم کی مختلف وجوہ سے مختلف تاویلیں کر سکتا ہے۔

اس کے جواز میں ان کے پاس امام جعفر کا یہ قول ہے کہ تاویل سات سے ستر تک ہو سکتی ہیں۔ یعنی سننے والے کی لیاقت، وقت کی نزاکت اور موقع و محل کے لحاظ سے تاویلیں بدلی جا سکتی ہیں"۔ (ص ۱۹۳ ج ۲)

شیعہ مذہب میں اس کو تقیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اور تقیہ باطنی مذہب میں دس حصّوں میں سے نو حصّے ہے جب کہ باقی تمام علوم و اعمال صرف ایک حصّہ میں سما جاتے ہیں جسے ہم عرفِ عام میں جھوٹ بولنا کہتے ہیں۔ مگر باطنی مذہب میں مختلف وجوہ سے جھوٹ بولنا کارِ ثواب ہے۔ یعنی کبھی جان بچانے کے لئے، کبھی دھوکہ دینے کے لئے اور کبھی دوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف تاویلات کرنا بھی جزوِ دین ہے۔ اور یہ بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کیا ہوا علم ہے جس کے اصول، شرائط مقرر کر دیئے گئے ہیں۔

تاویل کی شرائط

ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں "تاویل جیسے اہم علم کو بے قاعدہ و بے اصول نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اس کی شرائط بھی مقرر کر دی گئی تھیں مثلاً

۱۔ تاویل کی حدود سے متجاوز نہ ہوں یعنی جس طرح سُنا ہے اسی طرح سُنائیں۔ اس میں ردّ و بدل نہ کریں۔ ورنہ دین میں خلل آ جائے گا۔

۲۔ تاویل کرنے سے پہلے رمز و اشارے سے کام لیں اور دیکھ لیں کہ سننے والے اسے

قبول کرنے کے متحمل ہوں گے اور کوئی فساد برپا نہ ہو گا۔ اسے حدالرضا کہا جاتا ہے۔

۳۔ اس بات کا خیال رہے کہ سننے والا معرفت باطنی کو سمجھ کر ظاہری شریعت کو معطل نہ کر دے یعنی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ سمجھ بیٹھے یا ظاہر اپنے اصل کو ساقط نہ کر بیٹھے۔ جیسے بعض لوگوں نے سُنا کہ جنّت سے دعوت باطنی مُراد ہے اور ظاہر و تقلید سے جہنم مُراد ہے تو اُنہوں نے سمجھ لیا کہ جنّت اور دوزخ یہی ہے اور اُن کے سوا کوئی اور جنّت یا دوزخ نہیں ہے۔ یا بعض اولیا کو جب معلوم ہوا کہ اعمال شریعت صرف دعوت کے حدود ہیں تو اُنہوں نے حدود کو مان لیا اور ظاہری اعمال کو ترک کر دیا یا دوسری صدی کے نصف اول کے دو بڑے داعی مغیرہ اور ابوخطاب جب اس راز سے واقف ہوئے کہ شراب کا باطن فلاں حد ہے تو اُنہوں نے اس حد سے پرہیز کر کے شراب کو حلال سمجھ لیا۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ قاضی ابوحنیفہ نعمان[1] بن محمدؒ نے اس خطرے سے داعیوں کو بہت ڈرایا ہے۔ اپنی کتاب کے آخر میں تاکید کی ہے کہ باطن کی معرفت کے ساتھ ظاہری عمل بھی ضروری ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ انہیں متضاد احکام کی وجہ سے فاطمین کے عہد میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے" (ص ۱۹۴ ج ۲)

علمِ تاویل کے چند نمونے

ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ اس سلسلے میں باطنیوں نے بڑی سر توڑ کوشش کی ہے اُنہوں نے عربی زبان کی ساری لغت ہی بدل کر رکھ دی۔ ہر لفظ کے مجازی معنیٰ پیدا کر دیئے۔ جس سے صوفیوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ اور باطنی مذہب کو پھیلانے میں اس علم کو

[1] واضح رہے کہ یہ ابوحنیفہ ہمارے کوئی امام ابوحنیفہ نہیں ہیں جنہوں نے حنفی فقہ تیار کی تھی یہ قاضی ابوحنیفہ پہلے مالکی سُنّی تھے۔ پھر باطنی داعی بن گئے۔ اور علوم باطنی پر متعدد کتابیں لکھ ڈالیں۔ کون جانے بعد کو آنے والوں نے دونوں کی تعلیمات کو غلط ملط کر کے کیا کیا گمراہیاں اختیار کی ہوں جو ہمیں ورثے میں ملتی چلی آئی ہیں۔

خوب استعمال کیا۔ اُنہوں نے اپنی کتاب میں تفصیل سے ایسے الفاظ جو شرعِ محمدیؐ میں عام طور پر مستعمل ہیں پیش کئے ہیں۔ جیسے

۱۔ وضو سے مُراد ظاہری شریعت میں مُنہ ہاتھ دُھونا اور نماز کی تیاری کرنا ہے مگر باطنی مذہب میں جسے حضرت علیؓ کی شریعت کہا جاتا ہے، وضو کے معنی گناہوں سے نفس کو پاک کرنا۔ دعوت کے اضداد (یعنی مخالفوں) سے برات کرنا (تبرّا بھیجنا) اور حضرت علیؓ کی امامت کا اقرار کرنا ہے۔ کیونکہ وضو اور علیؓ میں تین حرف ہیں (اِسی وجہ سے اکثر اُولیا بلا وضو نماز پڑھتے تھے)

۲۔ شریعتِ محمدیؐ میں نماز اِسلامی عبادت کا نام ہے جس میں بندہ اپنے پیدا کرنے والے کی بڑائی اور عظمت کا اقرار کرتا ہے اور اپنی سپُردگی و لاچارگی ظاہر کرتا ہے۔ اور امداد کا طالب ہوتا ہے۔

مگر شریعت باطنی میں نماز سے مُراد داعی کی دعوت میں داخل ہونا یعنی امام یا اُس کے نائب کی مجلس میں جانا، جماعت خانے یا امام باڑے میں۔ اور اُس کے احکامات و نصائح سُننا۔ ساتھ ہی رسُول خُدا کا بھی اقرار کرنا کیونکہ صلوٰۃ اور محمدؐ میں چار چار حرف ہیں۔ مگر اتباع صرف امام وقت کی کرنا یعنی جو مجلس کا خطیب ہو یا جماعت خانے کا امام ہو

۳۔ رمضان کے روزے ظاہری شریعت میں تزکیہ نفس اور تحمل و برداشت پیدا کرنے کیلئے بندوں کو سکھائے گئے "تاکہ بھوک پیاس کی تکلیفوں کا احساس ہو اور اِنسان میں دُوسروں کے دُکھ درد کو محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

مگر اہلِ بیت کی شریعت میں اس کے معنیٰ صِرف اِس قدر ہیں کہ شریعت کا باطنی علم اہلِ ظاہر یعنی سُنّیوں سے چھُپایا جائے مطلب یہ کہ روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ صِرف روزہ داروں کی سی صُورت بنا لو۔

۴۔ حج۔ ظاہری شریعت میں زیارت بیت اللہ ہے۔ باطنی شریعت میں اِس سے مُراد امام کی طرف توجہ کرنا ہے۔ یعنی جب آغاخان صاحب کا دھیان کرلیا یا امام مذہب میں جب صاحب عصر امام مہدی کا خیال کیا حج کا ثواب مِل گیا۔

اِسی طرح باطنی تاویلات میں ڈاکٹر صاحب تبلاتے ہیں کہ کعبہ سے مُراد حضرت محمد رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ باب کعبہ حضرت علیؓ ہیں۔ اور حجرِ اسود سے مُراد امام الزمان کی وہ حجت ہے جو اُن کے بعد یا اُن کی قائم مقام ہوگی۔ یہ بھی خوجوں کے لئے آغاخان۔ بہوروں کے لئے سیّدنا سیف الدین اور بارہ امامیوں کے لئے کوئی بھی مجتہد جو شہر میں موجود ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے بہت سے الفاظ کے باطنی معنیٰ اور فقہی اصطلاحات کے مجازی مطالب درج کئے ہیں جن کا نقل کرنا طوالت ہے۔ ہمیں تو یہ دکھانا مقصود ہے کہ باطنی داعیوں نے ہماری عربی لغات کو باطنی و مجازی معنوں سے بھر دیا ہے۔ تمام تحریری کام جو ابتدائی دور میں ہوا ہے اُنہی عجمیوں اور باطنیوں کا رہین منت ہے تفسیر ہو یا تاریخ یا کوئی اور شعبۂ علم۔ حتیٰ کہ عربی زبان کی صرف و نحو بھی اُنہی لوگوں نے تیار کی ہے۔ اور حدیثوں کے انبار لگا کر اُنہیں اِسلامی بنا یا ہے۔ محض اِس لئے کہ مُسلمانوں کی وحدت فکر میں انتشار پیدا ہو جائے۔

عِلمِ فلسفہ

فلسفہ کے بارے میں عام خیال ہے کہ جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو اس میں جسمانی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور دماغی طور پر ترقی کرنے لگتی ہے یعنی ان کی زندگی میں عمل کی بجائے صِرف سوچنا اور غور کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ چنانچہ یونان اور روما کے بارے میں معلوم ہے کہ فلسفہ نے اُنہیں بزدل بنا دیا اور اِس طرح تباہ کیا کہ اب اُن کی بہادری کے قصے رہ گئے ہیں۔ وہ محض ناچنے گانے والوں کی قوم کی طرح ہمارے سامنے موجود ہیں۔ چنانچہ اسی نمونے کو سامنے رکھکر مُسلمانوں کو فلسفہ سے روشناس کرنے کی ضرورت پڑی اور باطنیوں نے یہ کام بڑے اہتمام سے انجام دیا۔ ڈاکٹر صاحب تبلاتے ہیں۔

علومِ باطنی کی تیسری شاخ مذہبی فلسفہ ہے۔ اِس عِلم پر سب سے مستند کتاب اخوان الصفا ہے۔ اِس کا ماخذ وہ غیر اِسلامی علُوم تھے جو خلفاء عباسیہ کے دور میں یونانی ہندی اور فارسی زبانوں سے ترجمہ ہو کر عربی ادب کو مالامال کرنے کا باعث

بتلائے جاتے ہیں ۔ لیکن دراصل وہی اِسلام کو کمزور کرنے کا باعث بنے۔

باطنیوں نے ہندی، یونانی اور رومی دیومالاؤں سے کام لیکر اِسلامی روایات کے انبار تیار کئے ۔ دیوتاؤں کی جگہ پیغمبروں کے نام ڈالے اور اُنہیں اِسلامی بنادیا تو عجمی نومسلموں کے لئے وہ کافی پُرکشش بن گئے ۔ کیونکہ یہ باتیں وہ اپنے باپ دادا سے سُنتے چلے آئے تھے اور یہ اِن کے مُشرکانہ عقائد سے زیادہ ہم آہنگ تھیں مثلاً جو لوگ سُنتے آئے تھے کہ اُن کے اسلاف لعل دیوتا کو پُوجتے تھے اور اُسے لعلا یا لعلی پکارتے تھے ۔جب اُن سے کہا گیا کہ ہمارا نیا دیوتا علی ہے اور اسے یا علی پکارنا چاہیئے، تو اُنہیں اللہ اکبر چھوڑ کر یا علی اختیار کرنے میں کوئی پس و پیش نہ ہوا ۔ اور وہ فوراً یا علی یا علی پکارنے لگے۔

شخص بشری کا ظہور

یا پیدائش آدم کا اِسلامی تصوّر کہ اِنسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اِس میں رُوح پھونکی گئی ہے ۔ عجمیوں کے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ وہ اِسے باور کرنے میں پس و پیش کرتے تھے۔ باطنیوں نے یونانی فلسفے سے تخلیق اِنسان کا پُرانا نظریہ پیش کیا تو اِس سے نہ صرف عجمی خوش ہوگئے بلکہ عام مُسلمان بھی شک و شبہ میں پڑ گئے ۔ جیسے ہمارے زمانے میں ڈارون کی اِسی شرارت سے اہلِ یورپ اپنے مذہب سے برگشتہ ہو کر رُسوائی سے دوچار ہیں

اخوان الصفا میں آدم کی پیدائش اِس طرح بیان کی گئی ہے ۔

تقریباً پچاس ہزار سال میں اِنسان وجُود میں آیا ۔ مختلف معادِن، نباتات حیوانات کے بخارات اُوپر چڑھ کر ابر بنے ۔ پھر پانی بن کر زمین پر برسنے سے زمین میں گڑھے پڑ گئے ۔ جن کی تشبیہ عورت کے رحم سے دی گئی ہے ۔ بخارات سے پانی اِن گڑھوں میں ٹھہرا ۔ جس طرح رحم میں عورت کا مادہ ٹھہرتا ہے ۔ پھر دُوسرے بخارات اُٹھے اور برسے جو زیادہ لطیف تھے ۔ یہ مرد کے مادے سے مشابہ تھے ۔ اُن دُونوں قسموں کے پانی کے ملنے سے نو مہینے کے بعد اِن گڑھوں میں کچھ چیزیں بن گئیں ہر گڑھے میں ایک نر بچہ پیدا ہوا جو طاقت اور قوّت میں ایک معمولی بچے سے چار گنا زیادہ

تھا کیونکہ اُس کے ماں باپ زمین آسمان تھے ۔ نر بچوں کے پیدا ہونے کے بعد جو مادّہ گڑھوں میں رہ گیا ۔ اس سے مادہ بچے پیدا ہوئے ۔ اِن کی ابتدائی پرورش گڑھوں میں ہوئی ۔ جب یہ گڑھوں سے نکلے تو اِن پھلوں کو کھانے لگے جن کے درخت قدرت نے وہاں اُگائے تھے ۔ اِس طرح کے بشری افراد دُنیا کے تمام جزیروں میں پیدا ہوئے مگر بہترین مقام سراندیپ (لنکا) میں ظاہر ہوئے۔" (ص۲۱ ج ۲)

باطنی حقائق

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں ۔" اسماعیلیوں اور شیعوں کی کتابوں میں عِلم حقیقت پر سب سے اہم اور مستند کتاب اخوان الصفا کے آخری رسالے میں تاویل و حقائق کے بنیادی مسائل بیان کئے گئے ہیں ۔ اِن میں کتابت سرّیہ یعنی مخفی تحریر استعمال کی گئی ہے ۔ اور حروف کی جگہ علامتیں لکھی گئی ہیں۔ تاکہ غیر باطنی اسے معلوم نہ کر سکیں ۔ (ص۱۸۵ ج ۲)

حضرت آدمؑ کی ولایت

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں ۔" آدم سے پہلے دورِ فترت تھا (فترت فتور سے ہے یعنی کمزوری کا زمانہ) اُس زمانے کے امام مستقر یعنی خُدا نے دیکھا کہ لوگ اُس کی اطاعت سے پھرتے چلے جاتے ہیں ۔ اور اُن میں یہ صلاحیت نہیں کہ عام طور پر عِلم باطنی کی تعلیم دی جائے تو اُس نے دورِ ستر کا اعلان کر دیا خود بھی چُھپا اور عِلم باطن کو بھی عام لوگوں سے چُھپا دیا ۔ اور اپنی دعوت کے حدود میں سے ایک حد (آدم) کو اپنا نائب مقرر کر دیا اور حُکم دیا کہ وہ ظاہری شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے ۔ لیکن عِلم باطن سوائے مستحقین کے کسی کو نہ بتائے ۔ یہی تفسیر حضرت آدم کی پیدائش کی ہے ۔ مگر اُن کے ایک دُشمن نے جس کا نام شیطان تھا اُنہیں ترغیب دی کہ وہ عِلم ظاہر کے ساتھ ساتھ عِلم باطن بھی کُھلم کُھلا لوگوں کو بتائیں ۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اُن کی دعوت میں لوگ کثرت سے داخل ہوں گے ۔ آدم اِس دُھوکے میں آگئے اور عِلم باطن کے چند نکتے علانیہ طور پر عوام میں ظاہر کر دیئے ۔ اِسی جُرم کی سزا میں وہ اپنی جنّت یعنی دعوت سے نکال دیئے گئے ۔ اور صرف ظاہری دعوت کے حد مقرر رہنے دیئے گئے" (ص۲۰۶ ج ۲)

گویا باطنی شریعت کے اسرار و رموز ایسے نہ تھے جو ہر کس و ناکس کو بتائے جا سکتے

اِس لئے حکم تھا کہ اِن کو پوشیدہ رکھا جائے ۔ آپ نے بھی سُنا ہوگا کہ بزرگانِ دِین کی مجلسوں میں حق سرہ کا غلغلہ رہتا تھا ۔ جس کے معنی ہیں کہ اِس کا راز سمجھا ہے اور وہ بھید صرف یہ ہوتا کہ بزرگوار باطنی شریعت کے مبلغ ہیں ۔ مجبوراً یا مصلحتاً خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور ظاہری شریعت کی پابندی بھی کر لیتے ہیں ۔ مرنے کے بعد اُن کو قدس سرہٗ کا خطاب ملتا تھا ۔ یعنی پاک ہوگیا اُن کا بھید ۔ سر کے معنیٰ راز یا بھید کے ہیں ۔ افسوس حضرت آدمؑ اتنی سی بات نہ چھپا سکے اور قدس سرہ نہ بن سکے ۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے رسُول مقبولؐ ، اُن کے اصحابؓ اُن کی ازواجؓ انکے خلفاء کرام کوئی بھی قدس سرہٗ نہیں اور کیسے ہوتے ۔ اُن کے پاس چھپانے والے علوم کہاں تھے ۔ اُن کو تو حکم تھا ۔

بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ

یعنی تمہیں جو کچھ بتایا گیا ہے سب کو بتلادو ،

یا بقول علامہ اقبال

درجہاں اسرار دیں را فاش کن
نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن ،

پس عجمی پیرانِ طریقت یقیناً حضرت آدمؑ سے زیادہ ہوشیار تھے ۔ وہ اپنا بھید ظاہر نہ ہونے دیتے ، ساری تبلیغ خفیہ رکھتے ۔ جب ہی تو اُن سے مُسلمان بھی خوش تھے ، ہندو بھی خوش اور شیعہ صاحبان بھی خوش رہتے تھے ۔

دُوسرا باب

تمدن، تصوف، شریعت کلام — بتانِ عجم کے پجاری تمام ،
حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ اُمت روایات میں کھو گئی

باطنیت کا سیلاب

اوراقِ گزشتہ کے مطالعہ سے غالباً یہ حقیقت کھُل کر سامنے آگئی ہوگی کہ باطنیت کا فتنہ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عجمی علاقوں میں پروان چڑھا ۔ اور یہ کوئی مذہبی تحریک نہ تھی ۔ بلکہ سیاسی اغراض سے ایران ، عراق ، خراسان ، بلخ و بخارا کے مجوسیوں اور یہودیوں نے اپنی شکست کا بدلہ لینے اور عربوں کی بالادستی ختم کرنے کے لئے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو اسلام کے مقابل کھڑا کیا جاسکے ۔ اِس سلسلے میں حسبِ ذیل مساعی قابلِ غور ہیں ۔

پہلی کوشش ۲۴ھ

اِسلام اور اسلامی حکومت کے قیام پر بیس سال بھی نہ گزرے تھے کہ عجمی غلاموں کی ایک ٹولی نے منظم سازش کے تحت مسجد نبوی میں گھُس کر خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروقؓ جیسے باجبروت امیر اور حاکم کو دن دہاڑے شہید کردیا ۔ اِس کارنامے پر شیعہ دُنیا آج بھی ناز کرتی ہے ایران کے شہر قم میں فاروق اعظمؓ کے قاتل فیروز عرف ابولولو کی یادگار قائم ہے جسے باباشجاع کا مقبرہ کہتے ہیں ۔ زائرین اسے کربلا و نجف سے زیادہ افضل مقام زیارت سمجھتے ہیں ۔ دُور دراز سے نذرانۂ عقیدت پیش کرنے جاتے ہیں ۔ اِسکی یاد تازہ رکھنے کے لئے فیروزے کی انگوٹھی پہنتے ہیں ۔

دُوسری کوشش ۳۵ھ

پندرہ سال بعد مِن ہزار عجمی موالی، عَبداللہ بن سبا یہُودی اور مالک اشتر مجُوسی کی قیادت میں دارالخلافہ اِسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ خلیفہ معصُوم و مظلُوم کے گھر کا محاصرہ کرکے ناکہ بندی کر دیتے ہیں۔ اِس کام کے لیے وقت کا انتخاب کچھ سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ جب عمائدین شہر اور شرفاء اِسلام حج کو گئے ہوئے تھے۔ اور زعماء اِسلام دُور دراز مُلکوں میں مصرُوف جہاد تھے۔ شہر میں چند شیوخ (عُمر رسیدہ بزرگ) عورتوں بچوں اور اُن کے ہزاروں لونڈی غلاموں کی نگرانی کے لیے رہ گئے تھے جو تلوار سنبھالنے سے عاری تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب خلیفہ اِسلام پر پانی کی بندش کی خبر ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رض زوجہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو اپنے بڑھاپے اور اپنے مرتبے کا لحاظ ترک کر کے گھر سے نکل پڑیں اور ایک مشکیزہ پانی کا خچر پر رکھ کر خلیفہ کے گھر تشریف لائیں۔ لیکن دُشمن اِسلام مجُوسیوں کی جسارت دیکھئے کہ وہ مشکیزہ تیر سے چھید کر پانی بہا دیا اور خلیفہ تک نہ پہنچنے دیا۔ حضرت علی جیسے فاتح خیبر بھی بیٹھے دیکھتے رہے۔ دم نہ مار سکے۔ کیونکہ شہر دُشمنانِ اِسلام کی یلغار میں تھا۔

اب باغیوں کو فکر ہوئی کہ جو کچھ کرنا ہے جلد کیا جائے ورنہ ممکن تھا کہ خواتین مدینہ ہتھیار سنبھال کر اُٹھ کھڑی ہوں۔ چنانچہ چند درندوں کو جن میں حضرت علی کا سوتیلا بیٹا محمّد بن ابوبکر اور غلام جون ایلیا بھی شامل تھے بھیجا گیا اور وہ ستر سالہ خلیفہ مظلُوم کو بے بسی اور بے کسی کے عالم میں شہید کر کے چلے آئے۔

تیسرے دن انہیں باغیوں نے اپنی پسند کا خلیفہ مسندِ خلافت پر بٹھا دیا۔ لیکن اب مصیبت یہ آن پڑی کہ نہ تو اس خلیفہ کو چھوڑ کر جا سکتے تھے۔ نہ اُس کے سایہ عاطفت میں خود وہاں ٹھہر سکتے تھے۔ کیونکہ معلوم تھا کہ مُسلمان حج سے واپس آئیں گے تو خلیفہ اور خلیفہ گروں سے محاسبہ کریں گے۔ پس طے پایا کہ خلیفہ کے ساتھ دارالخلافہ بھی عَرب سے عجم میں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ بھاگے اور حضرت علی کو ساتھ لیتے گئے اب کوفہ جو سرزمین عراق یعنی عجم میں ایک معمولی چھاؤنی تھا۔ اِسلامی دنیا کا

نیا صدر مقام بنا۔ لیکن شاید مُسلمانوں کو معلوم نہیں کہ یہ وہی مقام تھا جہاں تہذیب بابل و نینوا کے آثار دفن تھے۔ اور آج بھی وہاں نمرُود و شداد کے محلّات کے کھنڈر موجود ہیں جس کی جانب عَلّامہ رشید ترابی بڑے خوبصورت الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ؎

ہم نے بابُ العِلم کو بابل وَ نینوا کی میراث سونپ دی۔

افسوس کہ یہ سب کچھ ایسے وقت ہوا جب گورنر شام سیّدنا امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما مُسلمانوں کو رُومیوں پر لے دوڑنے اور سارے یورپ کو حلقہ گوُش اِسلام کر لینے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ حضرت علیؓ کے اِس طرح دُشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس جانے اور اُن کے حسب مرضی احکام جاری کرتے رہنے سے وہ سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اِس پر طرفہ یہ کہ باغی حضرت علی کو حُکم دے رہے تھے کہ معاویہ کو برطرف کر کے اُن کا آدمی مقرر کریں۔

اِس صُورت حال سے اِسلامی فتُوحات کو ایسا دھچکا لگا کہ پھر وہ جاری نہ رہ سکیں اِسلام صِرف ایشیا و افریقہ میں محصُور ہو کر رہ گیا۔ جبھی تو مجُوسی اور اہلِ یورپ حضرت علیؓ کے بے حد مداح ہیں کہ اُنہوں نے اِسلام کو خانہ جنگی میں مبتلا کر کے یورپ کو اِسلامی یلغار سے بچا لیا۔ اور مجُوسوں کو پھر ایک بار جلوہ ریزی رُوح ایران کا موقع فراہم کر دیا۔ جس کے صلے میں اُنہوں نے اپنے لعل دیوتا کو لعلنا و لعلی پکارنا چھوڑ کر یا علیُ پکارنا قبول کر لیا۔ اور حضرت علی کو خُدائی درجے پر فائز کر کے مَولا و مَولینا بنا دیا۔

مگر بقول فلپس حِتی یہ آؤ بھگت حضرت علی کی زندگی میں نہ ہوئی۔ اُن کے مرنے کے بعد اُنہیں سب کچھ بنایا گیا ہے۔ زندگی میں اُن کا مرتبہ ایک ایسے شیر سے زیادہ نہ تھا جو دیکھنے میں خوفناک ہو مگر سدھانے والوں کے سامنے بے بسی سے قلابازیاں کھاتا ہو۔ چنانچہ انہی شیعانِ علی اور خوارج نے (جو جنگ جمل اور صفین میں آگے آگے تھے اور قتل عثمان رض کے ہیرو شمار ہوتے تھے) موقعہ ملتے ہی اپنے مُولا علی کا سر پھاڑنے سے دریغ نہ کیا۔ یہ غداری مکاری اور محسن کشی عجمی خوُن میں اپنی مادری تہذیب

کی وجہ سے ہے [۱]

تیسری کوشش ۶۰ھ خلیفۃ الراشد وخال المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگلے بیس سال تک عجمی آلِ نمرود کو دم مارنے کا موقعہ نہ دیا۔ مگر یہ اندر ہی اندر اپنی تحریک کو مضبوط کرتے رہے۔ اور اُن کے مرتے ہی میدان میں آگئے۔ اُنہوں نے اپنے مطلب کے حصول کے لئے باون سالہ حضرت حسینؓ کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس لیا۔ اُن کے پاس اپنے نمائندے بھیجے اور کئی سو خطوط لکھے جن میں یقین دلایا کہ پچاس ہزار کوفی جانباز آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر جان کی بازی لگا دینے کے لئے بے چین ہیں۔ صرف آپ کی امامت یا رہنمائی کی ضرورت ہے۔ آپ آئیے اور کمان سنبھال لیجئے، تو ہم خلافت بنو اُمیّہ سے چھین کر آپ کے قدموں میں ڈال دیں۔ اِس وقت موقعہ غنیمت ہے۔ باغ شاداب

---

[۱] آریائی نسل قوموں کا عقیدہ ہے کہ نسل ماں سے چلتی ہے، جیسے گائے، بیل، اونٹ، گھوڑے، کتّے بلّی میں یہ نہیں پُوچھا جاتا کہ باپ کون ہے۔ فلاں کی گائے یا بکری کا بچہ کہدینا کافی ہوتا ہے خاص کر فخروں میں تو خصوصیت کے ساتھ صرف ماں ہی کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ پس اُن کی منطق ہے کہ انسان میں پدری نسب کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ تخت برطانیہ کا وارث ملکہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ باپ جرمن تھا یا فرانسیسی۔ مگر سامی نسل میں باپ کو بڑی اہمیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پدری تہذیب کے علمبردار تھے۔ وہ آریوں سے جُدا ہو کر شام میں جا بسے۔ اُن کی اولاد میں عرب اور یہود دونوں اپنے پدری نسب پر ناز کرتے تھے بلکہ عرب تو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کا نسب بے داغ رکھتے تھے۔ سامی اور آریائی نسلوں کا یہ فرق پانچ ہزار سال پرانا ہے۔ آلِ ابراہیم زہد و ورع، پاکیزگی اور رُوحانیت کا پرچار کرتے ہیں۔ اور آلِ نمرود مادہ پرستی عیاشی اور عیش کوشی میں مست ہیں۔ آریئے اپنی نسلی برتری کے زعم میں اخلاقی اقدار کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ اپنی عورتوں کو عام اجازت دیتے ہیں کہ نیا خُون حاصل کریں اور تندرُست بچے پیدا کریں۔ ہٹلر نے بھی اسی طرح آبادی بڑھائی تھی۔

فصل تیار ہے، پھل پک چکے ہیں، ہاتھ بڑھایئے اور توڑ لیجئے اور یقین جانئے کہ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔

اور حضرت حسین اپنے والد بزرگوار کی طرح مجُوسیوں کے دھوکے میں آگئے۔ آپ مکّہ و مدینہ کو خیرباد کہکر میراث بابل ونینوا لینے چل پڑے۔ یعنی خادم الحرمین یا ناصر المسلمین سے مجُوسیوں کا بادشاہ بننا افضل سمجھا۔ چنانچہ زندگی میں نہ سہی مرنے کے بعد وہ مرتبہ حاصل ہو گیا ؎

شاہ ہست حسین، شہنشاہ ہست حسین حقاکہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

معرکہ کربلا یہ بحث ہمارے نفس مضمون سے خارج تھی مگر چونکہ ہمارے کسی بڑے دانشور نے نہ جانے عالم سرور میں یا کسی بڑے چندے کی لالچ میں شاعری فرمائی ہے۔

اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اِسکی تردید کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ دانشور صاحب سیاست صحافت اور لغاوت میں ضرور بڑے ہوں گے۔ مگر اسلام اور اِسلامی تاریخ کی دُم سے واقف نہ تھے۔ یہ اپنی خُداداد عقل اور انگریزی تربیت سے کام لیتے تو یہ مصرعہ کچھ اسطرح ہوتا۔

اِسلام مُردہ ہو گیا بس کربلا کے بعد

کیونکہ جتنا جھُوٹ کربلا کے ذریعہ اِسلام میں شامل کیا گیا ہے وہ رسُول کریم کے وقت سے آج تک دُنیا نے نہ سُنا ہوگا۔ اِن کے چند بڑے جھُوٹ سُنئے

۱۔ حضرت حسین ۹ ذی الحجہ کی شب کو مکّہ سے روانہ ہوئے۔ حالانکہ ہمارے جیسے بیدینی کے دور میں بھی ہم بقرعید کی نماز چھوڑ کر سفر پر نہیں جاتے نہ کہ نواسہ رسُول حج کی سعادت کو ٹھکرا کر رات کو نکل کھڑا ہو حج نہ کرے، قربانی نہ کرے اور اِسلام کا مذاق اُڑا دے۔

۲۔ آپ پچیس منزلیں طے کر کے قادسیہ پہنچے تھے یعنی ۵ محرّم ۶۱ھ کو کوفے سے صرف ایک منزل دُور تھے کہ پتہ چلا کہ کوفی حضرت عقیل اور ان کے بچوں کی مخبری کر کے

قتل کروا چکے ہیں ۔ اور آپ کے ساتھ وہی سلوک کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں ۔
چنانچہ آپ نے قافلے کا رُخ جانب مغرب موڑ دیا ۔ اور دمشق کے راستے پر چار منزلیں طے کر کے کربلا پہنچے تھے کہ کوفیوں نے آپ کو جا لیا ۔ یہ بدھ کا دن تھا اور ۱۰ محرم ۶۱ھ کی دوپہر تھی ۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دس دن تک پانی نہ ملنے اور عورتوں بچوں کا پیاس سے بلکنے اور العطش العطش کے نعرے لگانے کا سارا افسانہ محض خیالی اور فرضی جھوٹ ہے جسے صرف کوفی ہی گھڑ سکتے تھے ۔

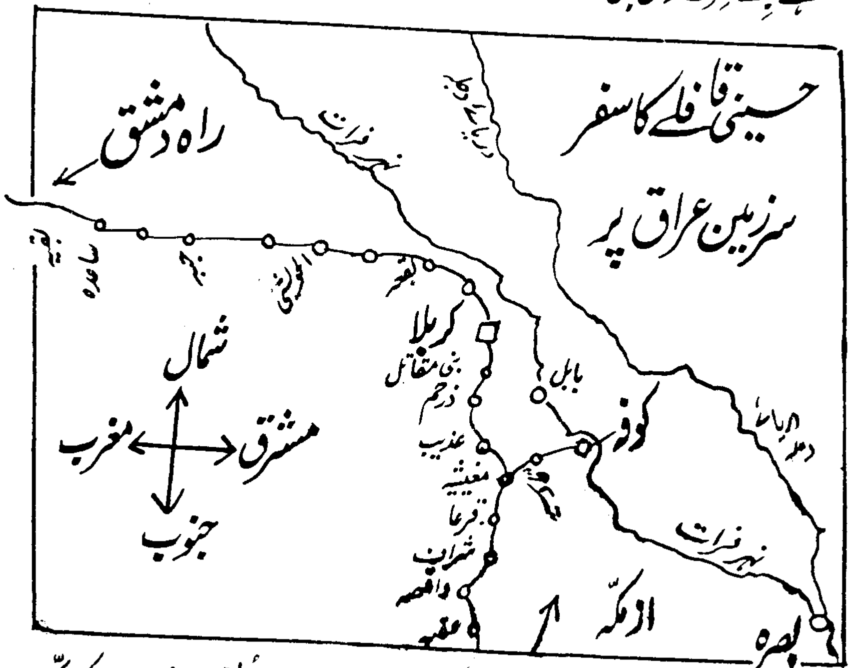

افسوس مسلمانوں پر بارہ سو سال سے جہالت مسلط ہے ۔ اُنھوں نے نہ سوچا کہ مکّہ سے کوفہ جانے والا قافلہ جو جنوب سے شمال کی طرف جا رہا تھا وہ کوفے سے سو میل جانب مغرب کربلا کے مقام پر کیسے پہنچ گیا جو دمشق کی شاہ راہ پر واقع ہے ۔ علاّمہ محمود احمد عباسی نے ہزار سال بعد پہلی بار یہ سوال اٹھایا تو باطنیّت کی بنیادیں ہل گئیں ، اور جھوٹ کی قلعی کھل گئی ۔
ظاہر ہے کہ اِس عرصے میں لکھنے پڑھنے کا تمام کام عجمیوں نے کیا ہے ۔ جن کے

تخیل کی بلند پروازی کا کوئی مدمقابل نہیں ہے ۔ چنانچہ شیخ سعدی کا بھی یہی دعویٰ ہے

سعد یا روزِ ازل حُسن بہ یوناں دادند — عقل و دانش ہمہ در مردم ایراں دادند
ناز و انداز کہ دادند دادند بہ ہند — کبر و نخوت ہمہ در مردم افغاں دادند

مگر شاید ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ عقل و دانش کی فراوانی اِنسان کو بُزدل کینہ توز اور حاسد بنا دیتی ہے ۔ اور یہ اِسی قوم کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی مغضوب ہو

طاؤس و رباب آخر

۳ ۔ کوفیوں کو معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ عازم دمشق ہو گئے ہیں ۔ اور اپنے بھائی یزیدؒ سے صلح صفائی کر لیں گے تو گھبرا گئے ۔ اُن کا سارا منصوبہ خاک میں ملا جا رہا تھا پس اُنہوں نے حُر بن یزید ریاحی کو چند جوانوں کے ساتھ بھیجا کہ حسینؓ کو واپس لائے یا کم سے کم وہ خطوط اُن سے چھین لے جو کوفیوں نے بھیجے تھے ۔ وہ خطوط امیر یزیدؒ کے ہاتھ پڑ جاتے تو کوفی مفسدوں کو بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا جاتا ۔
حُر کے بارے میں شیعہ مؤرخوں اور ذاکروں نے عجیب متضاد روایات لکھ چھوڑی ہیں وہ ایک ہی سانس میں اسے گالیاں بھی دیتے ہیں ۔ اور اُس کی تعریف بھی کرتے ہیں چنانچہ حسب ذیل بیان دیکھئے تقیہ و تبرّا کی مشق ساتھ ساتھ کی گئی ہے اور یہی باطنی آرٹ ہے کہ سب کچھ کہہ جاؤ اور سمجھنے والے کو سمجھنے نہ دو ۔ فرماتے ہیں ۔

۱ ۔ حُر لعین سب سے پہلے مقابل فرزند رسُول کے آیا ۔
۲ ۔ امام مظلوم کو مدینہ واپس نہ جانے دیا ۔
۳ ۔ دختران علی و فاطمہ کو رُلوایا ۔ محزون و مغموم کیا ۔
۴ ۔ حُر ملعون نے ادب و لحاظ فرزند حیدر کرار نہ کیا ۔
۵ ۔ امام مظلوم کو بین رات کربلا سے نکل جانے کی کوشش کے باوجود صبح اِسی میدان میں واپس پہنچا دیا ۔
۶ ۔ آخر زج آکر جناب حسین نے فرمایا ۔ یا حُر تیری ماں تیرے ماتم میں پیٹے ۔
(ماخوذ از خزینۃ البکا ص ۲۱)

اور دُوسری طرف اسی حُر کی تعریف کی جاتی ہے اُسے حضرت حسینؓ کا خیر خواہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

حُر بن یزید ریاحی بہ تائیدِ ایزدی ظُلمت کُفر و نفاق سے نجات پاکر نُورِ ہدایت سے مشرف ہوا اور حسینؓ کی خاطر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ یزیدی فوج سے لڑکر مر گیا۔

ایضاً ــــ اِن حقائق کی روشنی میں اپنا قومی ادب ذرا امین السطور پڑھئے تو معلوم ہوجائے گا کہ ؎

ذراسی بات تھی اندیشۂ عجم نے اُسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لئے

یعنی حُر کوفی اپنے فوجی دستے کے ساتھ جناب حسین کے قافلے کا مُنہ موڑنے اور واپس لانے نکلا کربلا کے مقام پر اُس نے حسینی قافلے کو جالیا اور واپس چلنے پر مجبور کرنا چاہا۔ آپ نے انکار کیا تو وہ خطُوط طلب کئے جو چرمی تھیلوں میں محفُوظ تھے۔ خطُوط دینے سے انکار ہوا تو غدار کوفی اپنے بغض کو قابو میں نہ رکھ سکے اور حملہ آور ہوگئے آلِ علی نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ مگر وہ صرف اٹھارہ تھے۔ ساٹھ کوفی جو آپ کو مکّے سے گھیر کر لائے تھے اب مخالف کیمپ میں تھے۔ یہ جنگ تھوڑی دیر میں ختم ہوگئی کوفی اپنا کام کرکے بھاگے تو دُو باتوں کا اطمینان کرچکے تھے۔ پہلی یہ کہ حسینی قافلے کا کوئی مرد زندہ نہ بچے۔ دُوسری یہ کہ خطُوط نہ مِل سکیں۔ تو خیام مخدرات میں آگ لگادی جائے۔ تاکہ جہاں بھی ہوں جل کر راکھ ہوجائیں۔

اتفاق سے مقتولوں کے درمیان علی بن حسین جنہیں روافض عابد بیمار کہتے ہیں زندہ تھے۔ آپ مجروح ہوکر گر پڑے۔ اور مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے۔

اب زخمی اور مجروح زین العابدین اِس قافلے کو لیکر دمشق نہ جاسکتے تھے۔ بس طے ہوا کہ کوفے کی طرف واپس جائیں۔ اور مقامی حاکم سے سبحال کہیں۔ چنانچہ حضرت زینب کی سرکردگی میں یہ تباہ حال قافلہ کوفہ گیا۔ وہاں مکار کوفی آہ و زاری اور واویلا مچانے اور سر پر خاک اڑانے پذیرائی کیلئے پُہنچے۔

مگر حضرت زینب نے اُن کو دُھتکار دیا۔ فرمایا یہ پہلا موقعہ نہیں ہے جب تُم نے

بنوہاشم کے ساتھ دغابازی کی ہے۔ اِس سے پہلے تُم ہمارے باپ کو قتل کرچکے ہو۔ ہمارے بھائی حسن کو زخمی کرکے یہاں سے نکالا تھا۔ اور اب تم نے حسین کو بلا کر ہمارے باپ کی نسل کشی کی ہے۔ ہم تمہاری مکاری سے واقف ہیں

یہ لوگ حاکم کوفہ حضرت ابن زیاد کے مہمان ہوئے۔ ابن زیاد نے اپنے آدمی کربلا بھیجے کہ مقتولین کو دفن کریں تو وہاں ستر یا بہتر لاشیں ملیں جو سب ایک ہی گڑھے میں دفن کردی گئیں۔ کیونکہ اُن کی شناخت ممکن نہ تھی۔ آٹھ دن میں گوشت پوست چیل کوّے کھاچکے تھے۔

پھر ابن زیاد نے اِس مظلُوم قافلے کو اپنی فوج کی حفاظت میں دارالسلطنت کی طرف روانہ کردیا۔ جہاں وہ عزیزوں کی طرح رکھے گئے۔ چنانچہ حضرت زینب نے اپنے دامادؔ[1] امیرالمؤمنین حضرت یزید علیہ الرحمۃ کے ساتھ رہ جانے کا فیصلہ کیا اور زندگی بھر دمشق میں رہیں۔ وہیں آپ نے وفات پائی، وہیں آپ کا مزار ہے، جو کوفی لایوفی مجوسیوں کا مُنہ چڑھا رہا ہے۔ مگر یہ بے غیرت اپنی ہی الاپتے رہتے ہیں۔ کیونکہ ذکر حسین کی کمائی کھاتے ہیں۔ اِس ذِکر میں جھُوٹ نہ ہو تو کون سُنے اور پیسے کون دے۔

۴۔ کربلا کا واقعہ پہلی صدی ہجری کے کسی راوی، محدث یا مُورخ نے اشارۃً بھی لکھنے کی زحمت نہ کی۔ نہ امام مالک نے اِس کا ذکر کیا نہ امام ابوحنیفہ نے نہ اُن کے شاگردوں نے البتہ شیعوں نے عاشور بنی لعل و بخت النصر کے مُظالم یہُود پر سامنے رکھ کر ہندو رام لیلا یا یونانی ہیلن آف ٹرائے کے مقابلے کا ایک ڈرامہ تیار کرلیا جو بارہ سو سال سے برابر سال بہ سال کھیلا جاتا ہے اور بے حد مقبُول ہے۔ یہ ڈرامہ کسی کوفی مجوُسی نے لکھا تھا۔ جس کا نام ابو مخنف ہے اور مصر سے دُوبارہ شائع ہوا ہے۔ علامہ محمُود احمد عبّاسی نے اُس کا اُردو ترجمہ کراچی سے شائع کیا ہے۔ اِس کے چند بڑے جھُوٹ دیکھئے۔

---

[1] حضرت زینب کی بیٹی سیّدہ اُمّ محمد بنتِ عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ علیہا۔ امیرالمؤمنین یزید کے عقد میں تھیں۔

۱۔ حسینی قافلے میں کل بہتر (۷۲) افراد تھے جن سے لڑنے کے لئے یزید نے بہتر یا اسّی ہزار فوج بھیجی (حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہتر ہزار عزاداروں کو قابو میں رکھنے کے لئے صرف پندرہ بیس پولیس والے کافی رہتے ہیں) اب شیعوں نے بھی اعتراف کر لیا ہے کہ حسینی قافلے میں صرف اٹھارہ (۱۸) مرد اور پچیس (۲۵) عورتیں تھیں جن میں بچے بھی شامل تھے۔ یہ فہرست حُریت نے عاشورہ ایڈیشن ۷۴ء میں شائع کی تھی۔

شہدائے کربلا

۱۔ حضرت علی اکبر
۲۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل
۳۔ حضرت محمد بن مسلم بن عقیل
۴۔ حضرت جعفر بن عقیل
۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل
۶۔ حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیل
۷۔ حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب
۸۔ حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر
۹۔ حضرت قاسم بن الحسین
۱۰۔ حضرت عبداللہ بن الحسن
۱۱۔ حضرت ابوبکر بن الحسن
۱۲۔ حضرت محمد بن علی بن ابی طالب
۱۳۔ حضرت عبداللہ بن علی
۱۴۔ حضرت عثمان بن علی رضؓ
۱۵۔ حضرت جعفر بن علی
۱۶۔ حضرت ابوالفضل العباس بن علی
۱۷۔ شیر خوار حضرت علی اصغر
۱۸۔ حضرت امام حسین

مخدراتِ قافلہ حسینی

۱۔ ثانی زہرا حضرت زینب زوجہ عبداللہ بن جعفر
۲۔ حضرت ام کلثوم بیوہ خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ
۳۔ حضرت ام لیلیٰ مادر حضرت علی اکبر رضؓ
۴۔ حضرت ام رباب مادر حضرت علی اصغر
۵۔ فاطمہ کبریٰ بنت الحسین
۶۔ سکینہ بنت الحسین
۷۔ رقیہ بنت علی زوجہ جناب مسلم
۸۔ عاتکہ بنت مسلم
۹۔ حضرت فاطمہ زوجہ حضرت عباس
۱۰۔ حضرت رملہ زوجہ حضرت امام حسن
۱۱۔ حضرت شہربانو زوجہ امام حسین بن علی رضؓ
۱۲۔ زوجہ حضرت جعفر بن عقیل
۱۳۔ زوجہ حضرت عون بن علی
۱۴۔ زوجہ حضرت جعفر بن عقیل

۱۵۔ زوجہ حضرت موسیٰ بن عقیل
۱۶۔ زوجہ حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل
۱۷۔ زوجہ حضرت بریر ہمدانی
۱۸۔ زوجہ حضرت جنادہ بن کعب
۱۹۔ زوجہ حضرت عبداللہ بن عمیر
۲۰۔ مادر وہب
۲۱۔ زوجہ وہب
۲۲۔ مادر عمر بن جنادہ
۲۳۔ زوجہ سعد غلام امیرالمومنین
۲۴۔ مادر قارب بن عبداللہ
۲۵۔ حضرت فضہ

اس فہرست کی صحت بھی مشکوک ہے کیونکہ یہ عجمی مؤرخوں کی تیار کردہ ہے۔ اور یقیناً حضرت حسین نے تیار کر کے کوفیوں کو نہ دی ہوگی۔ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ شہربانو نام کی کوئی ایرانی شہزادی یزدگرد کی بیٹی نہ تھی۔ یزدگرد انیس (۱۹) سال کی عمر میں مرا۔ اور شادی شدہ نہ تھا۔

۲۔ ابومخنف لکھتا ہے کہ حضرت حسین نے اپنے بہتر ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے تیار کر کے لڑنے بھیجا اور خود کھڑے تماشہ دیکھتے رہے جب سب مارے گئے تو خود لڑنے نکلے اور ڈیڑھ ہزار اشقیا کو جہنم رسید کر کے ذرا دم لینے کیلئے رُکے تو خولی کا تیر آپ کی ہنسلی میں اُتر گیا۔ آپ نے نکالنے کی کوشش کی مگر نہ نکلا تو اپنا خون اپنے چہرے اور داڑھی میں مل لیا اور فرمایا کہ میں اس طرح اپنے پروردگار کے حضور پہنچوں گا۔ پھر بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو بلک بلک کر رونے لگے اور بین کرنے لگے ہائے نانا جان ہائے محمدؐ ہائے ابا جان، ہائے علی رضؓ۔ ہائے بھائی حسن، ہائے بے وطنی، ہائے پیاس، ہائے کوئی فریاد رس نہیں، ہائے قلتِ انصار، میں مظلوم قتل ہو رہا ہوں۔ میں پیاسا ذبح کیا جا رہا ہوں۔ مجھے بے عزت کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ حالانکہ میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔ وغیرہ (مقتل ابومخنف ترجمہ عباسی)

افسوس مسلمانوں نے نہ سوچا کہ کیا رسولؐ کا نواسہ، اسلام کا فرزند عجمی زنخوں کی طرح بین کر سکتا تھا۔ اور پھر کیا یہ واقعات ٹیلی ویژن والے ریکارڈ کر رہے تھے۔ یا ٹیپ ریکارڈنگ کے ذریعہ محفوظ کئے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب عجمی دماغ کی بلند پروازی

کا شاہکار ہے یعنی محض جھوٹ ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حسینی جانبازوں کے قتل کئے ہوئے یزیدی جوانوں کی لاشیں ہوا میں تحلیل ہو گئیں۔ یعنی جب آٹھ دن بعد مقتولین کو دفن کرنے کو فے سے فوج آئی تو کل ۲۰ ڈھانچے ملے۔ اِن میں ایک بھی شامی یا کوئی دُوسرا عرب قریشی نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یزیدی فوج محض ہوائی یا خیالی تھی جو ہزاروں کی تعداد میں کٹ گئی

۳۔ ابو مخنف حضرت علی بن حسین یعنی عابد بیمار کو ایک چھوٹا بچہ ظاہر کرتا ہے۔ حالانکہ وہ چوبیس سال جوان تھے اور دو بچوں کے باپ تھے۔ وہ جنگ میں زخمی ہو کر گر گئے تھے اور بچ گئے۔

۴۔ حضرت سکینہ کو ایک چھوٹی سی بچی بتلایا جاتا ہے اور ہر سال اُن کا ایک چھوٹا تابوت نکال کر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ وہیں بھُوکی پیاسی مر گئیں۔ حالانکہ شیعہ مؤرخ جسٹس امیر علی اِن بزرگہ کی رنگین زندگی کے نقشے کھینچتا اور لکھتا ہے کہ آپ نے ہشتبار نکاح کئے۔ اور ایک نکاح یزید کے خاندان میں بھی کیا تھا۔

اِن حقائق کی روشنی میں معرکۂ کربلا کو جیسا کہ ذاکرین حسین بیان کرتے ہیں سوائے جُہال و روافض کے کون صحیح سمجھے گا۔

چوتھی کوشش ۶۵ھ

ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں کہ انہیں کوفی قاتلان حسین نے خود کو توابین ظاہر کر کے اپنی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کربلا کی ذمہ داری امیر شام یعنی حضرت یزید علیہ الرحمۃ اور اُن کے عمال کے سر ڈالدی اور انتقام حسین کا مکر آمیز نعرہ (جیسے کوئی چور خود ہی چور چور پکار کر لوگوں کو فریب دیکر نکل بھاگے) بلند کر کے بنو اُمیّہ کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا جس میں شیعوں کے تمام فرقے اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ آگے لکھتے ہیں

'اِن میں سے ایک مختار بن ابی عبیدہ (جس کے گھر میں مسلم بن عقیلؓ کے بچوں نے پناہ لی تھی۔ اور اس کے باپ نے اِن کو حکومت کے حوالے کر دیا تھا) نہایت بہادر اور دلیر آدمی تھا۔ اس نے موالی عجم کی کثیر تعداد اپنے گرد جمع کر لی اور بنو اُمیّہ کا تختہ اُلٹنے کیلئے

کھڑا ہو گیا۔ اُس نے حضرت علیؓ کے دُوسرے بیٹے محمّد بن الحنفیہ کو اپنا امام بنایا'' تاریخ فاطمین قسم ۱

یعنی مختار نے عجمیوں اور ایرانیوں کی جماعت مُنظم کر کے انتقام حسین کا نعرہ بلند کیا۔ اور ایک پُرانی کرسی کسی کباڑ خانے سے نکال کر اسے حضرت علیؓ کا تختِ خلافت تبلا کر عوام کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ اور حکومت وقت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اُس نے کوفے کے گورنر کو قتل کر دیا۔ اور قاتلین حسین کے نام سے اکثر امرا ورؤسا کے سر قلم کر کے محمّد بن حنفیہ کے پاس بھیج دیئے۔ پھر حکومت سے بھڑ گیا جس میں محمّد بن الحنفیہ قتل ہوئے اور اُس نے اُڑا دیا کہ وہ مرے نہیں بلکہ بادلوں کے پیچھے غائب ہو گئے ہیں۔ اِس سے باطنیوں کو امام غائب کا تصوّر مل گیا۔ اور انہوں نے بہت سے امام غائب اور حاضر بنا ڈالے۔ شیعہ اِسی مختار کیسانی کو مختار اہل بیت اور احمد مختار کا نام دیتے ہیں۔ اور اسے امام سے زیادہ احترام سے یاد کرتے ہیں۔ باطنیّت کو اِس کوشش سے بھی خاصہ فائدہ ہوا۔

پانچویں کوشش ۱۳۲ھ

پھر اِسی مُلک عجم سے ایک نومُسلم ایرانی ابو مُسلم خراسانی اُٹھا۔ اِس نے عراقیوں اور ایرانیوں کے ساتھ بلخ و بخارا اور خراسان کے بہت سے لوگوں کو شامل کر کے ایک بڑی فوج تیار کی اور بنو اُمیّہ کی اِسلامی حکومت کو آخری ضرب لگائی جس سے وہ جانبر نہ ہو سکی۔ مگر لُطف کی بات یہ کہ ابو مُسلم خراسانی جو بقول حتیّ شیعہ اِسلام کے پردے میں ایرانی (عجمی) وطنیت کی تحریک کو پھر زندہ کر رہا تھا، حکومت کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال نہ کر سکا۔ اِس نے حکومت بنو اُمیّہ سے لیکر عبّاسیوں کے قدموں میں ڈال دی اور حکومت ملتے ہی عبّاسی خلیفہ نے ابو مُسلم کا کام تمام کر دیا۔ تاہم اب باطنیّت کے فروغ کے دروازے کھل چکے تھے۔

آخری کامیاب کوشش ۱۸۳ھ

شیعہ امام جعفر کے ایرانی نژاد غلام میمون القداح کے پوتوں نے بنو فاطمین بن کر مصر میں اپنی حکومت قائم کر لی اور باطنی اثرات کو مراقش سے یمن تک پھیلا دیا

تعلیم وتبلیغ کے باقاعدہ ادارے قائم کئے۔ اور باطنی مذہب کی اشاعت کا کام منظم طریقہ پر چلایا۔ مصر کی جامعہ ازہر انہیں کی یادگار ہے۔ اور ان کا تیار کردہ نصاب آج بھی موجود ہے۔ بلکہ ہندوستان میں بھی باطنی علوم کا نصاب، (کشف المحجوب واحیاء العلوم) پڑھے بغیر کسی ادارہ شرقیہ سے سند نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء طریقت وصوفیت پر ایمان رکھتے ہیں اور خود کو مولانا کہلانے پر ناز کرتے ہیں۔ حالانکہ دین توحید میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مولانا کہنا شرک ہے جسے یہ نہیں سمجھتے۔

آیئے دیکھیں اس مذہب کی اشاعت کیسے ہوئی۔

یمن میں تبلیغ باطنی

ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں۔ اسمٰعیلیوں کے نزدیک ایک حدیث شریف کے لحاظ سے یمن بہت مبارک اور مقدس علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یمن میں شیعی مذہب کی تحریک قدیم زمانے سے جاری رہی ہے۔ عبداللہ بن سبا جس نے اسلام کی ابتداء میں مذہب اہل بیت کی تبلیغ میں بہت کچھ حصہ لیا۔ صنعاء (یمن) کا باشندہ تھا۔ حضرت معاویہ کے عہد میں بسر بن ارطاط نے جب یمن فتح کیا تو تمام یمن والوں نے اسکی اطاعت کی۔ لیکن ہمدان اور حمیر کے قبیلوں نے بنوامیہ کی حکومت تسلیم نہیں کی۔ یہ قبیلے جبل شمام کو اپنی پناہ گاہ بناکر دوسرے قبیلوں سے الگ تھلگ رہے۔ ص۶۸

تیسرا سبب یمن کو منتخب کرنے کا یہ ہے کہ فاطمین کے ظہور کا آغاز اسی علاقے سے ہوا۔ امام حسین مستور نے اپنے داعی ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب کو ۲۶۸ھ میں عدن لاعہ بھیجا۔ اس سے پہلے یمن میں جو اسمٰعیلی داعی تھا اس کا نام احمد بن خلیع تھا۔ داعی ابوالقاسم اسی کے گھر میں ٹھہرا۔ اور اس کی بیٹی سے شادی کرلی۔ یہی وہ شخص ہے جس کے بھتیجے کو داعی ابوالقاسم نے تبلیغ کے لئے سندھ بھیجا۔

دو سال کی ان تھک کوششوں کے بعد اس داعی نے ۲۷۰ھ میں بنو موسیٰ کی کی مدد سے صنعا فتح کیا اور بنی یعفر کو وہاں سے نکال دیا۔ یہ داعی منصور الیمن کے

نام سے مشہور ہوا۔ اس نے کئی اور داعی تیار کئے۔ جن میں مشہور ابوعبداللہ حسین بن محمد بن زکریا ہے۔ جو شیعی لقب سے مشہور رہے جس نے بلاد مغرب فتح کرکے امام مہدی کو ظاہر کیا۔ اسی کا بیٹا یا پوتا جعفر تھا جس نے اسمٰعیلی دعوت کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا یہ بلاد مغرب کی طرف چلا گیا۔ اور علوم باطنیہ میں اتنی ترقی کی کہ یہ امام مہدی کا باب الابواب بن گیا۔ یہ مرتبہ امام کے رتبے کے بعد دعوت کے تمام رتبوں سے اعلیٰ و افضل سمجھا جاتا ہے۔ ص۶۹

ہندوستان میں باطنی تبلیغ

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں" داعی ابوالقاسم حسن بن فرح بن حوشب نے جب تبلیغ کا کام شروع کیا۔ دوسرے اور مقامات کے علاوہ ہندوستان اور سندھ میں بھی اپنے داعی بھیجے سندھ میں احمد بن خلیع کا بھتیجا ہیثم داعی بناکر بھیجا گیا۔ گویا تقریباً ۲۷۰ھ سے ہندوستان میں اسمٰعیلی دعوت کی ابتدا کا پتہ لگتا ہے۔ اس نے ملتان میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی

اس کے بعد خلیفہ معز نے اپنے زمانے میں ۳۴۱ھ،۳۶۵ھ میں داعی حلہ بن شعبان کو دہلی کی طرف روانہ کیا۔ ہستنا پور کا راجہ اور وہاں کے اکثر باشندے اس کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اس نے بہت سے داعی تیار کئے اور ملک میں ایک وسیع سلسلہ دعوت قائم کردیا۔ ۳۹۶ھ میں محمود غزنوی نے ملتان فتح کیا تو اس کا والی اسمٰعیلی تھا۔ (جسے قتل کیا گیا) محمود نے سندھ کے اسمٰعیلیوں کو بھی جو قرامطہ کہلاتے تھے چن چن کر ختم کیا)

آگے لکھتے ہیں مستنصر کے عہد یعنی ۴۲۷ھ تا ۴۸۷ھ کے درمیان یمن داعی احمد، عبداللہ اور نور محمد (نورالدین) ہندوستان بھیجے گئے۔ انہوں نے کھمبات میں جو گجرات کی ایک مشہور بندرگاہ ہے قیام کیا اور مدت تک غور و فکر سے ہندوستان کے لوگوں کی حالت کا معائنہ کرتے رہے۔ داعی عبداللہ کی تبلیغ کی پہلی کامیابی کے متعلق مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی کرامت سے ایک کسان کا سوکھا ہوا کنواں پانی سے بھر گیا۔ یہ دیکھ کر کسان اور اسکی

بیوی دونوں مسلمان ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ کھمبات کے ایک مندر میں ایک لوہے کا ہاتھی بغیر سہارے کے ہوا میں لٹکا ہوا تھا۔ عبداللہ نے اُسے زمین پر گرا دیا۔ یہ دیکھ کر پجاری توحید کا کلمہ پڑھنے لگے۔ اِس کے بعد عبداللہ پٹن چلا گیا جو اس زمانے میں گجرات کا دارالحکومت تھا۔ اُس کی تبلیغ سے یہاں کے ہندو بھی متاثر ہونے لگے۔ شہر کے راجہ سدھ راج جے سنگھ بھارمل (۴۸۷ھ تا ۵۲۸ھ) کو بڑی تشویش ہوئی۔ اُس نے ایک مسلح دستہ عبداللہ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر وہ اُس کے پاس تک نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ اُسے ایک آگ کی دیوار نظر آئی جو عبداللہ کو گھیرے ہوئے تھی۔ پھر خود راجہ پہنچا۔ عبداللہ کے حکم سے وہ دیوار ہٹی اور راجہ اس میں گزرا۔ متحیر ہو کر راجہ نے ایک اور معجزے کی خواہش کی۔ عبداللہ نے ایک بت سے کہلوایا کہ عرب کا مذہب سچا ہے۔ بت کا اقرار سن کر راجہ اور اس کے ساتھی مسلمان ہو گئے (باطنی مسلمان ج ۲ ص ۸۲)

بہرحال ہندوستان میں تقریباً ۴۷۰ھ سے اسماعیلی دعوت کا سلسلہ جاری ہوا اور اس سے اسماعیلیوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ ۹۴۶ھ میں یہ دعوت مستقل طور پر ہندوستان میں آگئی۔ یہاں آنے کے بعد اسماعیلیوں کی سرگرمی صرف مذہبی دائرے تک محدود رہی سیاسی معاملات میں حصہ لینا چھوڑ دیا"۔ (ج ۲ ص ۸۳)

مگر ۱۹۰۶ء میں پرنس آغا خان مرحوم نے جو اسماعیلی باطنی تحریک کے امام یا خدا تھے۔ ہندوستان میں دوبارہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ خود اس کے صدر بنے اور اپنے خرچ پر سات سال تک اس تحریک کو ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچانے اور تمام فرقوں کو ایک پرچم تلے جمع کرنے کی بے مثال خدمت انجام دی۔ البتہ اِن کے جانشین نے اُن کی وہ آرزو پوری نہ ہونے دی۔ یعنی اس تحریک کو اِسلام کی نشأۃ ثانیہ کی جدوجہد میں تبدیل کر دیا تو مایوس ہو کر آغا خان نے اس ادارے میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا اور مالی اعانت بھی بند کر دی۔ ہمارے قائداعظم مرحوم آغا خان کے قانونی مشیر تھے۔ اور خاصہ مشاہرہ

پاتے تھے۔ (نواب صدیق علی خان)

اب دیکھئے کہ بنو فاطمین مصر نے اپنے باطنی مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں کس درجہ اہتمام کیا تھا۔ اور یہ لوگ اپنے داعیوں کو عیسائی مشنریوں کی طرح کس طرح تیار کرتے تھے جس کی وجہ سے مصر میں ان کی حکومت تین سو سال رہی۔

کارخانہ اولیا سازی

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ اسمٰعیلی داعی علوم اہل بیت کی تعلیم کے لئے خاص مجلسیں منعقد کرتے تھے۔ جو "مجالس حکمت" کے نام سے مشہور تھیں۔ اِن میں جو لوگ شریک ہوتے وہ اولیا کہے جاتے تھے۔ شیوخ دولت (سرکاری افسر) متوسط درجے کے لوگ، مسافرین اور خدام (ملازمین) وغیرہ ہر طبقے کے لئے الگ الگ مجلسیں منعقد کی جاتی تھیں۔

لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان طریقوں کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر اسمٰعیلی عقائد کے مسلمانوں کو اسمٰعیلی بنانے کے لئے کام میں لائے جاتے تھے (یعنی سُنیوں کو شیعہ بنانے میں استعمال ہوتے تھے) تاہم اِن سے اِن طریقوں پر بھی روشنی پڑتی ہے جو غیر مسلموں کے سامنے پیش کئے جاتے ہوں گے۔ کیونکہ اِن میں اِنسان کی عقل کو عاجز کرنے اور ناقابل فہم عجائبات پیش کرنے کی حکمت عملی پائی جاتی ہے۔ یہ طریقے اسمٰعیلی گروہ کے ہاں نہایت مخفی رکھے جاتے تھے۔ اور اُن کو چھپانے کی سخت کوشش کی جاتی تھی۔ مگر یہ باطنی علوم زیادہ مخفی نہ رہ سکے۔ رفتہ رفتہ منظر عام پر آگئے۔ اور بہت سے غیر اسمٰعیلی مورخوں مثلاً بغدادی شہرستانی اور مقریزی نے اپنی تصنیفوں میں ان کا ذکر کر دیا جس سے باطنی علوم سے پردہ اُٹھ گیا اور اُن پر سختیاں کی جانے لگیں محمود غزنوی نے ہندوستان میں قرامطہ کو چن چن کر قتل کروایا۔ پھر تاتاری مدتوں اُن کی تلاش میں رہے۔ جس کی وجہ سے اُن کے بیشتر داعی غیر معروف مقامات پر جا کر چھپ گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُن کے خاص گڑھ قاہرہ پر حملہ کر کے اُن کی حکومت ختم کی۔ یہ واقعہ ۵۶۵ھ کا ہے۔ چنانچہ اُس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اولیاء کا بننا بند ہو گیا۔ اور بعد میں جو کوئی ولی پیر بنا وہ علوم باطنی سے کما حقہ

واقف نہ تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے اولیاء بنانے کے سارے طریقے اپنی کتاب میں درج کر دیئے ہیں۔ ہم اختصار کے خیال سے صرف چار اسباق پیش کرتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ صوفی حضرات جو ہندوستان، ایران، عراق اور مصر میں پھیلے ہوئے تھے کہاں اور کیسے بنے تھے۔ اور بنو فاطمین کے زوال کے بعد کیوں نہ بن سکے۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ خطۂ عرب میں یعنی سرزمین حجاز میں آج تک کوئی صوفی ولی، پیر، قطب ابدال نہ پیدا ہوا جو بھی پیدا ہوا عجم میں ہوا یعنی عراق و ایران سے آیا۔

پہلی دعوت یا سبق

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ داعی نہایت وقار سے مسند پر بیٹھتا ہے۔ اور جس کو دعوت کرتا ہے پہلے اس سے کلام مجید کی آیات کی تاویل اور معانی شریعت کی مشکل باتوں اور علم طبعیات وغیرہ کے چند مشکل مسئلوں کے بھی سوال کر کے کہتا ہے کہ "اے شخص اسرار دین پوشیدہ ہیں اور اکثر لوگ اُن کے منکر ہیں بلکہ اُن سے جاہل ہیں، اگر مسلمان ان باتوں کو جان لیتے جو اللہ تعالیٰ نے ائمہ اہل بیت سے مخصوص کی ہیں۔ تو اُن میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ اور وہ گمراہ نہ ہوتے۔ اُن کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے ائمہ دین سے روگردانی کی ہے اور غیروں کا اتباع کرتے ہیں (اشارہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف ہے) اور حق یہ ہے کہ ائمہ ہی تنزیل و تاویل قرآن سے آگاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم دین کو پردے میں مخفی رکھا ہے۔ تاکہ اسرار الٰہی مبتذل نہ ہو جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے بھید سوائے فرشتہ مقرب اور نبی مرسل یا بندہ مومن کے جس کے دل کا خدا نے تقویٰ میں امتحان کر لیا ہے کوئی نہیں جان سکتا۔

جب مدعو (جس کو دعوت دی جا رہی ہے) کا دل اِن باتوں سے مربوط ہو جاتا ہے۔ اِس وقت داعی دوسری باتیں شروع کر دیتا ہے۔ کہتا ہے رمی جمار، اور سعی صفا و مروہ کیا ہے۔ کس لئے حائضہ کو روزے کی قضا کا حکم ہے مگر قضائے نماز کی ممانعت ہے کیا سبب ہے کہ جنابت کیلئے غسل ہے اور پیشاب پاخانے کے لئے غسل کا حکم نہیں

کیا سبب ہے کہ خدا نے مخلوق کو چھ دن میں پیدا کیا۔ کیا ایک گھڑی میں پیدا کرنے سے عاجز تھا صراط کے کیا معنیٰ ہیں۔ کراماً کاتبین کیا ہیں۔ اور آیت کریمہ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ" کے کیا معنیٰ ہیں۔ شیطان اور اُس کی صفت کے کیا معنیٰ ہیں۔ یاجوج ماجوج اور ہاروت و ماروت کیا ہیں اور کہاں ہیں۔ سات دوزخیں اور آٹھ جنتیں کس وجہ سے ہیں اور کہاں ہیں۔ اور اس کے کیا معنی ہیں کہ حوا حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئیں۔ پاؤں اور ہاتھوں میں دس دس انگلیاں کیوں بنائی گئی ہیں۔ چہرے میں سات سوراخ کیوں ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ پشت (ریڑھ) میں بارہ کڑیاں ہیں۔ اور گردن میں سات کڑیاں ہیں۔

اِسی طرح داعی تمام تشریح اعضاء کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اپنے نفس پر غور کرو اور خیال نہیں کرتے ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا حکیم اور علیم ہے۔ اُس کے سب کام حکمت سے لبالب ہیں۔ اُس نے قرآن میں جا بجا غور کیلئے تاکید فرمائی ہے چنانچہ آیت کریمہ۔ فِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ○ (الذاریات)

پھر جب داعی دیکھتا ہے کہ مدعو کو اپنی باتوں کی طرف بخوبی رغبت ہے تو اُس سے کہتا ہے کہ اے شخص جلدی نہ کر۔ خدا کا دین اعلیٰ ہے اُس سے کُنا اہل آگاہ ہوں بغیر معاہدے کے آگاہ کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جس کو ہدایت کرتا ہے اُس سے پہلے عہد و پیمان کر لیتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ غَلِيظًا ○

اِس قسم کی آیات پڑھ کر کہتا ہے کہ بیعت کیلئے ہاتھ دو۔ اور ہم سے عہد استوار کرلو کہ ہرگز بیعت نہ توڑو گے اور راز کو فاش نہ کرو گے۔ ہمارے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھو گے۔

جب مدعو نے بیعت کر لی تو اُس وقت داعی اِس کے مال میں سے بقدر حیثیت کچھ امام کی نذر کے لئے مانگتا ہے۔ اگر مدعو دے دیتا ہے تو داعی کی مجلس میں بار دیگر حاضر ہو سکتا ہے۔ ورنہ اِس کو پھر بار نہیں ملتا۔ (ج ۲ ص ۲۱۶ تا ص ۲۱۸)

دُوسری دعوت

جب مدعو سب باتیں پہلی دعوت کی تسلیم کر لیتا ہے اور مال بھی نذر کر دیتا ہے تو دُوسری مجلس میں داعی اِس سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا اپنی اطاعت سے جب تک بندہ ائمہ حق کی پیروی نہ کرے۔ پھر اُن اُمور کی تشریح کرتا ہے جو اِس فرقے کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ پھر جب داعی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مدعو کے دل میں ائمہ کی طرف سے اعتقاد راسخ ہو گیا ہے تو تیسری دعوت کی نوبت آتی ہے صفحہ ۲۱۹ ج ۲

تیسری دعوت

مدعو تیسری دعوت میں حاضر ہوتا ہے تو داعی کہتا ہے کہ ائمہ حق سات ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت زین العابدین۔ حضرت محمد باقر۔ حضرت جعفر صادق۔ اور ساتویں قائم صاحب الزمان اور قائم میں اختلاف ہے۔ بعض محمّد بن مکتوم بن اسمٰعیل بن امام جعفر صادق کو جانتے ہیں۔ اور بعض خود اسمٰعیل بن امام جعفر صادق کو۔ صاحب الزمان کو علم باطنی اور خفی حاصل ہے۔ اور وہی تاویل و تفسیر اور تاویلات کے ماہر ہیں۔ اور دُعاۃ (جمع داعی) اِن کے وارث ہیں (جو دُنیا پر بھی کہلاتے ہیں) ص۲۱۹

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اسمٰعیلیوں کے یہاں امام اوّل حضرت حسن ہیں اور حضرت علی وصی ہیں۔

چوتھی دعوت

اس دعوت میں داعی کہتا ہے۔ شرع کے مجدد سات ہیں۔ جو ناطق کہلاتے ہیں۔ ہر ناطق کا ایک وصی ہوتا ہے جس کو صامت (گونگا) کہتے ہیں۔ پہلے ناطق حضرت آدمؑ تھے۔ اُن کے صامت شیثؑ تھے۔ دُوسرے ناطق نوحؑ ہوئے۔ جنہوں نے ناطق اوّل کی دعوت کو یکسر منسوخ کر دیا۔ اُن کے صامت سام تھے۔ تیسرے ناطق حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ اُن کے جانشین اسمٰعیل ہوئے۔ چوتھے ناطق حضرت موسیٰؑ ہیں۔ اُن کے وصی ہارونؑ تھے۔ پانچویں ناطق حضرت عیسیٰؑ تھے۔ اُن کے وصی شمعونؑ ہوئے۔ اور چھٹے ناطق حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں جن کے وصی حضرت علیؓ تھے۔ ساتویں ناطق صاحب الزمان محمّد بن

اسمٰعیل ہیں۔ جن پر علوم اولین و آخرین تمام ہوئے۔ اِسی وجہ سے آسمان زمین دریا ہفتے کے دن اور کواکب وسیارے بھی سات ہیں جو عالم کے مدبر ہیں۔ اور اِسی سبب سے اِنسان کے چہرے میں سات سوراخ رکھے گئے ہیں۔ (تاریخ بنو فاطمین صفحہ ۲۲۰ ج ۲)

ڈاکٹر صاحب اِن دعوتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مدعو کی قابلیت اور استعداد کے مطابق یہ دعوتیں بڑھائی گھٹائی بھی جاتی تھیں۔ مختلف فرقوں کے رجحانات و میلانات کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ اگر مدعو شیعہ ہے تو شیعی نظریات پر زور دیا جاتا۔ اگر نصرانی ہوتا تو اسے ظہور مسیح کی اُمید دلائی جاتی۔ اور اگر صابی ہوتا تو ساتویں عدد کی اہمیت بتلائی جاتی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اِن داعیوں کے مقاصد سیاسی ہوتے تھے یعنی خلافتِ عباسیہ کے خلاف شورشیں اور بغاوت پھیلانا (ص۲۲۵ ج۲)

عہد الاولیا یا سندِ ولایت

اولیا سازی کا کورس ختم ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ مدعو سے ایک عہد لیا جاتا تھا جسے عہد الاولیا کہتے تھے۔ یعنی ولی بن جانے کی سند۔ اُس کے عہد پیمان حسبِ ذیل ہوتے تھے۔

داعی مدعو سے عہد لیتا۔ اور خدا کی قسم کھلا کر کہتا تم نے اپنے نفس پر خدا کا وہ عہد و میثاق، اور رسولِ انبیاء، ملائکہ اور کتابوں کا وہ ذمہ واجب کر لیا ہے جو خدا نے انبیاء سے لیا ہے کہ تم نے میرے متعلق یا اِس شہر میں جو امام ہے اُس کے اور اُس کے اہل بیت اور اصحاب وغیرہ کے متعلق جو کچھ سنا ہے یا سُنو گے۔ جانتے ہو یا جانو گے اُسے چھپاؤ گے اور اُس میں سے کسی بات کو خواہ بڑی ہو خواہ چھوٹی ظاہر نہ کرو گے۔ بجز اِس بات کے جس کی میں تمہیں اجازت دوں۔ تم ہمارے حکم کے مطابق عمل کرو گے اور اِس سے منحرف نہ ہو گے۔ اور تم اِس بات کی گواہی دو کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، اور گواہی دو کہ محمدؐ اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور جنّت حق ہے۔ جہنم حق ہے۔ موت حق ہے۔ بعث حق ہے۔ اور اقرار کرو کہ نماز وقت پر پڑھو گے زکوٰۃ ادا کرو گے۔ رمضان کے روزے رکھو گے۔ حج کرو گے۔ خدا کے فرائض اور رسولؐ

کی ظاہر اور باطن دونوں صورتوں میں پابندی کرو گے۔ خدا کے اولیا سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کرو گے (مراد ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اور ان کے ماننے والوں سے)

پھر داعی کہتا ہے اس عہد کی محافظت اس بات پر منحصر ہے کہ ہم نے تم سے جن باتوں کا عہد لیا ہے اُن میں سے کسی بات کو ظاہر نہ کرو۔ نہ ہماری زندگی میں نہ ہماری وفات کے بعد۔

اگر تم نے اس عہد کے خلاف کیا تو تم اللہ اور اسکی جماعت سے خارج ہو جاؤ گے اور تمہارا ٹھکانا اُس جہنم میں ہوگا جس میں کوئی رحمت نہ ہوگی۔ اور خدا تم پر وہ لعنت بھیجے گا جو اُس نے ابلیس پر بھیجی ہے۔

اگر تم نے مخالفت کی تو کفارے کے طور پر تمہیں بیس حج پیدل کرنے ہوں گے۔ اور تمہاری ساری املاک فقیروں اور مساکین کو دیدی جائے گی۔ اور تمہاری بیوی مطلقہ شمار کی جائے گی۔ اور تمہارے بچے تم پر حرام ہو جائیں گے۔

میں تمہیں امام اور اس کی حجت کی طرف سے قسم کھلاتا ہوں اور تم قسم کھاتے ہو کہو نعم۔ اور مدعو کہتا ہے نعم یعنی جی ہاں (تاریخ بنو فاطمین ص ۲۲۴ ج ۲)

آج کل فری میسن نے یہ اصول اپنائے ہیں۔ اور یہ بھی یہودی تنظیم ہے۔

اُس کے بعد مدعو (شاگرد) کو سند ولایت دیدی جاتی ہے۔ یعنی اسے ولی اللہ بننے اور اس مرتبے سے تمام دنیاوی و دینی فوائد حاصل کرنے کی اجازت مل جاتی۔

کہتے ہیں کہ ولایت کے بارے میں ایک حدیث شریف بھی بنائی ہے۔

اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ۔ یعنی مقام ولایت مرتبہ نبوت سے افضل ہوتا ہے۔

پتہ نہیں یہ ظاہری رسول کی حدیث ہے یا باطنی رسول کی۔ بہرحال عربی میں ہے اس لئے حدیث ہے اور سب پیر بزرگ اسے مانتے تھے۔ چنانچہ لغات دیکھئے ولی کے معنی جانشین، ولی عہد، وارث، دوست، ساتھی وغیرہ درج ہیں۔

اور عوام کو اجازت ہے وہ جن معنوں میں چاہیں اپنے مرشد کو ولی اللہ سمجھیں۔ بلکہ خدا سمجھیں بھی تو کوئی حرج نہیں۔

ولایت سے فائدے

فارغ التحصیل اولیاء میں ہونہار افراد کو خطابات سے نوازا جاتا۔ مثلاً جلال الدین۔ دین کا دبدبہ۔ محی الدین۔ دین کو زندہ کرنے والا۔ معز الدین۔ دین کو عزت دینے والا۔ معین الدین دین کی مدد کرنے والا۔ نظام الدین۔ دین کا انتظام قائم رکھنے والا وغیرہ۔ یہ خطابات محض مالک یوم الدین کے مقابل لانے کے لئے دیئے جاتے تھے۔ جنہیں بعد کو جہلائے ناموں کے طور پر رکھنا شروع کر دیا۔ اور مطلب پرست خوشامدیوں نے اپنے بادشاہوں کو انہی خطابوں سے نوازنا شروع کر دیا۔ ورنہ یہ سب مشرکانہ نام ہیں۔ اہلِ حجاز اور سچے موحد قسم کے مسلمان اِن ناموں کو برداشت نہیں کرتے۔

ہندوستان میں یہ نام انہی پیروں اور مشائخوں کے ذریعہ پھیلے ہیں۔ مگر یہاں اُن کے معنی کچھ اور سمجھے جاتے ہیں بلکہ یہ ہندو نام رام دین۔ سوہاگ دین۔ دیال دین یا دین دیال کی نقل میں امام دین۔ خواج دین۔ فضل دین۔ احمد دین ہو گئے ہیں جن کے معنی مطالب سے کوئی سروکار نہیں۔ حالانکہ ہندی دین اور عربی دین کے معنوں میں فرق ہے۔

گمراہ کرنے کی ترکیبیں

باطنی داعی جس ملک جاتے وہاں کے حالات کے مطابق اپنے چیلوں کو خطابوں سے نوازتے۔

جیسے افریقہ کے سیاہ فام باشندوں سے خوف کھا کر انہیں سیدی یعنی میرا سردار کہنا شروع کر دیا۔ اور بعد کو یہ لفظ سدی اور شیدی بن گیا۔ یعنی ہر سیاہ فام افریقی کے لئے استعمال ہونے لگا۔ خواہ وہ عیسائی ہو یا کافر ہو یا مسلمان۔

اسی طرح ایران و عجم نے سیدی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ یہاں سے جو اُٹھا سید تھا خواہ بخاری ہو یا سمرقندی۔ گیلانی ہو یا سنجری۔ پھر ہندوستان کے مسلمان بھی اس وبا سے محفوظ نہ رہ سکے۔ جو لوگ ہندو مذہب سے اسلام میں آئے وہ اپنی ذات پات

کی بندشوں کو بھلا نہ سکے۔ اِس لئے ضرورت ہوئی کہ اسلامی زندگی میں بھی کسی نسبت کے ذریعہ تھوڑی سی اہمیت حاصل کی جائے اور وہ اہمیت غالباً صرف عربوں سے نسبت ملانے سے حاصل ہوتی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ رسم اُنہی باطنی بزرگوں کی ایجاد کردہ ہے۔ جو ایران توران خراسان سے سیّد بن کر نکلتے تھے۔ چنانچہ مولوی عبدالرشید صاحب نعمانی اپنی کتاب ابن ماجہ اور علمِ حدیث میں حسب ذیل دلچسپ واقعہ نقل کرتے ہیں۔

محدّث ابن ماجہ کا نسب

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ابن ماجہ میں لفظ ماجہ ان بزرگ کے باپ کا نام ہے یا ماں کا۔ محدّث رافعی نے تصریح کی ہے کہ ماجہ ایک فارسی لفظ ہے جو غالباً ماہ یا ماہچہ کا معرب ہے اُس سے ظاہر ہے کہ امام ابن ماجہ عجمی نژاد تھے۔ عربی النسل نہ تھے۔ اِس لئے ربعی جو آپ کی نسبت ہے نسلی نہیں بلکہ نسبت ولا ہے"

نسبت وِلا کیا بلا ہے

فرماتے ہیں مورخ ابن خلکان نے صاف تصریح کی ہے۔ الربعی بالولاء اس زمانے کا اسلامی دستور تھا کہ جب کوئی نو مُسلم مشرف بہ اِسلام ہوتا تو وہ جس قبیلے کے کسی شخص سے عقد موالات یعنی دوستی کا عہد و پیمان کرتا۔ اُسی قبیلے کی طرف منسوب ہوجاتا اور اِس کا حلیف اور مُولا کہلاتا۔ آگے لکھتے ہیں۔

امام ماجہ کا انتساب عرب کے ربیعہ نامی کونسے قبیلے کی طرف ہے۔ اُسکے تعیّن سے تاریخ کے اوراق بالکل خاموش ہیں (ص۲ و ص۳)

لیکن چونکہ اِس سے ولا کا معاملہ صاف نہ ہوسکا۔ رشید نعمانی صاحب ایک فٹ نوٹ کے ذریعہ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ مولا کا لفظ اگرچہ زیادہ تر حلیف اور مُولا الموالات کے معنوں میں مستعمل ہے تاہم چونکہ مُولا غُلام کو بھی کہتے ہیں۔ اسلئے لفظی مشارکت کی بنا پر بعض دفعہ دھوکا ہوجاتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی بعض لوگوں کو یہی مغالطہ ہوا ہے کہ وہ مولیٰ کے معنی غلام کے سمجھے۔ لیکن خود امام اعظم کی تصریح اس کے برخلاف ہے چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مشکل الآثار میں جو فن حدیث میں ایک بے مثل کتاب ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بہ اسناد صحیح راوی ہیں۔

عبدُاللہ بن یزید مقری کا بیان ہے کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس آیا تو وہ مجھ سے دریافت کرنے لگے "تم کون ہو"؟ میں نے عرض کیا "ایک ایسا شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ احسان فرمایا ہے" یعنی میں نو مُسلم ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا یوں نہ کہو۔ بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے موالات کرلو۔ پھر تمہارا بھی انتساب اُنہی کی طرف ہونے لگے گا۔ کیونکہ خود میں بھی ایسا ہی تھا (یعنی نو مُسلم تھے۔ عرب قبیلے سے دوستی کرکے نعمانی بن گئے۔)

اِسی تعلیم کا اثر تھا کہ ہندوستان میں پنجابی اروڑے خوجہ یا خواجہ بن گئے، جاٹ ملک اور اعوان کہلائے۔ یہ وہی اعوان علی ہیں جن کی اماموں کے زمانے میں سخت قلت تھی۔ حضرت علی کو چالیس اعوان میسر نہ آئے جو اپنا حق خلافت حاصل کرتے۔ مگر پاکستان میں یہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اِسی طرح کمبوہ قوم زبیری بن گئی۔ نداف و بزاز انصاری و صدیقی کہلانے لگے (من جملہ ہمارے بعض لوگ) چھوٹے بڑے قریشی ہوگئے اور ہندو برہمن مسلمان ہوئے تو ہاشمی جعفری، کاظمی، سیّد بن بیٹھے۔ بلکہ سیّدی تو بڑی غریب پرور ہے۔ اِس میں مادری تہذیب کی معرفت مجہول النسب افراد کو بھی پناہ مل جاتی ہے جیسے میمون القداح کی مجوسی اولاد فاطمی سیّد مشہور ہوئی، ایرانی مچھیرے بنو بُویہ اشراف و سیّد کہلائے۔ ہندوستان میں طوائفوں کی اولاد عموماً میر صاحب و سیّدانی بی بی بنتی رہی ہے۔

ایک مثالی ولی اللہ

آپ نے ولی، ولایت تولا، مولیٰ، موالی اور مولات وغیرہ کے الفاظ اتنی بار پڑھ لئے ہیں کہ ان کے معنیٰ واضح ہوگئے ہوں گے۔ اور وہ حدیث اَلوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ

بھی دیکھ لی تو آئیے دیکھیں، ولی نبی سے افضل کیوں ہوتا ہے۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے یہ اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"جس زمانے میں خواجہ اجمیری کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی وہ اسلامی دنیا میں بڑی مصیبتوں اور ابتلا کا زمانہ تھا سیستان اور خراسان کے علاقے بھی تباہی اور لوٹ مار کی زد میں آئے ہوئے تھے" (صفحہ ۱۴۔ شائع کردہ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

غرض مصیبتوں اور آفتوں کے اس المناک ماحول میں خواجہ اجمیری نے پرورش پائی اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جس کے باعث عبرت اور ناپائیداری عالم کا پہلا نقش آپ کے دل پر پڑا اور دنیا سے دل اچاٹ ہوگیا۔ آپ مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ واضح رہے کہ یہ سلطان محمود غزنوی اور سلطان صلاح الدین ایوبی یعنی سلجوقیوں کا دورِ حکومت ہے۔ ان دونوں نے باطنیوں کا قلع قمع کیا تھا۔ اور ان کے جانشین باقی کام انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ انہیں تاتاری لٹیرے اور کفار ظاہر کیا جا رہا ہے (ص۱۷)

مرشد سے بیعت

آپ خواجہ ہارونی کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ ارادت و بیعت سے مشرف ہوئے۔ خواجہ عثمان ہارونی سے ملاقات ہونے پر آپ نے محسوس کیا کہ ان سے زیادہ مرد کامل آپ کو نہیں مل سکتا۔ چنانچہ کچھ دن ان کی صحبت میں رہے۔ اور عقیدت کا جذبہ آپ کے دل میں بڑھتا چلا گیا۔ خواجہ عثمان ہارونی نے بھی خواجہ اجمیری کی باطنی حالت کو بھانپ لیا۔ اور ان کی بیعت کو مبارک جانا۔" (ص۱۳)

بیعت کس طرح ہوئی

خواجہ صاحب خود لکھتے ہیں ایسی صحبت میں جس میں بڑے بڑے معظم و محترم مشائخ کبار جمع تھے۔ میں ادب سے حاضر ہوا۔ اور روئے نیاز زمین پر رکھ دیا۔ حضرت مرشد نے حکم دیا کہ دو رکعت نماز ادا کرو۔ میں نے فوراً تعمیل کی۔ پھر فرمایا رو بہ قبلہ بیٹھو۔ میں ادب سے قبلہ رخ بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا۔ سورۃ بقرہ پڑھو۔ میں نے خلوص عقیدت سے

پوری سورت پڑھی۔ پھر فرمایا ساٹھ بار سبحان اللہ پڑھو۔ میں نے تعمیل کی۔

ان مدارج کے بعد حضرت مرشد قبلہ خود اٹھ کھڑے ہوئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔" اس کے بعد حضرت مرشد قبلہ نے ایک خاص ٹوپی جو کلاہ چہار ترکی کہلاتی ہے میرے سر پر رکھی اور اپنی کملی مجھے اوڑھائی اور فرمایا بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا۔"[19]

پھر حکم ہوا ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھو۔ میں نے اسے پڑھ کر ختم کیا تو فرمایا ہمارے طبقہ مشائخ میں یہی ایک شب و روز کا مجاہدہ ہے۔ دوسرے دن پھر حاضر ہوا۔ حکم ہوا بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا۔ اوپر دیکھ۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو پوچھا کہاں تک دیکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا عرش معلیٰ تک۔ تب ارشاد ہوا۔ نیچے دیکھ۔ میں نے آنکھیں زمین کی طرف پھیریں تو پھر وہی سوال ہوا۔ کہاں تک دیکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ تحت الثریٰ۔ حکم ہوا پھر ہزار بار سورہ اخلاص پڑھ۔ جب میں حکم کی تعمیل کر چکا تو ارشاد ہوا۔ آسمان کی طرف دیکھ اور بتا کہاں تک دیکھتا ہے۔ میں نے دیکھ کر عرض کیا حجاب عظمت تک فرمایا آنکھیں بند کر۔ میں نے بند کر لیں۔ ارشاد ہوا۔ اب کھول۔ میں نے کھول دیں حضرت نے اپنی دو انگلیاں میری نظر کے سامنے کیں اور پوچھا کیا دیکھتا ہے۔ میں نے کہا۔ اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں۔ جب آپ نے میری زبان سے یہ جملہ سنا تو فرمایا بس اب تیرا کام پورا ہو چکا۔ (ص۲۰)

ذرا غور فرمائیے اس پائے کا افترا سوائے عجمی باطنی کے کون گڑھ سکتا ہے۔ جو زمین پر بیٹھ کر خدا کا گھونگھٹ (حجاب عظمت) دیکھ لیتا ہو اور زمین کے نیچے پاتال کا حال بھی جانتا ہو۔ ہندو عقیدہ ہے کہ زمین کے نیچے مردوں کی دنیا آباد ہے۔ اور آخری طبق زمین پر ایک گائے ہے۔ جس کے سینگ پر دنیا قائم ہے۔ وہ سینگ بدلتی ہے تو بھونچال آتا ہے۔ اب ان بزرگ کی اسلامی زندگی کا حال سنیئے۔

شریعت سے بیزاری

سوانح نگار صاحب لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب اکثر استغراق کے عالم میں آنکھیں بند کئے رہتے۔ اور جب نماز پڑھنے لگتے تب آنکھیں کھول لیتے تھے۔

جب نماز کا وقت آتا خواجہ قطب الاقطاب اور قاضی حمید الدین ناگوری آپکے سامنے آجاتے اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ پھر بلند آواز سے فرماتے الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ یہ آواز سن کر حضرت خواجہ عالم استغراق سے باہر آجاتے اور نماز ادا کرتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ یہ آواز سن کر بھی محویت دور نہ ہوتی۔ اس صورت میں وہ دونوں بزرگ آپ کو شانے سے پکڑ کر ہلاتے تب آپ آنکھیں کھول دیتے اور فرماتے شرعِ محمدی سے مفر نہیں۔ سبحان اللہ ہم کہاں تھے اور کہاں آگئے وضو کی ضرورت ہوتی تو وضو فرماتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (ص۸۲ خواجہ غریب نواز)

آگے لکھتے ہیں۔ "صاحب مرآۃ الاسرار کا بیان ہے کہ خواجہ غوثیت قطبیت اور قطب الاقطابی سے گزر کر قطب وحدت یعنی مرتبہ محبوبیت تک فائز تھے۔ اور استغراق فنائے احدیت تک یک رنگ تھے۔

(خدا کرے یہ سب آپ کی سمجھ میں آجائے)

اور آپ یقین کرلیں کہ خواجہ صاحب کے استغراق کا راز کیا تھا کہ جب آنکھ کھولتے تو فرماتے ہم کہاں تھے اور کہاں آگئے۔ یعنی افلاک کی سیر فرماتے تھے اور صرف شریعت کی ادائیگی کے لئے دُنیا میں آنا پڑتا تھا جو بے لطف سی بات تھی

آپ بھی افلاک کی سیر کرنا چاہیں تو بزرگانِ دین یعنی صُوفیوں، قلندروں جوگیوں کی شاگردی قبول کریں۔ اور اُن کی صحبت میں فلک سیر سے شغل فرمائیے۔ اِس کی تفصیل آپ کو فردوس بریں کے حالات کے تحت آخری باب میں دیکھنی ہوگی پھر آپ بھی استغراق فنائے احدیت تک یک رنگ ہو جائیں گے۔ معاذ اللہ کاش ھندی مسلمان اُن الفاظ کے کفر کو سمجھ سکتے۔

بغداد میں ورود

"جن دنوں خواجہ صاحب نے بغداد میں قدم رکھا۔ وہاں المستنجد باللہ کی خلافت تھی۔ جو ۵۵۵ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔ اِن دنوں خلافت عبّاسیہ بہت نازک دور سے گزر رہی تھی۔ اِن دنوں مصر میں بنو فاطمین کی خلافت بڑی قوت پکڑ چکی تھی۔ جس سے عبّاسیوں کو

خطرہ لاحق تھا۔ مگر ۵۵۶ھ میں حالات ایسے بدلے کہ بنو فاطمین کمزور پڑ گئے۔ اور خلافت عبّاسیہ کو پھر قوت نصیب ہوئی۔ اِسی سال صلاح الدین ایوبی کے چچا اسد الدین شیرکوہ نے مصر پر قبضہ کر لیا جو بنو عبّاس کا حامی تھا" ص۳۰ (اور باطنیوں کا قتل عام شروع ہو گیا)

چنانچہ خواجہ صاحب نے تبریز کی راہ لی۔ مگر زیادہ دن تک قیام نہ کر سکے اور اصفہان کی طرف رجوع ہوئے۔ مگر معلوم نہ ہو سکا کہ اصفہان میں کتنے دن رہے بہر حال آپ نے جلد ہی اصفہان کو چھوڑ دیا۔ اور خرقان کی جانب کوچ کیا۔ اور وہاں سے استرآباد چلے گئے۔ جہاں اِن کی ملاقات ایک باطنی بزرگ یادگار محمد سے ہو گئی۔ یادگار محمد نے جلد ہی اپنی جائداد بیچ ڈالی اور خود خواجہ صاحب کے ساتھ ہو گیا۔ اور دونوں بلخ ہوتے ہوئے غزنی کی طرف چل دیئے" ص۳۰

اِس باطنی بزرگ کو غور سے پڑھیے جو خواجہ کے ہمراہ بھاگا تھا۔

غزنی کے حالات

"اِس زمانے میں تاتاری اپنے عروج پر تھے۔ اِن کی طاقت بہت زبردست مانی جاتی تھی۔ انہوں نے جدھر کا رخ کیا وہاں تباہی مچا دی۔ آگ و خون کی ہولیاں کھیلتے پھر رہے تھے۔ کوئی سلطنت ایسی نہ تھی جو اِن کے خوف سے لرزہ براندام نہ ہو۔ ص۴۴ (دیکھئے مؤلف صاحب نے ہماری تائید کر دی، یہ سلجوقیوں کی تعریف ہو رہی ہے۔

"شہر ہرات کا انہوں نے محاصرہ کر لیا اور لوٹنا چاہا تو بادشاہ غور شہر کے پھاٹک پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنا تمام مال و اسباب منگوا کر ڈھیر کر دیا۔ اِس کی رحمدلی اور نرم مزاجی دیکھ کر مقامی اسمٰعیلیوں اور باطنیوں کے اکثر داعیوں نے اُس علاقے میں پھر پھر کر لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے ہر طرف ایک شور اور ہنگامہ پیدا ہو گیا۔ تب اُس نے مجبوراً تمام اسمٰعیلیوں کو اپنی قلمرو سے نکال دیا اور یہ پورا علاقہ باطنیوں کے شر سے پاک ہو گیا" ص۴۵ (یعنی باطنی شریر تھے)

اور اِن کے ساتھ خواجہ صاحب کو وہاں سے روانہ ہو جانا پڑا۔ انہوں نے

ہندوستان کی راہ لی۔ جہاں تاتاریوں کے آنے کی اُمید نہ تھی۔ دیکھئے تاتاری مسلمانوں سے ہمارے یہ باطنی بزرگ کس قدر خائف تھے۔ جب تاتاریوں نے عباسی حکومت کو سنبھالا دیا تھا۔

خواجہ صاحب کے ہم عصر

فاضل مؤلف لکھتے ہیں: خواجہ صاحب کا زمانہ اسلام (باطنی) کے لئے گوناگوں مصائب اور ابتلاء کا دور تھا۔ تاہم یہی دور ہے جس میں اسلام کے (یعنی باطنی اسلام کے) بڑے بڑے مفکر و مشائخ و اولیاء اور عظیم بزرگ پیدا ہوئے۔ مثلاً

۱۔ حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی	۲۔ خواجہ شہاب الدین
۳۔ فریدالدین عطار	۴۔ بہاوالدین ملتانی
۵۔ ضیاءالدین سہروردی	۶۔ خواجہ وجیہہ الدین
۷۔ احمد کبیر رفاعی	۸۔ شیخ یاسر
۹۔ فخرالدین رازی	۱۰۔ محی الدین ابن عربی

یقیناً یہ سب آسمان طریقت کے درخشندہ ستارے تھے۔ خواجہ صاحبان اور سند یافتہ اولیا تھے جو ان کے ناموں سے ظاہر ہے۔ دین پر ان کے خطابات دیکھئے۔ تاتاریوں نے اُن کی خبر لینا شروع کی تو سب پراگندہ ہو گئے۔ انہیں دور دراز مقامات پر جا کر روپوش ہونا پڑا۔ اور اُن کے بعد کوئی ایسا ولی پیدا نہ ہوا جو عرش پر حجاب کے اندر جھانک سکتا یا تحت الثریٰ میں اٹھارہ ہزار عالم آباد دیکھتا۔

خواجہ صاحب کی شادی

"خواجہ صاحب کی تمام عمر نفس کے خلاف جہاد اور اسلام کی اشاعت میں گزری۔ اِس دوران میں شادی کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہ ملا۔ چنانچہ عُمر مبارک نوّے سال کی ہو چکی تھی اب اس سُنّت نبویؐ کی تکمیل کرنا چاہتے تھے" ص ۱۲

اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ سیّد وجیہہ الدین مشہدی گورنر اجمیر کی ایک

صاحبزادی عصمت و عفت سے آراستہ سن بلوغ کو پہنچ گئی تھی۔ شوہر کی تلاش تھی سیّد وجیہہ الدین نے ایک شب خواب میں حضرت امام جعفر صادق کو دیکھا۔ وہ فرما رہے ہیں کہ اے فرزند حضور رسالت مآب کا ارشاد ہے کہ تم اپنی لڑکی کا عقد خواجہ معین الدین سے کر دو۔ انہوں نے اس خواب کا ذکر حضرت خواجہ سے کر دیا۔ خواجہ نے فرمایا میری آخری عُمر ہو گئی ہے۔ لیکن جب پیغمبرؐ کا ارشاد ہے تو تعمیل ارشاد سے کوئی چارہ نہیں"۔ ص ۲۔

مشہدی صاحب کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ مذہب شیعہ اثنا عشری کے پابند تھے۔ بڑے ہی نیک نفس اور پرہیزگار تھے اور اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل تھے۔ ان کی حضرت خواجہ سے صحبت بڑھی اور وہ آپ کے نہایت ہی گرویدہ ہو گئے۔

غالباً ناظرین نے محسوس کر لیا ہوگا کہ خواجہ صاحب نے سُنّت نبویؐ کی تکمیل کے لئے ایک اثنا عشری شیعہ خاتون کو پسند فرمایا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ درگاہ شریف کے متولی صاحبان آج بھی شیعہ امامیہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ گو عام زائرین پر یہ بھید ظاہر کرنے کے لائق نہیں ہے۔

خواجہ صاحب کی اولیاء سازی

فاضل مصنف لکھتے ہیں: "پھر خواجہ صاحب نے اپنے کامل اور لائق خلفاء کو ہندوستان کے مختلف اطراف میں اسی کام کے لئے مامور فرمایا جو ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں پھیل گئے۔ اجمیر میں آپ نے عظیم الشان مسجد اور مدرسہ قائم کیا۔ جہاں سے لوگ دینی علم حاصل کرتے تھے۔ یہیں سے متعدد رہنما اُٹھیں۔ یہ لوگ اولیاء بن کر نکلے۔ اور ہندوستان کے دُور دراز حصوں میں بیٹھ کر خلق خدا کی رہنمائی میں لگ گئے" ص ۹۲

یہ اور بات ہے کہ سات سو سال بعد جب کفر و اسلام کی جانچ ہوئی یعنی ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تو وہ سارا تبلیغی علاقہ کفرستان قرار پایا۔

خواجہ صاحب کے مجاہدات

"بابا فریدالدین شکر گنج روایت کرتے ہیں کہ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز سرتاج اولیائے ہند معین الدین چشتی عجیب مجاہدہ و ریاضت فرمایا کرتے تھے اکثر اوقات ایک ایک ہفتہ تک نہ کھاتے نہ پیتے" (صہ۸۱)

یہ غیر اسلامی ریاضت جوگیوں سے سیکھی ہو گی۔ اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ یہ اُس دین کے اَولیاً کی سُنّت نہیں جس نے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ لارہبانیۃ فی الاسلام۔

"آپ ہر وقت باوضو رہا کرتے اور جب کبھی وضو ٹوٹ جاتا فوراً نیا وضو بنا لیتے کہتے ہیں سالہا سال بلکہ بقول بعضے ستر سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے رہے"، صہ۸۱ (یہ فخر ہمارے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی میسر نہ تھا)

"راتوں کو نیند بھی نہ کرتے تھے۔ بلکہ بیداری اور عبادت میں گذارتے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں دُو بار قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ ہر ختم کے بعد غیب سے آواز آتی اے معین الدین ہم نے تیرا ختم قرآن قبول فرمایا۔ دُوسرے اور مشاغل ان ختموں کے علاوہ تھے" صہ۸۱) (یہ بھی محض افترا ہے۔ اِس قسم کی روایتیں محض روافض ہی گڑھتے ہیں)

اَولیأ کی دُوسری اقسام

گذشتہ صفحات کے مُطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اَولیا صرف اسماعیلی باطنی ہی پیدا کرتے تھے مگر ایسا نہیں ہے۔ باطنی فرقوں کے دُوسرے گروہ بھی اپنے اَولیا تیار کرتے اور پیر، بزرگ، مجذوب، قطب، ابدال وغیرہ ناموں سے چانکیہ جی کے مقرر کردہ اُصُولوں کے مُطابق بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ شیعہ اخبار رضا کار لاہور میں بذیل تذکرہ مذکور ہے کہ۔

"ہمارے اسلامی بھائیوں یعنی حضرات اہلِ سُنّت والجماعت کا ہمیشہ یہ شعار رہا ہے کہ وہ ایسے مشاہیر شیعہ کو جن کا شیعہ اثنا عشری ہونا ایک مُسلمہ حقیقت ہے اپنا کر اہلِ سُنّت والجماعت بنا لیتے ہیں" (یکم اپریل ۱۹۶۰ء جلد ۲۸ شمارہ ۱۳)

جی ہاں اِن سُنّیوں سے ہمیں بھی شکایت ہے۔ آپ کے مشاہیر تو خیر ہیں ہی جیسے تھے۔ انہوں نے سکھوں کے بزرگوں کو بھی نہ چھوڑا۔ کہتے ہیں سکھوں کے گرو نانک مرے تو یہ سکھوں سے لڑنے لگے۔ کہ گرو جی ہمارے پیر تھے۔ وہ تو کہیے سکھوں کی سمجھ میں آ گیا۔ انہوں نے آنکھ بچا کر جنازے میں پھول رکھ دیئے اور مسلمانوں سے کہا۔ گرو جی تمہارے جھگڑے سے ناراض ہو کر پھولوں کی ڈھیری میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ آؤ اب ہم آدھے آدھے بانٹ لیں اور اپنے اپنے طریقے پر دفن کر لیں۔ چنانچہ مُسلمانوں نے اپنے حصّہ کے پھول لے کر اسلامی قبرستان میں دفنا کر فاتحہ پڑھی اور سکھوں نے وہ پھول اپنے گرو کی سمادھی پر چڑھا دیئے۔ اب دیکھئے بھولے شاہ کون تھے سکھ یا سُنّی مُسلمان۔ آگے لکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت شاہ حسین مروندی لعل شاہ باز قلندر کو صُوفیہ کے مختلف شجروں میں شامل کرنے کی جدوجہد جاری ہے۔ کتاب تحفۃ الکرام اور اس سے ماخوذ روایتوں سے ثابت کیا جا رہا ہے کہ لعل شہباز، مخدوم بہاؤالدین ملتانی کے مُرید تھے۔ حالانکہ لعل شہباز قلندر جعفری تھے۔ اور جعفری فقہ کے پابند تھے۔ اِن کے مذہب کا دوازدہ ائمہ (۱۲ امام) واہلِ بیت علیہم السّلام کی امامت پر عقیدہ تھا۔ اور اِن کے غیر کی امامت سے بریت تھی (یعنی تبرا بھیجتے تھے) صرف چہاردہ معصوم پر ایمان رکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

چہاردہ تن شفیع عصیانم — مہر شاہ است عین ایمانم
غیر ازیں چاردہ نمی دانم — مدح شہ روز و شب ہمی خوانم
حیدری ام قلندرم مستم — بندہ مرتضیٰ علی ہستم "

آگے لکھتے ہیں کتاب رقم طراز سے ثابت ہے کہ مخدوم بہاؤالدین ذکریا حضرت شہباز قلندر کے رفیق و ہمسفر تھے۔ پیری مُریدی کا افسانہ وضعی ہے۔ ملتان میں قلندر شہباز کی بہت سے عُلماء و مشائخ و درویشوں اور ولیوں سے مُلاقات ہوئی۔ جن میں شیر شاہ جلال سُرخ پوش، بابا شیخ فرید شکر گنج اور غوث بہاؤالدین ذکریا

آپ کے خاص ہم صحبتی و ہمراز تھے۔

مشنری صاحب بتلاتے ہیں کہ صُوفیوں کا سلسلہ طریقت خواجہ حسن بصری سے چلا ہے اور یہ اسماعیلی اُولیا ، سے مختلف سلسلہ تھا۔ مگر یہ بھی کوئی معمولی سلسلہ نہ تھا۔ اِن کے دُو خلفا نے چودہ خانوادے جاری کئے اور پھر اِن سے بے شمار سلسلے نکلتے چلے گئے۔ ابتدائی چودہ سلسلے حسبِ ذیل تھے۔

خواجہ حسن بصری

۱۔ خواجہ حبیب عجمی

۱۔ ۲۔ کرخیہ
۳۔ طیفوریہ ۴۔ سقطیہ
۵۔ جنیدیہ ۶۔ گاروزیہ
۷۔ طرطوسیہ ۸۔ فردوسیہ
۹۔ سہروردیہ

۲۔ خواجہ معروف کرخی (عبدالواحد بن زید)

۱۔ فریدیہ ۲۔ ہبیریہ
۳۔ عیاضیاں ۴۔ چشتیہ
۵۔ ادہمیہ

گویا جناب حسن بصری عجمی صُوفیوں کے باوا آدم تھے۔ اُن کے تمام چیلے یا مُرید عجمی تھے ، کوئی مکّے یا مدینے کا رہنے والا نہ تھا۔ مگر سب سیّد بنے ہوئے تھے۔ اور یہ سیّد صُوفی ولی پیر بزرگ قطب ، ابدال ، سمرقند ، بخارا تاشقند ، سنجر ، کرخ کی سرزمین نے پیدا کئے تھے۔

اب مشنری صاحب ایک اور راز طشت از بام کرتے ہیں۔ اور فخریہ فرماتے ہیں کہ اہلِ تصوّف نے جہاں بہت سی شیعی روحانی شخصیتوں کو اپنے شجروں میں منسلک کر لیا ہے۔ وہاں لعل شہباز بلند پرواز کو شامل کرنے کی جسارت نہ ہو سکی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ سرکار قلندر نے اپنے کلام میں شیعی امتیازات کو اِس قدر علانیہ طور پر بیان کر دیا ہے کہ اِن کا کسی اور اِسلامی فرقے سے تعلق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے فرمایا ہے ؎

بشنو اے خارجی مطلق برو اے خارجی احمق
بگو یا علی است بحق بیش ازیں مکن دقدق

حیدری ام قلندرم مستم
بندۂ علی مرتضیٰ ہستم

بتر صد من است درد ستم من برائے اعدائے دین کمر بستم
حرف لعنت زنم زبر دستم قائل ایں جمیع من ہستم

حیدری ام قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

جس کا مطلب صاف ہے کہ قلندر صاحب خالص حیدری شیعہ تھے۔ اِن کا تعلق نہ اسماعیلی باطنی خوجوں سے تھا۔ نہ حسن بصری کے عجمی صُوفیوں سے۔ یہ تبرائی بارہ امامی شیعہ تھے۔ اور چودہ معصوم کو جن میں شیرِ خدا بھی شامل ہیں پُوجتے تھے۔ اور حیدر کو نہ ماننے والوں پر لعنت بھیجتے تھے۔ اِن کو خارجی احمق کہتے تھے۔

تاہم کھانے کمانے کے لئے اِن کو بھی صُوفیوں کے گروہ میں شامل ہونا پڑ گیا تھا۔ اور تاتاری (ترک) مُسلمانوں کے خوف سے ہندوستان میں آکر پناہ لینی پڑی تھی چنانچہ وہ سندھیوں کے خُدا بن بیٹھے۔

اِن ولیوں اور صُوفیوں کی تزویر کا پردہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں ابوالفرج جوزی اور امام ابن تیمیہ نے چاک کر دیا تھا۔ جوزی نے تلبیس ابلیس یعنی شیطانی شرارت نامی کتاب لکھی۔ امام ابن تیمیہ نے اُسے سراہا۔ اور لکھا کہ حسن بصری کا یہ دعویٰ کہ خرقہ خلافت اُنہیں حضرت علیؓ سے مِلا ہے محض جھُوٹ ہے۔ حسن بصری ایک عجمی منفری تھے۔ اِن کا انتقال سنہ ۱۱۰ھ میں ہوا۔ جب کہ حضرت علیؓ سنہ ۴۰ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ حضرت علیؓ کی حیات میں اگر یہ شخص تھا بھی تو محض بچہ ہوگا۔ اور بچے کو خلافت دینا کیا معنیٰ۔ خلافت دینا ہوتی تو وہ اپنے بیٹے کو دیتے نہ کہ کسی عجمی مجوسی کو۔ اور کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں کہ اِس بچے نے

کبھی حضرت علیؓ سے مُلاقات کی تھی۔

پھر اسلام تو مجاہدوں اور موحدوں کا دین ہے۔ اِس میں نہ امام پوُجے جا سکتے ہیں نہ شیر بھیڑیے اور براق یا دُلدُل۔ نہ یہاں گوشہ نشینی کی اجازت ہے۔ نہ مُفت خوری کی کہ دھرنا دیکر بیٹھ جاؤ۔ اور احمقوں کی کمائی میں شریک ہو جاؤ۔ وہ محنت کرکے کمائیں اور تمہیں پالیں۔ اور تم کھاؤ پیو موج اڑاؤ۔ اور اپنی بزرگی کی دھوم مچاؤ۔ پھر جب مرو تو اپنی قبر پُوجنے کیلئے چھوڑ جاؤ۔

چنانچہ جناب کوکن عُمری صاحب حیات امام ابن تیمیہ میں لکھتے ہیں۔

"شیخ ابوالفرج جوزی متوفی ۵۹۷ھ نے پہلی بار اپنی مشہور کتاب تلبیس ابلیس لکھ کر صُوفیوں کے ڈھونگ کا پردہ چاک کیا ہے اور اُن کی ہو حق اور گوشہ نشینی کو قرآن وحدیث سے شیطانی کام بتلایا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اِس کتاب سے استفادہ کیا۔ اور ابن جوزی کی بڑی تعریف کی ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ صُوفیہ نے باطنیت کے فلسفے سے متاثر ہو کر اِس قسم کی اصطلاحیں گھڑ لی ہیں کہ غوث ایک ہے جو مکّہ میں ہوتا ہے اور سات اقلیموں کے سات قطب ہوتے ہیں جن پر دین و دُنیا کے ظاہری و باطنی اُمور کا دارومدار ہے۔

رجالِ غیب (امام مستور، امام مہدی خواجہ خضر وغیرہ جو غائب اور پوشیدہ ہیں) کا نظریہ رافضیوں نے ایجاد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بادل میں غائب ہو گئے ہیں اور شیر بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ محمّد بن حنفیہ پہاڑوں میں روپوش ہیں یا محمّد بن حسن عسکری یعنی شیعوں کے امام مہدی سامرا کے غار میں غائب ہو گئے تھے اور قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ اصلی قرآن بھی اُن کی بغل میں ہے۔ یا کہا کہ (یہودی نژاد) فاطمی خلیفہ ظاہر باللہ مصر میں روپوش ہے اور کسی دن ظاہر ہو کر پھر اسماعیلی حکومت قائم کرے گا۔

یہ سب صُوفیا و اولیاء کو دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ انہیں کے بنائے ہوئے ہیں

امام ابن تیمیہؒ نے مراقبہ کو غیر شرعی فعل اور ذکر یعنی ہو ہو کرنے کو بدعت بلکہ کفر

بتلایا ہے۔ اور خرقے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ روایت کہ حضرت علیؓ نے حسن بصری کو خرقہ دیا تھا محض جھوٹ ہے کیونکہ حسن بصری کی حضرت علیؓ سے مُلاقات تک ثابت نہیں

آگے لکھتے ہیں کہ علوُم باطنی اور علوُم ظاہری کا امتیاز جو شیعہ دماغ کی پیداوار ہے محض افتراء ہے۔ رسُول اللہ نے علوُم باطنی جاننے کا دعویٰ نہیں کیا۔ نہ کسی کو سکھلایا پھر آپؐ کی اُمّت کا کوئی گنہگار بندہ اگر باطنی علوُم جاننے کا دعویٰ کرے تو کافر ہے۔"

(حیات ابن تیمیہ ص۳۳۱۔ مطبوعہ لاہور)

ولایت کی قرآنی تعریف

ولی اور اولیاء کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ولی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (۶۸۔ آل عمران) یعنی مؤمنوں کا ولی تو صرف اللہ ہے۔ دُوسری جگہ بتلاتے ہے کہ مظلوم اور کمزور مُسلمان اللہ سے دُعا کرتے ہیں۔ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَنَصِيْرًا (۷۵۔ النساء) یعنی اللہ اپنی طرف سے ہمیں کوئی ولی عطا فرما۔ جو ہماری مدد کرے۔ ساتھ ہی ایک جگہ فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۝ "اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا اولیا بنائے گا۔ اُس کا عذاب بڑھا دیا جائیگا"

دُوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۳۰۔ شوریٰ) "اللہ کے سوا تمہارا ولی اور مددگار کون ہو سکتا ہے"۔

نیز فرمایا ہے کہ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْۤ اَوْلِيَآءَ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا (۱۰۲۔ الکہف) "کیا یہ کافر سمجھتے ہیں کہ ہمارے بندوں کو اپنا اولیاء بنا لیں گے تو ہم خفا نہ ہوں گے۔ ہم نے ایسے کافروں کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے"۔

بلکہ ایک جگہ مزید وضاحت فرمادی ہے کہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ (۷۶۔ النساء) "یعنی جو کافر ہیں وہ اپنے جھوٹے خداؤں کے لئے لڑتے ہیں۔ پس تم اِن

اِن شیطان کے اَولیار کو قتل کر دو۔

مطلب یہ کہ اَولیا تو وہی ہیں جو دین کے خادم اللہ کے فرمانبردار اور شریعت کے پابند ہوں۔ جان کے خوف سے ڈر کر بھاگنے اور چھپنے والے اور جنگ و جہاد کے بدلے دُعا تعویذ سکھانے والے اَولیا نہیں کہلائے جا سکتے۔

تیسرا باب

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق ؛ نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش ؛ میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

میراثِ بابل وَنینوا

آیئے دیکھیں وہ میراث کیا تھی جو علّامہ ترابی کے عجمی اسلاف نے ایک پروردۂ آغوشِ رسالت کے مرتبے کے بزرگ حضرت علی کو سونپ کر اُن کی نسل کو اپنا گرویدہ اور مرہونِ منّت بنالیا تھا۔ بلکہ وہی میراث ہمیں اپنے عجمی پیروں اور بزرگوں کی معرفت ملی تو ہم اور ہمارے اجداد اللہ اکبر چھوڑ کر مولا مدد اور یا علی کے نعرے لگانے لگے۔

اِس بحث کو سمجھنے کے لئے ہمیں سرزمین عجم کی قدیم تاریخ سے رجوع کرنا پڑے گا۔ مگر اِس تاریخ پر اتفاق سے مُسلمانوں کے بجائے عیسائیوں نے اپنے دورِ عروج میں تحقیق کی ہے۔ مُسلمان محض لکیر کے فقیر رہے۔ جو کچھ اُن کے عجمی بزرگ لکھ گئے اُسے قرآن سے زیادہ مستند سمجھ بیٹھے۔ وہ بابل وَنینوا کی تہذیب پر تحقیق کیا کرتے خود اسلام پر تحقیق نہ کر پائے بلکہ اگر کبھی تحقیق ہوئی بھی تو اُسے چھپا دیا یا بدل دیا۔ جیسے سیّد سلیمان ندوی نے اپنے اُستاد علّامہ شبلی کی سیرت النبی میں اصلاحات فرما کر اُس کا حلیہ بدل دیا۔ اور فخریہ لکھا ہے کہ غلطیوں سے پاک فرما دیا ہے۔ جبکہ پُرانے نسخے موجود ہیں۔ اُس سے اندازہ لگایئے کہ عہدِ ماضی میں جب کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اور نقل در نقل ہوتی تھیں۔ ایسے سعادت مند شاگردوں نے کیا کچھ نہ کیا

ہوگا جو اُستادوں کو احمق سمجھتے تھے۔

سرزمین بابل و نینوا کے بارے میں عیسائی بتلاتے ہیں کہ یہ اِنسانی تہذیب کا اولین گہوارہ شمار ہوتی ہے۔ یہاں دُنیا کے سب سے پہلے شہر آباد ہوئے۔ یہاں اِنسان نے معاشرتی زندگی کے اُصول سیکھے اور اُن کے فوائد کو محسوس کیا۔ یہیں صنعت و حرفت، تجارت و زراعت کے شعبے قائم ہوئے اور صلاحیتوں کے مُطابق مختلف افراد میں تقسیم ہوئے۔ جس سے دُنیا میں ذاتوں اور طبقوں کا تصوّر پیدا ہوا۔

یہاں پر اِنسان کو پہلی بار معلوم ہوا کہ قوی اور مضبُوط افراد کو حق ہے کہ وہ کمزوروں کی حفاظت کے نام سے اُن پر حکم چلائیں اور کمزوروں کا یہ مقسُوم ہے کہ وہ زبردست کی تابعداری کریں۔ وحشی زندگی میں اِنسان صرف اپنے لئے یا زیادہ سے زیادہ اپنے بیوی بچوں کے لئے محنت مشقت کر کے آزوقہ حاصل کرتا تھا۔ اب اُسے معلوم ہوا کہ قوم قبیلے یا مُلک کی خدمت کرنا بھی اُس کے فرائض میں داخل ہے۔

غُلام اور آقا

یعنی بہ الفاظ دیگر اِسی ارتقاء تمدن و تہذیب نے اِنسان کو آقائی اور غُلامی کے چکر میں ڈال دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اچھے آقا مرنے کے بعد بھی یاد رکھنے کے قابل بن گئے اور اُن کی یادگاریں قائم کرنے کی ضرورت پڑ گئی جو مجسمہ سازی اور مصوری جیسے آرٹس کی محرک بنی۔ بعد کو اُنہی ابتدائی آقاؤں نے خُدائی مراتب حاصل کر لئے اور پُوجے جانے لگے۔ حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی اُن کی محبت اور اُن کا خُوف دل سے نہ نکلا۔ اُن کی یادگاریں قائم کر لی گئیں۔ شبیہیں بنائی گئیں اور مجسمے تیار کئے گئے۔ پھر اُن کو خوش کرنے کے لئے دُعائیں تیار ہوئیں۔ اور دُعائیں بنانے کے لئے ایسے افراد تلاش کئے گئے جو جانتے تھے کہ خداؤں کو خوش کرنے کے لئے کون سی دُعائیں کس وقت پڑھی جائیں۔ اُس طرح بندوں اور خُداؤں کے درمیان ایک طبقہ اُن کے سفارشیوں کا پیدا ہو گیا۔ یہی لوگ کہیں موگوش ہیں کہیں پجاری، کہیں پادری یا احبار اور کہیں مولوی پیر اور لاما بنائے

اِس تصویر میں یونانی اور مصری خُداؤں کو یکجا کیا گیا ہے۔ یونانیوں نے اپنے سورج دیوتا کو اِنسانی شکل میں پُوجنا چاہا تو مصریوں نے اپنے اِنسانی خُداؤں کو شیر اور گدھ کی شکل میں پُوجنا پسند کیا۔ اور سب کو پُوجنے والے مِل گئے بلکہ آج بھی مِل جاتے ہیں۔

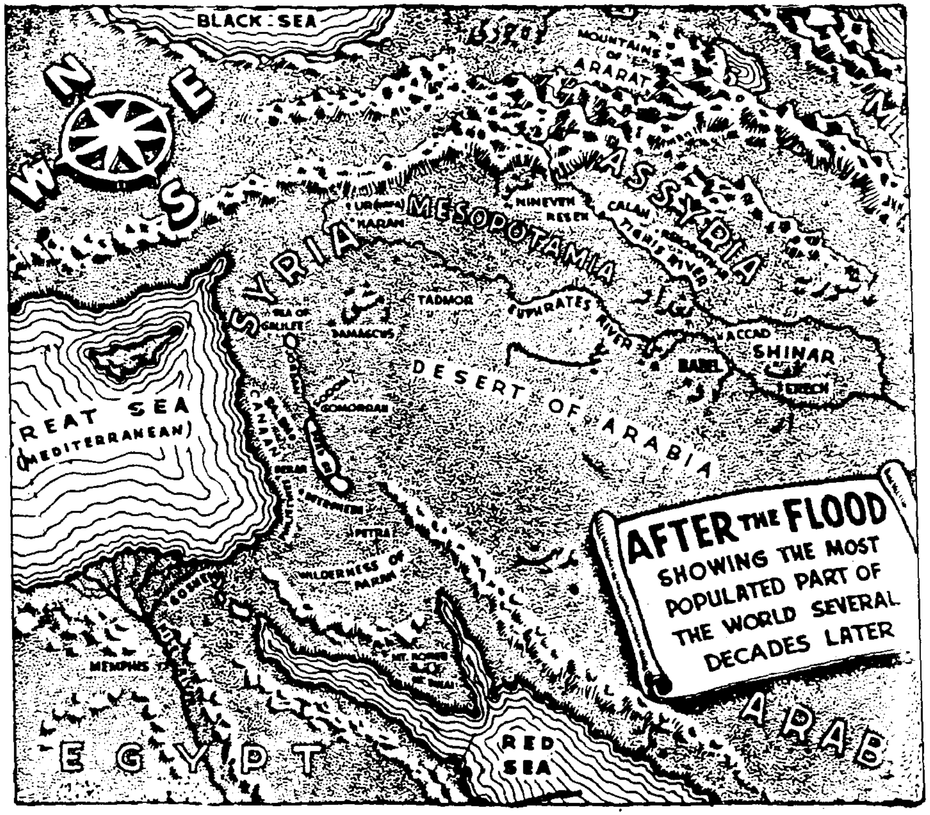

تہذیب بابل و نینوا

عیسائی مشنری آرم اسٹرانگ لکھتا ہے "انجیل مقدس کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد جب کشتی کوہ جودی پر آکر ٹھہری تو نوحؑ اور اُن کے ساتھیوں نے اُتر کر قریب کے میدانوں میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہاں دو دریا بہتے تھے۔ اور علاقہ سرسبز و شاداب تھا۔ یونانی زبان میں اس علاقے کا نام میسو پوطامیہ تھا۔ جس کے معنی تھے دو دریاؤں کا ملک۔ تاریخ میں یہ علاقہ آسیریا یا عاشوریہ کے نام سے موسوم ہے جس کے معنی ہیں سورج کو پوجنے والوں کا ملک

حضرت نوحؑ کی قوم بھی سورج کو پوجتی تھی۔ یہاں جو پہلا شہر آباد ہوا۔ اس کا نام بے بی لون یا بابل رکھا گیا جس کے معنی ہیں بھانت بھانت بولیوں اور زبانوں کا شہر۔ غالباً یہاں ایسے لوگ آکر آباد ہو گئے تھے۔ جن کی زبانیں مختلف تھیں۔ بعد کو بابل یا بے بی لون کو علم و دانش کا مرکز سمجھا جانے لگا۔ جس سے انگریزی الفاظ بائبل اور بائیبلوگرافی بنے ہیں۔ مگر عرف عام میں بابل ایسے شہر کو کہا جانے لگا جہاں بدکاری عام ہو۔

یہ شہر نمرود نام کے ایک قد آور، خوفناک اور ظالم شخص نے آباد کیا تھا۔ اُس نے گیلی مٹی سے اینٹ بنانا اور اینٹوں کو پکا کر اُن سے مکان بنانا سکھایا۔ اور مکانوں کی حفاظت کے لئے شہر کے گرد فصیل بنانا ایجاد کیا جس سے پہلی بار انسان نے خطرات سے محفوظ ہو کر اپنے گھروں میں اطمینان سے رہنے سہنے کا طریقہ معلوم کیا۔

نمرود کے معنی قدیم زبان میں خونخوار درندے یا بھیڑیئے یا شیر کے تھے یہی نمرود مختلف زبانوں اور مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ تہذیب انسانی کو جنم دینے والا دُنیا میں پہلی بار بادشاہت قائم کرنے والا اور عوام کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے والا یہ شخص ابتدا ہی سے خدائی مرتبے پر فائز ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں اسے اندرا کہا جاتا ہے۔ جس کے دربار میں کوہ قاف کی پریاں اور افریقہ کے دیو رہتے ہیں۔ اُس کی شبیہہ شیر کے سر والے دیوتا کی شکل میں بنائی جاتی ہے اُسے وشنو بھی کہا جاتا ہے یعنی زہریلا دیوتا جس کے چار ہاتھ اس کی بے پناہ قوت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

مصر میں نمرود کو عوزی ریس OSSIRIS کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور اُسے بیل یا سانڈھ کی شکل میں پوجا جاتا تھا۔ عوزی رِیں کے معنی قدیم مصری زبان میں تھے۔ اپنی ماں کا شوہر اور یہ ایک بڑا مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔ قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے دور غلامی میں عوزی رِس کو پوجنا شروع کر دیا تھا چنانچہ صحرائے سینا میں موسیٰؑ کے ساتھ آجانے کے بعد بھی اُسے نہ بھولے جب موسیٰؑ چالیس دن تک کوہِ طور پر مشغول عبادت تھے۔ یہودیوں نے اپنے سونے کے زیورات سامری کو دے کر ایک بچھڑا بنوالیا اور اُسے پوجنے لگے[۱]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

پت بون

عجمی مجوسی اُسی نمرُود کو جمشید کہتے تھے۔ جم کے معنیٰ دُنیا اور شید سے مُراد روشن کرنے والا یا ڈرانے والا۔ جس سے ساری دُنیا ڈرتی ہو۔ ایرانی اُسے سانڈھ کی شکل میں پُوجتے تھے۔ اُس کے پانچ ٹانگیں تھیں سَر اِنسانی تھا اور پگڑی پارسیوں جیسی باندھتا تھا۔ یہ بیل ہوا میں اُڑ بھی سکتا تھا۔ قدیم زبان میں اُسے پت بون کہتے تھے۔ جو ہندی پتا بیل یا سانڈھ ہاک کے ہم معنیٰ ہے۔ جس کا کام افزائش نسل تھا۔ یہ ماں بہن بیٹی کا لحاظ نہ کرتا تھا

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ؎ عُوزی رس کو یہُودی بھی خُدا کا بیٹا سمجھنے لگے تھے۔ قرآن حکیم نے اِس کا ذکر کیا ہے۔ وقالت الیہود عزیر ابن اللہ۔ ہمارے عجمی مفسرین کلام اللہ کی حقانیت کو کیا سمجھتے لکھ مارا کہ عُزیر نام کا کوئی پیغمبر گزرا ہے۔ حالانکہ اِس نام کا کوئی پیغمبر تورات وانجیل میں مذکور نہیں ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اِسی گمراہی کے تحت یہ گمُردہ نام ہم کو دے دیا ہے۔

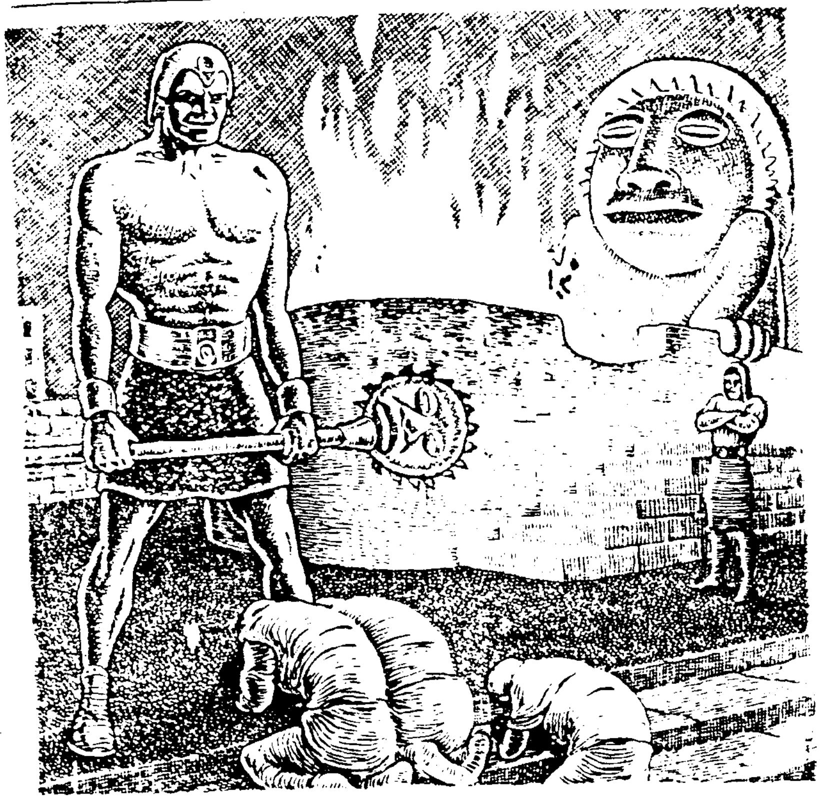

Babylonian mothers bowing before Nimrod, high priest of the sun-god, present their babies to be purified by being sacrificed in fire.

نمرُود کی خُدائی

سیریا اور یونان میں نمرُود کو نائی نس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ روم میں وہ سیٹرن مشہور رہوا یہ لفظ عربی ستر سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ چھُپنے اور پوشیدہ ہونے کے ہیں۔ کہتے ہیں روم سے اُسے نکالا گیا تو وہ رُو پوش ہوگیا۔ یہی دُنیا کا پہلا امام مستُور ہے۔ جس کی واپسی کا بہت سی قوموں کو انتظار ہے نمرُود کو دُوسرے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ کہیں وہ پیٹریان ہے (یعنی پدر بعل) اور کہیں سانتا کلاز (بچوں والا بیٹرا) کہیں اوبس فرنی (پہاڑی بھیڑیا) اور کہیں خواجہ خضر (سبز پوش بزرگ)

مختصر یہ کہ آریا نسل کے لوگ نمرود کو خدا سمجھ کر پوجتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک چالاک اور پھرتیلا سپاہی بھی تھا۔ اور ایک اچھا منتظم بھی۔ وہ اپنے دشمنوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالتا یا آگ میں ڈال کر جلا دیتا تھا۔ اور مطیع و فرمانبردار دوستوں کو انعام و اکرام سے نوازنا بھی جانتا تھا۔ پس لوگ اُس سے ڈرنے لگے۔ اِس کا احترام کرنے لگے اور اُس کی انتظامی صلاحیتوں اور فطری قیادت کے اعتراف میں اُسے اپنا محافظ، رہنما، سردار یا بادشاہ تسلیم کر کے یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ یقیناً وہ اِنسان نہیں بلکہ اِنسان کے رُوپ میں خدا ہے۔ اور پوجنے کے لائق ہے۔

نمرود کی تصویر پھر دیکھئے وہ تکبر و غرور سے مدہوش ہاتھ میں گرز لئے کھڑا ہے۔ چند کمزور اور بے سہارا عورتیں جذبۂ عبودیت و پرستش سے سرشار اُس کے سامنے سر بہ سجود ہیں اور اپنے بچوں کو جو یقیناً ناجائز اولاد تھی سورج دیوتا کی بھینٹ چڑھانے کے لئے پیش کر رہی ہیں۔ اِس سے اُن عورتوں کو کیا ملے گا؟ شاید اجر عظیم اور ثواب دارین کی اُمیدوار ہوں گی۔ یا صرف نجات کی طالب ہوں۔

اور نمرود کو کیا مِل رہا ہے۔ تسکین تکبر و مکنت یعنی اُس کے خدا بننے کی خواہش پُوری ہو رہی ہے۔ نمرود خدا بن کر خوش ہے۔ اور معصوم بچوں کو آگ میں جلا رہا ہے تاکہ اُس کی قوت و قہاری کا مظاہرہ ہو۔ اور اُس کے پرستار اُس کی خوشی سے خوش ہیں۔ اِس خوشی کو حاصل کرنے کے لئے اپنے گوشت پوست اپنے خُون جگر سے پالے ہوئے معصوم بچوں کو قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں۔ اِسے کہتے ہیں روحی و روح العالمین فِداہ —— شہر بابل کے باشندوں کا بادشاہ، امام یا خدا بننے کے بعد نمرود نے (جو شیطانی خصوصیات کا حامل تھا) لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کو پُوجنے کی رسم نکالی۔ اُس نے شیطان کو مریخ اور بعل کے نام دیئے۔ سُریانی زبان میں مریخ کے معنیٰ مالک اور سرکار کے ہیں اور بعل دل کو کہتے تھے۔ دل اِنسانی جسم میں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ اِس نے تبلایا کہ شیطان بھی کائنات میں مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ نمرود کو معلوم تھا کہ شیطان آگ سے بنا ہے۔ پس آگ کی پرستش بھی اُس نے

لازم کر دی۔ اور آگ کو ہمہ وقت روشن و محفوظ رکھنے کے لئے اُس نے بڑے بڑے آتش کدے بنوا دیئے جو قدیم زبان میں ار (UR) کہلاتے تھے۔ اس کے معنیٰ اِن کی زبان میں آگ کے تھے۔ یہ لفظ آج بھی آریائی زبانوں میں مستعمل ہے۔ فارسی میں ارمغان یعنی مجوسیوں کی آگ کا لفظ موجود ہے۔ یورپ اور ہندوستان میں ارن (URN) اِس برتن کو کہتے ہیں جس میں مُردوں کی راکھ رکھی جاتی ہے۔ مگر نمرود کے زمانے میں ار اُس جگہ کو بھی کہتے تھے جہاں آگ محفوظ رکھی جاتی تھی۔ قدیم نقشوں میں بابل اور نینوا کے قریب ار نام کے دو شہر دکھلائے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن آتش کدوں کے گِرد و نواح میں بستیاں بس گئی تھیں۔

اِن آتش کدوں میں بعل کے مجسمے نصب کئے جاتے اور دروازوں پر بادشاہ نمرود کا مجسمہ شیر کی شکل میں رکھ دیا جاتا تاکہ اُس کی نمائندگی کرے اور اُس کے ہمہ وقت اور ہر جگہ موجود ہونے اور عوام کو دیکھتے رہنے کا احساس دلائے۔ پس جو لوگ اُس مندر سے اپنے چولہوں کے لئے چند چنگاریاں لینے جاتے ان پر لازم آتا کہ مندر کے مالک بعل اور اُس کے بڑے پجاری نمرود کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کریں۔ اور اُن کی عظمت کا اعتراف کریں۔

کہتے ہیں نمرود جس سے ناراض ہو جاتا اُسے آگ میں جھونکنے کا حکم دیتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی اِسی آگ میں ڈالا گیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وہ آگ سرد کر دی اور حضرت ابراہیمؑ کو بچا لیا۔ چنانچہ آریوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بھی ایک خدا تسلیم کر لیا مگر ظاہر ہے اِس سے آگ خدا اور اِس کے بڑے پجاری شیر خدا کی قہاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ لوگ اُنہیں بدستور پُوجتے رہے۔ یہی لوگ جو آگ کو پُوجتے تھے تاریخ میں آریوں کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ بھی اِسی شہر میں پیدا ہوئے اور جوان ہوئے۔ اُنہوں نے نمرود اُس کی آگ اور اُس کے خدا بعل کو پُوجنے سے انکار کر دیا۔ اور توحید یعنی صرف ایک آسمانی خدا کو پوجنے کی تعلیم دینا شروع کی۔ تو آریئے اُن کے دشمن ہو گئے اور

یہ دشمنی آریائی اور سامی نسلوں میں آج تک باقی ہے۔ آلِ نمرود بہ شرک و کفر پر مُصر ہیں اور آلِ ابراہیم اُن سے محفوظ رہنے کی فکر میں ہیں۔ مگر وہ کہاں تک کامیاب ہوتے یہ کہانی بھی عیسائی مشنری سے سُنئیے۔

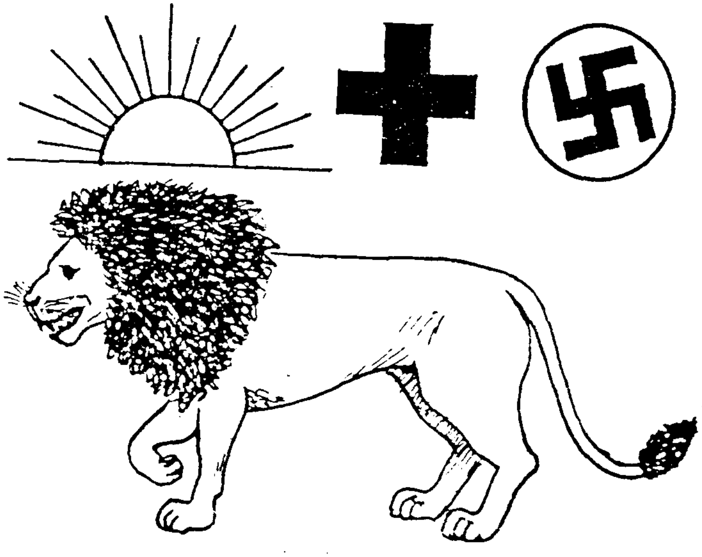

عیسائیت اور آریا تہذیب

بابل و نینوا کی سرزمین جو آشوریہ کے نام سے موسوم تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی زاد بوم بھی ہے۔ یہاں کے لوگ اپنی آتش پرستی کی وجہ سے اُریا یا آریا کہلاتے ہیں۔ یہ یورپ اور ایشیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سورج اور شیر کو پُوجتے تھے۔ اور آج بھی اِن دونوں چیزوں کو کسی نہ کسی شکل میں قابلِ احترام بنائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ساری دُنیا میں پھیلے اور آباد ہو گئے۔ جہاں موسمی اور مقامی اثرات کی وجہ سے اُن کی شکلیں، مذاہب، زبانیں، لہجے، تہذیب اور لباس سب کچھ بدل گئے۔ مگر جو چیز نہ بدلنا تھی اور نہ بدلی وہ اُن کے معبود ہیں، یعنی سورج اور شیر۔

جرمن سواسٹیکا جو ہندوستانی آریوں کا بھی قومی نشان ہے، جو سورج کی علامت ہے۔ اسے گھُما دیجئے تو سورج کی کرنوں کا منظر پیدا ہو جاتا ہے۔ عیسائی صلیب اسی سواسٹیکا کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور اُسی مبداء نور یعنی سورج دیوتا کی نشانی ہے۔ جو اب حضرت عیسیٰؑ سے منسوب ہو گئی ہے۔

شیر اور بھیڑیا بھی آریائی نسل قوموں میں قابلِ احترام جانور ہیں۔ انگریز اپنے شیر ببر کو بڑا عزیز رکھتے ہیں۔ ہندوستانی، مصری، یونانی، چینی، جاپانی غرض کہ تمام قومیں شیر کا احترام کرتی ہیں۔ گو مذاہب کے بدل جانے سے اُن کی شکلیں اور صفات بدل گئی ہیں۔ چنانچہ اب عیسائیوں نے بھی محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ اُن کی عیسائیت پر بابلی تہذیب کے اثرات غالب ہیں۔ امریکی رسالہ پلین ٹروتھ میں مسٹر ہرمن ہوک اپنے عیسائی سینٹ ویلن ٹائن (خونخوار ولی) کے یوم پیدائش کے بارے میں شکایت ہے کہ یہ کوئی عیسائی بزرگ نہ تھے جنہیں عیسائی اپنا ولی سمجھنے اور پُوجنے لگے ہیں وہ لکھتا ہے کہ۔

"کسی عیسائی پادری یا عالم سے پُوچھو یا کسی سچے عیسائی سے معلوم کرنا چاہو کہ یہ خونخوار ولی کون سے بزرگ تھے۔ یہ کب پیدا ہوئے اور کہاں پیدا ہوئے تھے۔ اور عیسائیت کے لئے اِن کی خدمات کیا تھیں تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے گا۔

یا ۱۴ رفروری کی رات کو نوجوان مرد اور عورتیں پان کی شکل کا ایک دل جو تیر سے چھدا ہوا ہوتا ہے ( ) ایک دوسرے کو کیوں پیش کرتے ہیں۔ اور اِس رات کس بات کی اتنی خوشی منائی جاتی ہے جبکہ اِس رسم کا کوئی ذکر انجیل مقدس میں موجود نہیں"۔ آگے لکھتا ہے۔

"لپرکس اور ویلن ٹائن کے معنی بہادر شکاری شیر دل خونخوار، اور خوفناک کے ہیں۔ اور سینٹ ولی کو کہتے ہیں پس ایسا ولی کون ہو سکتا ہے؟ آئیے اِس کا جواب یونانی دیو مالا میں تلاش کریں۔

یونانی اسے پیٹر پان کہتے تھے۔ بابلی زبان میں یہ پدر بعل ہے۔ بعل کا ذکر انجیل

مُقدس میں کسی جگہ آیا ہے۔ اِس دیوتا کی پُوجا نمرُود نے شروع کروائی تھی۔ نمرُود بھیڑیئے اور شیر کا شکار کرتا تھا اور خود شیر دل اور خونخوار سمجھا جاتا تھا۔ اُس کی قوم نے اس کے مجسمے شیر اور بھیڑیئے کی شکل میں بنالئے اور جگہ جگہ نصب کر دیئے سر زمین بابل و نینوا میں یہ شکلیں غاروں اور چٹانوں میں آج بھی کندہ ہیں۔ نمرُود بدچلن اور آوارہ بھی تھا وہ دُوسروں کی بہو بیٹیوں سے اختلاط کرتا اور اپنی ماں بہن کو بھی نہ بخشتا تھا۔ اقوام عالم میں بدچلنی کا رواج اُسی کی خرمستیوں کی مرہون منّت ہے یہی نمرُود کہیں لُپیرکس ہے۔ کہیں سینٹ ویلن ٹائن۔ کہیں وشنو اور کہیں (LION GOD) یعنی شیرِ خدا اور کہیں سانتا کلاز۔ دل کے پان نما نشان میں اُسی عشق و محبت کی طرف اشارہ ملتا ہے جس کی اُس نے بنیاد ڈالی تھی۔ اِسی طرح آگ اور سورج کی پرستش کی یادگار ہماری وہ رسمیں ہیں جن میں ہم چراغاں کرتے اور پٹاخے چھوڑتے ہیں۔ دُوسری مُشرک اور گمراہ قومیں اپنے تیوہار آگ جلا کر اور اُس کے گرد ناچ کر مناتی ہیں۔ ہندوستانی ہندو دیوالی کے تیوہار پر جگہ جگہ آگ روشن کرتے ہیں۔ مندروں اور گھروں کو چراغوں سے سجاتے ہیں شراب پیتے ہیں۔ جوا کھیلتے ہیں اور عیاشی کا موقعہ مل جائے تو وہ بھی ثواب سمجھ کر کر ڈالتے ہیں۔ اور پارسی تو آگ کو مسلسل جلائے رکھتے ہیں۔ اور اُسی کو پُوجتے ہیں۔"

(شمارہ، ماہ فروری ۱۹۶۶ء)

نمرُود کی ماں یا بیوی

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل پر کسی قوم نے حملہ کیا اور شہر کو تاراج کر ڈالا۔ نمرُود بابل چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اُس کا گھوڑا چند روز بعد چار جامہ سمیت واپس آگیا۔ مگر نمرُود کا پتہ نہ چل سکا تو اُس کی ماں اسثھر۔ ایسٹریا عزبی اشطور نے جواب اُس کے بیٹے کی ماں بن چکی تھی مشہور کر دیا کہ نمرُود ایک رات پھر اسی طرح خاموشی سے واپس آجائے گا جس طرح غائب ہوا ہے۔ اور پھر اِسی طرح امن و امان اور عیش و مسرت کا دور دورہ لے آئے گا۔ جیسے اُس کے عہدِ حکومت میں تھا چنانچہ عوام اُس گھوڑے کو لیکر گلی گلی اور کوچہ کوچہ پھرے اور اعلان کرنے لگے کہ بادشاہ نمرُود کا گھوڑا واپس آگیا ہے۔

مُدّورا" (نمرُود کی ماں)"

کسی دن اِس کا سوار بھی آجائے گا۔ بس انتظار کرو۔ چنانچہ آریائی نسل کی قومیں صدیوں سے اُس کی واپسی کا انتظار کر رہی ہیں اور ہر سال اِس فرار اور واپسی کی تمثیل بطور یادگار پیش کرتی ہیں۔ اور لطف یہ کہ عیسائی ہونے کے بعد بھی یہ اپنے قدیم مُربی کو نہ بھولے۔ بس اتنی تبدیلی قبول کرلی کہ اب نمرُود کے نام کی جگہ اسے شیر دلِ ولی یا خونخوار ولی کہہ لیتے ہیں۔

۱۵ر فروری دراصل اسی سیمی رامیس یا مدورا کے زچہ خانے سے باہر آنے

کا دن ہے۔ جب اُس نے اپنے بیٹے نمرُود سے اختلاط کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کو قوم کے سامنے پیش کیا تو خوشیاں منائی گئیں۔ اُس کا نام کیوپڈ رکھا گیا جس کے معنیٰ ہیں خواہش، طلب یا عشق کا دیوتا ظاہر ہے کہ ایسا ہی بیٹا یادگار کے قابل ہو سکتا تھا جو ماں بیٹے کے ملاپ سے پیدا ہوا ہو۔ اِس ماں اور اِس کے بیٹے کی شبیہ مڈورا یا میڈورینہ کے نام سے بنا کر محفوظ کی گئی ہے جو مصوری کا ایک شاہکار سمجھی جاتی ہے اور آریا نسل کی قوموں میں بے حد مقبول ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ اور مریم کا تصور اِسی سے لیا ہے۔

مڈورا یا میڈورینا ہمارے فارسی لفظ مادر یا انگریزی مُدر کی ابتدائی شکل ہیں جن سے بڑی ماں یا مادرِ ملت کے معنیٰ نکلتے ہیں۔

کرسمس کی حقیقت

عیسائیوں کے تیوہاروں میں تہذیب بابل کے اثرات ایک پادری صاحب لکھتے ہیں۔

”کرسمس رومیوں کے دورِ حکومت میں پہلی بار پوپ لبریئس نے منایا ہے مگر کرسمس عیسائی تیوہار نہیں ہے۔ نہ ہی مذہبی یا آسمانی احکام کے تحت منایا جاتا ہے۔ اور نہ اِس کا ذکر کہیں انجیلِ مقدس میں ملتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے اِس کا تعلق حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے نہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۷۴ھ میں رومیوں کے بادشاہ آریلیس نے یونانی دیوتا جوپیٹر کو اپنے مُلک سے نکال کر بعل دیوتا کو رومیوں کا سرکاری دیوتا قرار دیا۔ بابل کے باشندے بعل کو ناقابل تسخیر سورج دیوتا کا اُوتار سمجھتے تھے اِس کی پیدائش کا دن ۲۵ دسمبر کو مناتے تھے۔ یہ بادشاہ بابل کی زیارت کو گیا۔ تو وہاں سے بعل دیوتا کے مجسمے ساتھ لایا۔ جنہیں مُلک میں جابجا نصب کر دیا گیا۔ فائدہ یہ ملحوظ تھا کہ رومیوں کو جو یونانی دیوتا جوپیٹر کو مجبوراً پُوجنے لگے تھے اُن کا آبائی دیوتا دے دیا جائے اور ماہ ستمبر کی جگہ دسمبر کے مہینے میں جشنِ میلاد منانے میں یہ مفید تھا کہ دسمبر جنوری یورپ کے سخت ترین سردی کے مہینے تھے ان میں لوگ سکڑے سمٹے کونوں کھدروں میں چھُپے رہتے تھے۔ اِن کو جشن چراغاں اور

ناؤ نوش کے لالچ سے باہر نکالا جا سکتا تھا۔ تاکہ موسم کی بدمزگیاں اور بے کاری کے اضمحلال کو بھُول کر زندگی کی مسرتوں سے لُطف اُٹھائیں۔ شاید آپ پُوچھیں کہ رومیوں نے ستمبر کے خوشگوار موسم کو چھوڑ کر ۲۵ دسمبر کو سورج دیوتا کو کیوں پُوجنا شروع کیا جبکہ اِس زمانے میں سورج نکلتا ہی نہ تھا۔ نظامِ شمسی کی رو سے سورج اس تاریخ کو اپنے دورِ عرُوج میں داخل ہوتا ہے یعنی اسی تاریخ سے دن بڑے ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پس سورج کے پجاری اِس کی پیدائش کی خوشی منانے لگتے ہیں۔ اِن دنوں میں جشن منائے جاتے ہیں رنگ رلیاں ہوتی ہیں۔ شراب کباب کے دور چلتے ہیں۔ کود پھاند، ناچ گانے میں دن اور رات گزر جاتے ہیں۔ اِس سے وہ لوگ بھی خوش ہو گئے جنہیں اپنا آبائی دیوتا پُوجنے کو مِل گیا تھا۔ یورپ میں آکر یہ مجبوراً یونانی دیوتا جوپیٹر کو پُوجنے لگے تھے۔ مگر اِن کو یاد تھا کہ اُن کے اپنے مُلک بابل میں سورج آگ اور شیر پُوجے جاتے تھے۔

فریزر لکھتا ہے کہ بعل دیوتا مصر سیریا اور عراق میں پُوجا جاتا تھا۔ اُس کے پُجاری رات کے بارہ بجے مندروں سے چیختے چلاتے نکلتے تھے کہ کنُواری نے جنم دیا ہے اب روشنی پھیل جائے گی اور نئی صبح آئے گی وغیرہ مصری اپنے نومولود سورج دیوتا کو ایک نومولود بچے کی شکل میں لا کر مندر میں پیش کرتے تھے۔ اور وہ لڑکی جو کنُواری اور اچھوتی ہوتے ہوئے بھی بچے کو جنم دیتی تھی۔ آسمانی کنُواری کہلاتی تھی۔ یہ رسم حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے سے چلی آ رہی تھی۔ اور سب سے پہلی دیوی جس نے بلا باپ کے بچے کو جنم دیا تھا۔ وہی ایستھر، البسٹریا اشطور تھی جو بعل کی بیٹی کہلاتی تھی مصری اسے سیمی رامیس کہتے تھے۔ اور عوام اس کو مڈورا یا مڈورینہ کہتے تھے یعنی قوم کی ماں یا مادرِ ملت اِس عورت کے مجسمے یورپ اور ایشیا میں جا بجا نصب تھے۔ کنُواری ماں اور اِس کے بچے کا تصور اقوام عالم نے اِسی مجسمے سے لیا ہے۔

سو سال تک بعل دیوتا اُس کی بیٹی اور نواسے کو پُوجنے کے بعد یورپ میں بادشاہ کانسٹن ٹائین (قسطنطین) نے عیسائیت قبول کر لی۔ پادریوں نے اُسے مشورہ دیا کہ مُلک میں سارے مندر اُجاڑ دیے جائیں اور ۲۵ دسمبر کا تیوہار ختم کر دیا جائے۔ مگر

عوام نے اپنے تیوہار اور بُت خانے چھوڑنے سے انکار کر دیا بلکہ بغاوت پر آمادہ ہوگئے بادشاہ کی کوشش ناکام ہوئی تو اُسے مجبوراً کُفر سے سمجھوتا کرنا پڑا یعنی خداوند خُدا کے ساتھ چند سے بُتوں کو بھی پُوجتے رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ پھر پادریوں کو اپنے گرجوں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے کسی ایسے ہی حیلے کی ضرورت ہوئی تو طے پایا کہ مڈورا کی جگہ بی بی مریم اور حضرت عیسیٰؑ کے مجسمے رکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ اب لوگ جوق در جوق کلیساؤں میں آکر پادریوں کے وعظ سُننے لگے۔ گو ان نئے دیوتاؤں کی شکل وصُورت مختلف تھی مگر یہ اُن کو گوارہ ہوگئے البتہ اِن کی تاریخ پیدائش اور تیوہار کے دنوں میں کوئی تبدیلی منظور نہ کی گئی مجبوراً پادریوں نے اپنے نئے دیوتا یعنی حضرت عیسیٰؑ کا یوم پیدائش ۲۵ دسمبر ہی رکھا۔ تاکہ سردیوں کے موسم کی رنگ رلیاں اور خوش فعلیاں جاری رہیں۔ اور شراب و کباب کے دور چلتے رہیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ایسے سمجھوتوں کا ہوتا ہے یعنی لوگ حضرت عیسیٰؑ کے درسِ توحید کو بھول گئے۔ اور اُنہیں بُتوں کی طرح پُوجنے لگے ساتھ ہی اُن کی ماں بھی پُوجنے کی چیز بن گئیں۔

یہ واقعہ ۳۲۵ء کا ہے جس کی ذمہ داری پوپ لبیریس کے سر ہے حضرت عیسیٰؑ نے منع کیا تھا کہ مُشرکوں کے طور طریقے نہ سیکھنا ورنہ تم بھی مُشرک بن جاؤ گے۔ مگر پادریوں نے سمجھوتے کر لئے اور اپنے عوام کو گمراہی میں ڈال دیا۔

(ہیوبرٹ آرم اسٹرانگ)

اب ذرا ایک اور پادری سے عیسائیوں کے یومِ سبت کے بارے میں سُنیئے۔

یومِ سبت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے نمرود کا کُفر توڑنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کو پیغمبری دی اور نمرود کے مقابل کھڑا کر دیا۔ مگر ابراہیمؑ اُسے سمجھانے میں ناکام ہوگئے اور بابل چھوڑ کر مصر کی طرف بھاگ گئے۔ نمرود بدکاریاں کرتا رہا۔ وہ خاص خاص موقعوں پر شہر کی آبادی کو ترغیب گناہ دیتا اور اُنہیں آپس میں بیویاں بدلنے پر مجبور کرتا۔ ایک ایسے ہی جشن میں اُس کی

اپنی ماں ایستھر ہاتھ آئی تو اُس نے اُسے بھی نہ چھوڑا اور وہ حاملہ ہوگئی۔"

اللہ کے غضب کو جوش آیا۔ اُس نے ایک قوم کو بھیجا جس نے شہر بابل اور اَر کو تاراج کر دیا۔ نمرود مُلک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ حملہ آور بھی لوٹ کھسوٹ مچا کر واپس چلے گئے۔

نمرود کی ماں بڑی حرّافہ تھی۔ وہ ہنگاموں کے درمیان چُھپی بیٹھی رہی جوں ہی امن ہوا وہ مندر سے باہر آئی اور اعلان کیا کہ سورج دیوتا نے اُسے حاملہ کر دیا ہے تاکہ نمرود کا جانشین پیدا ہو ۔ یہ خبر مُلک بھر میں پھیل گئی۔ بعض کو شبہ ہوا۔ مگر عوام تو جھوٹ اور وہ بھی مذہبی جھوٹ ملنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ اُنہوں نے یقین کر لیا کہ نمرود کا جانشین اسی طرح آسکتا تھا۔

ایستھر پھر مندر میں چلی گئی اور وہیں رہی۔ ولادت کے بعد چالیس دن گزار کر جب وہ مندر سے نکلی اور شیر جیسا بچہ اُس نے قوم کے سامنے پیش کیا تو سب اُسے بچہ خُدا۔ خانہ زاد خُدا اور خواجۂ عالم تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اور بچے کی ماں کو بھی مادرِ خُدا تسلیم کر لیا۔ اسی ماں بیٹے کے مجسمے مڈورا کے نام سے یورپ اور ایشیا میں جا بجا دکھائی دیتے ہیں

یہ باتیں پانچ ہزار سال پرانی ہیں جب اِنسان نے آسمانی خُدا کو چھوڑ کر دُنیاوی خُداؤں کو پُوجنا شروع کر دیا تھا۔ مگر اِس مکروہ رواج کا اثر اِنسانی تہذیب پر کچھ ایسا گہرا پڑا کتنی صدیاں بیت گئیں۔ ہزاروں پیغمبر آئے اور چلے گئے۔ وہ توحید اور ایک خُدا کی پرستش سکھاتے رہے۔ شرک سے منع کرتے رہے مگر اِنسان وہ تعلیمات قبول نہ کر سکا۔ بلکہ پیغمبروں کے مرنے کے بعد اُنہی کو خُدا بنا کر پُوجنے لگا۔ پھر اُنہیں بھی بھول گیا۔ مگر جو چیز نہ بھولا وہ آگ سورج اور شیر کی پرستش ہے جسے کسی نہ کسی نام سے اور کسی نہ کسی صُورت میں آج تک جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہر مذہب اور ہر فرقے میں مبداء نور اور نورانی طاقتوں کا تصوّر موجود ہے۔ نور کا بیٹا، نور کی ماں جنت کی ملکہ، آسمان کی بیٹی ہر جگہ موجود ہیں

سب عقائد اسی بدذات

عورت سیمی رامیس یا اشطور کے پھیلائے ہوئے ہیں جس کا مجسمہ ماں اور بیٹے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

اسی مدورنیہ سے عیسائیوں نے مریم و عیسیٰؑ کا تصوّر لیا ہے۔ اور اس طرح ہندوؤں کے یہاں راجہ اندرا اور اُسکی کنواری ماں کا عقیدہ موجود ہے جو سورج سے پیدا ہوئی تھی ہندوؤں میں سورج بنسی نسل موجود ہے اور ان کا یہ نسلی تفاخر عوام میں مقبول بھی ہے۔ نمرود کے بارے میں مصری قدیم کتبوں میں لکھا ہے کہ سیمی رامیس نے اپنے بیٹے سے شادی کر لی تھی۔ اس لئے نمرود کا نام عوزی ریس OSSIRIS پڑ گیا جس کے معنیٰ ہیں اپنی ماں کا شوہر اور یہ ایک متبرک مرتبہ شمار ہوتا ہے۔ سیمی رامیس یا اشتر نے یہ عقیدہ بھی پھیلایا کہ ۲۵ر دسمبر کی شب کو ایک سوکھا درخت خود بخود شاداب ہو جائے گا۔ اور وہ رات نمرود کی واپسی کی ہوگی یعنی جس طرح خاموشی سے وہ فرار ہو گیا تھا۔ اسی طرح چھپ کر ایک شب واپس آجائے گا اور پھر دُنیا میں امن و امان قائم کر دے گا۔

عیسائیوں نے اسی سے سانتا کلاز کا تصوّر اخذ کیا ہے۔ جو ۲۵ر دسمبر کی شب کو نکل کر بچوں میں مٹھائیاں کھلونے اور دُوسرے تحائف تقسیم کرتا ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ ۲۵ر دسمبر حضرت عیسیٰؑ کا یوم پیدائش ہے اور یہ بھی حضرت عیسیٰؑ کی واپسی کے انتظار میں بیٹھے ہیں مُسلمان اپنے امام غائب کے نکلنے کی آس لگائے ہیں۔ ہندو کسی کلنکی اُوتار کے منتظر ہیں۔

اسی طرح ۱۵ر فروری کا ایسٹر دراصل اسی اشطور کے ایام نفاس سے فارغ ہونے کا دن ہے۔ جب وہ چالیس دن مندر میں چھپ کر رہنے کے بعد اپنا حرامی بچہ گود میں لے کر نکلی اور اُسے قوم کے سامنے خدا کا بیٹا بنا کر پیش کیا۔ اس دن، عیسائی عوام اپنے گھروں میں انڈے لٹکاتے ہیں۔ اور خوشیاں مناتے ہیں کیونکہ اشطور نے بتلایا تھا کہ وہ دُنیا میں ایک طلائی انڈے کی شکل میں آئی تھی۔ اور اس کا باپ سورج ہے۔ (پلین ٹرو تھ، فروری ۱۹۶۶ء)

اِسلام اور بابلی تہذیب

عیسائیت کے بعد اب دیکھئے اسلام پر عجمی اثرات کتنے گہرے پڑے ہیں۔ شاید آپ یقین نہ کر سکیں گے کہ عجمی باطنیوں نے اپنی روایتوں یعنی حدیث سازی، تفسیر و تاویل کے حربوں سے تمام آریائی عقاید کو عربی میں منتقل کر کے اسلام کو اسی طرح مسخ کیا ہے۔ جیسے یہودیوں نے عبرانی انجیل تلف کر کے صرف یونانی ترجمے باقی رکھے اور ترجموں میں حسبِ منشا گھٹا بڑھا دیا ہے۔ یہ کام اسلام کے اندر بھی ایک یہودی عبداللہ بن سبا اور اُس کے مجوسی چیلے میمون القداح کی ذریت نے انجام دیا ہے چنانچہ شیعہ مفکر آغا سلطان مرزا اپنی مشہور کتاب البلاغ المبین میں اس کا اعتراف کرتے ہیں اور بڑے محتاط انداز میں فرماتے ہیں کہ:۔

”دُنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں نمرود کے مذہب کے کچھ اثرات باقی نہ ہوں۔ اور مذہب اسلام اُس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ آگے لکھتے ہیں۔

(۱) اسیریا اور بابل ایک دُوسرے سے ملحق تھے۔ اُن کی تہذیب و تمدن رسم و رواج ایک سے تھے۔ زمانہ قدیم میں یہی دُو مہذب حکومتیں تھیں۔ بلکہ دُنیا کی تہذیب کا گہوارہ تھیں۔ اہلِ بابل و اسیریا نے ستاروں کے علم میں بہت ترقی کی تھی۔ وہ سورج چاند اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے اور صابئین کہلاتے تھے۔

(۲) اہلِ بابل کا اصلی وطن دجلہ و فرات کا درمیانی حصّہ تھا۔ اہلِ بابل نے رفتہ رفتہ سیریا (شام) کو بھی فتح کر لیا۔ دجلہ کے مشرق کا حصّہ سیریا کہلاتا تھا۔ اہلِ بابل کی زبان سمیاطی تھی۔ جس کی شاخیں عربی۔ عبرانی اور سامی زبانیں ہیں۔

(۳) اِن کا بادشاہ مطلق العنان ہوتا تھا۔ اور حکومت و مذہب دُونوں کا سردار تھا۔ وہ جو حکم دیتا وہ سیاسی و مذہبی قانون ہوتا وہ رعایا سے اپنی عبادت کرواتا تھا۔ بابل کا ایک بادشاہ نمرود تھا۔ جس نے اسیریا میں جا کر شہر نینوا آباد کیا تھا اُس کا زمانہ ۲۴۰۰ سنہ قبل مسیح سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے سونے کا ایک بُت بنا رکھا تھا اور لوگوں سے اِس کی پرستش کرواتا تھا۔ جو انکار کرتا اُس کو آگ

کی بھٹی (الاو) میں ڈال کر جلا دیا کرتا تھا۔ اُس کی لاتعداد بیویاں تھیں اِن کے علاوہ کنیزیں بھی رکھتا تھا۔ جن کی نگرانی خواجہ سراؤں کے سپرد تھی۔

(۴) اہلِ بابل اور اسیریا نجومیوں، کاہنوں کے بہت معتقد تھے۔ اُن کا سردار بادشاہ کے دربار کا رکن ہوتا تھا۔ بابل کے جنوبی حصّے میں مذہب کے پجاری رہتے تھے۔ وہ ستاروں کے اثر اور غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ علم نجوم کے یہی موجد تھے۔

(۵) اُنہوں نے خداؤں کی ایک محفل بنائی تھی جس میں خدانیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔ اِن خداؤں میں زنا اور عورت کو بھگا لے جانا عام تھا۔

(۶) اِن کا جو بڑا آدمی مرجاتا تو اس کو یہ لوگ خداؤں کے مجمع (زمرے) میں داخل کر دیتے اور اِس کی پرستش کرنی شروع کر دیتے۔

(۷) اہلِ بابل کا سب سے بڑا خدا العِل تھا۔ اُس کی بیوی بھی ایک خدا بنی تھی۔ اِس کی عبادت ہی یہ تھی کہ مرد عورت آپس میں زنا کریں۔ وہ لوگ زنا کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ اِس کے مندر کے ساتھ نوجوان عورتوں کا ایک قحبہ خانہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں عبادت ہی یہ تھی کہ زائرین آئیں اور زنا کریں (اب بھی زائرین وہاں سُنّت متعہ ادا کرتے ہیں)

(۸) اُن مذاہب کا اثر ہندوستان، ایران، مصر، یونان اور یورپ میں پھیلا۔ اِن کے خدا بھی آپس میں اِسی طرح زنا کرتے تھے۔ اور ایک دُوسرے کی لڑکیوں اور عورتوں کو بھگا لے جاتے تھے۔ (یہ اب بھی آریا نسل کی خصوصیات میں داخل ہے)۔

(۹) اِن کے وہاں ہر سال عبادت گاہوں میں ایک میلہ ہوا کرتا تھا جہاں رات کے بارہ بجے تمام چراغ گُل کر دیئے جاتے اور پھر مرد، عورت مِل کر ایک دُوسرے سے زنا کرتے تھے اور ماں بہن کی بھی تمیز نہ رکھتے تھے (جس کی یادگار آج بھی عیدِ غدیر کی صُورت میں دیکھی جاسکتی ہے)

(۱۰) ۶۴۰ سنہ (ق م) میں بابل کا بادشاہ نمرُود اسیریا گیا اور وہاں نینوا کا شہر آباد کیا۔ یونانی تاریخ میں اِس کا نام نائی نس ہے۔''

(البلاغ المبین حصّہ دوم ص ۵۶۲ تا ص ۵۶۴)

آغا صاحب کے اِن دس فقروں کو ایک بار پھر پڑھیئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ باطنی اِسلام کن اُصولوں پر قائم کیا گیا تھا۔ اور وہ اپنی کن خوبیوں کی وجہ سے رسُول عربیؐ کے سیدھے سادے اور کھرے اِسلام پر فوقیت حاصل کر گیا۔ خاص کر ایران اور ہندُستان میں اِس کی مقبولیت کے اسباب تو سمجھ میں آجانے چاہیئں جہاں عید غدیر اور عید نوروز اور عاشورے کی عزاداری دھوم دھڑام سے منائی جاتی ہے۔ پس اگر ہم حسبِ ذیل نتائج اخذ کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ اور یقیناً آپ بھی تائید کریں گے۔

نقاب حیدری

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دجلہ و فرات کی سرزمین سے آریا تہذیب اُبھری۔ اور جب کثرت آبادی یا بیرونی حملوں کی وجہ سے لوگ یہاں سے ہجرت کر کے دور دراز علاقوں میں جاکر بسنے لگے تو یہ اپنی تہذیب بھی ساتھ لیتے گئے۔ جس میں سورج، آگ اور شیر کی پرستش خاص اہمیت رکھتی تھی۔

آیئے دیکھیں اِسلام میں شیرِ خدا، اویس قرنی، خواجہ خضر نور، اہلِ بیت کیا مقام رکھتے ہیں اور ہمارے تیوہار اور اُن کی رسُوم، شبِ برات کے چراغاں اور حلوے۔ نوروز کی رنگ رلیاں، عید غدیر کی عیاشیاں اور میلاد و فاتحہ کی بدعتیں جزوِ اسلام کیوں اور کس طرح بنی ہیں اور عاشورۂ مُحرّم کے سوگ یا سوانگ سے رسُول عربیؐ کے اِسلام کو کیا تعلق ہے۔

آپ کسی حبیب بنک کی شاخ پر جائیں تو دروازے پر اس قسم کے شیرِ خُدا کو کھڑا دیکھیں گے۔ اِس کی جھالر دار ڈاڑھی سے شاید بعض لوگوں کو خیال آجاتا ہو کہ حضرت علی کی شکل ایسی ہی ہوگی۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اصل شیرِ خدا

کون ہے۔ اور مختلف معاشروں میں اِس کی شکلیں کیوں بدلتی رہتی ہیں۔ نمرود کو ہمارے شعراء ہمیشہ یاد کرتے رہے ہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ ؎

باغ تازہ کن آئین دین زرتشتی
کنوں کہ لالہ برافروخت آتش نمرود

یا غالب نے شکوہ کیا ؎

کیا یہ نمرود کی خدائی ہے ؃ بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا،

یعنی آلِ نمرود ہمیشہ انسانوں میں خدا تلاش کرتی رہی ہے۔ بندگی اور خدائی کا جھگڑا ہماری دُنیاوی زندگی میں ہر قدم پر جلوہ نما ہے۔ کوئی پُوجنے کی فکر میں ہے کوئی پجولنے کی۔ خانقاہوں اور مزاروں پر جائیے یا مندروں اور کلیساؤں کو دیکھئے سب کی رونق اُنہی جذبات کی مرہونِ منت ہے۔ جہاں پجولنے والے ہوں گے وہاں پُوجنے والے خود پہنچ جائیں گے۔ مگر اسلام اِن سب کو مُشرک و کافر کہتا ہے اور ایسے لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے جو دُنیادی سہارے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور وسیلے تلاش کرتے ہیں۔ یا دیوی دیوتا، بزرگ ولی، پیر شہید، دُلدُل اور تعزیہ کے آگے جھکتے، منتیں مرادیں طلب کرتے اور اللہ کے مرتبے کو نہیں سمجھتے۔

علامہ اقبال نے ایسے لوگوں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد ؃ گوہرے داشت ولے نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تراست ؃ من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

یعنی انسان محض اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے جیسے اِنسانوں کو پیر، ولی بزرگ یا بادشاہ بنا کر پُوجنے لگتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے اُسے بھی اِسی مادّے سے بنایا ہے جس سے نمرود و جمشید بنے تھے۔ پھر نمرود و جمشید کو پُوجنا کیا معنیٰ کہتے ہیں۔ کہ غُلامی کے معاملے میں مجھے اِنسان کُتّے سے بدتر نظر آتا ہے۔ میں نے کبھی نہ دیکھا۔ کہ کوئی کمزور کُتا کسی بڑے کُتّے کو سجدہ کرتا ہو۔ مگر ہمارے بھائی اِنسان جو اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں جہاں کسی کو اپنے سے بہتر اور طاقت ور

دیکھتے ہیں اُس کے قدموں میں گر پڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

شیر پرستی

شیر کو خُدا سمجھ کر پُوجنے کی رسم آریائی نسل کی تمام قوموں میں دُورِ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شیر کو اپنا خُدا نہ کہے بلکہ دھوکا دینے کے لئے اسے خُدا کا شیر تبلائے مگر شیر کی اہمیّت یہی ہے کہ آلِ نمرود، نمرود کو شیر کی شکل میں پُوجتے آئے ہیں اور مذہب و ماحول بدل جانے کے باوجود وہ اُسے بھُول نہیں سکے ہیں۔ قارئین کی دل چسپی کے لئے ہم مختلف اقوام کے شیر خُداؤں کی تصادیر پیش کر رہے ہیں۔

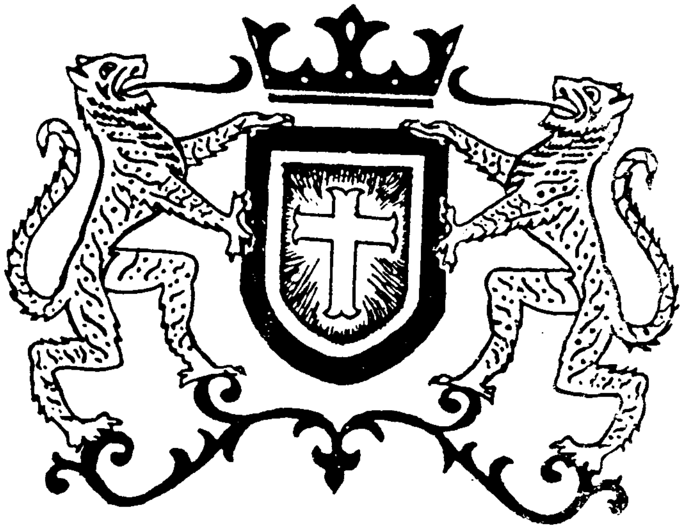

انگلش شیر خُدا

انگریز گزشتہ پندرہ سو سال سے عیسائی مذہب قبول کر کے ایک نئی قوم بن چکے ہیں۔ مگر اپنے شیر خُدا کو نہیں بھُولے اب یہ شیر خُدا اُن کی ڈھالوں اور تاجوں کی حفاظت کرتے دکھلائے جاتے ہیں۔ بعض شیروں کی شکل بھیڑیئے سے ملتی بنائی جاتی ہے۔ اور محض بھیڑیا بھی قابلِ احترام جانور کے طور پر نظر آجاتا ہے۔ برطانوی سِکوں اور مہروں میں شیر کے ساتھ ایک گھوڑا بھی دکھایا جاتا ہے۔ یہ وہی نمرود کا گھوڑا ہے جسے یونانی، یونی کارن اور

ہندو اِسے شیر داور مسلمان براق یا دُلدُل کہتے ہیں بعض اُوقات اِسے پردار ظاہر کر کے آسمانوں پر اُڑتا بھی دکھایا جاتا ہے۔

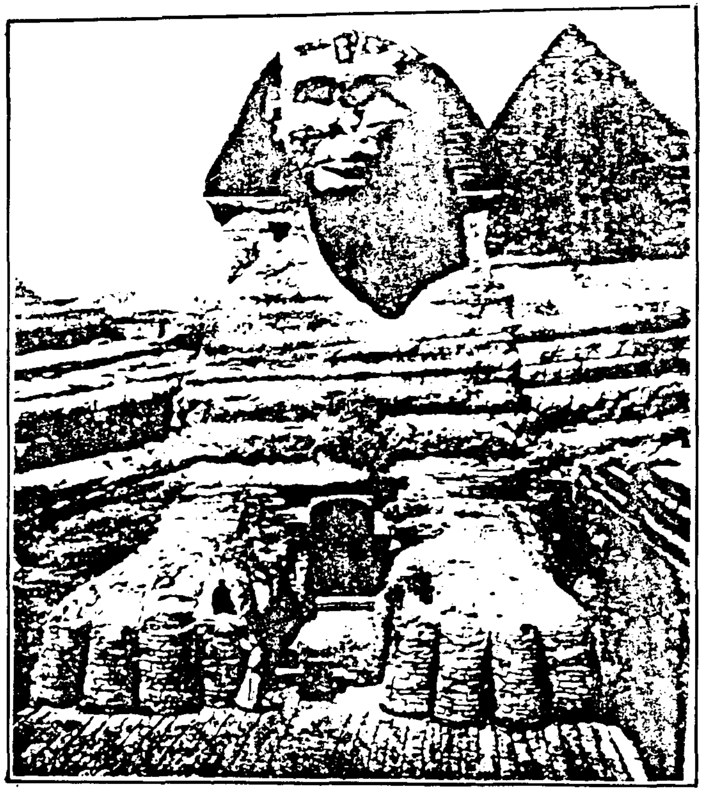

مِصری شیرِ خُدا

مِصری شیرِ خُدا بیٹھے ہوئے ریگستان میں فرعون کے مقبرے کی حفاظت کرتے ہیں۔ انگریزوں نے فرعون کی لاش مقبرے سے نکال لی اور شیرِ خُدا صاحب جیسے کہ ویسے بیٹھے رہے شاید اُن کو پتہ بھی نہ چلا ہو کہ نیچے کیا ہو رہا ہے یا پھر چیخ چلا کر چپ ہو رہے ہوں گے انگریزوں کو نہ ڈرا سکے یہ تو صِرف مِصریوں کو ڈراتے تھے اور اُن کے خُدا بنے ہوئے تھے۔

شیرنی خُدا

یونانیوں کے وہاں شیرِ خُدا کے ساتھ شیرنی خُدا بھی ہوا کرتی تھی جس کا چہرہ عورت کا تھا۔ بال لمبے لمبے تھے اور دُوسری خاص بات یہ تھی کہ یہ اُڑ بھی سکتی تھی انگریزی میں اسے اِسفنکس کہا جاتا ہے۔

ہندو شیرِ خُدا

یہ تصویر ہندو شیرِ خُدا وشنو جی کی ہے۔ کہتے ہیں اِن کے چار ہاتھ تھے۔ مگر جسم اِنسان کا تھا۔ البتہ مُنہ شیر کی طرح بھیانک تھا۔ —— ہم نے یہ چربہ لایف میگزین سے لیا ہے

یہ ہندوؤں کا سب سے زیادہ طاقتور خدا سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیتا تھا۔ چار ہاتھوں سے اُس کی بے پناہ قوت کا مظاہرہ مقصود ہے۔ یہ GOD LION یعنی شیرِ خدا کہلاتا ہے۔ اور دنیا میں کئی بار مختلف شکلوں میں آ چکا ہے۔ کبھی سانپ کبھی کچھوا اور کبھی سُوّر بن کر آیا پھر رام اور کرشن کی شکلوں میں آیا۔ اب کلنکی اُوتار بن کر کسی برہمن کے گھر پیدا ہونے والا ہے۔

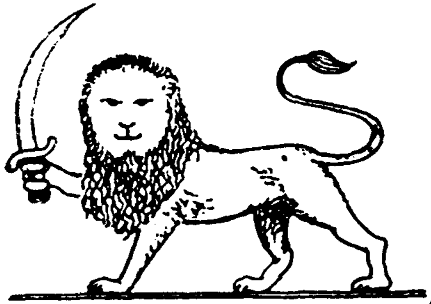

ایرانی شیرِ خُدا

آپ کسی ایرانی ہوٹل میں جائیے تو ہاتھ میں تلوار لئے تین ٹانگ پر کھڑا شیرِ خُدا نظر آئے گا۔ جس کی پیٹھ پر سورج دہک رہا ہوگا۔ اور ساتھ کہیں ایک طغرا لٹک رہا ہوگا۔ جس پر لکھا ہوگا۔ ؎

شیرِ یزداں شاہ مرداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار،

اور آپ سمجھ جائیے گا کہ یہ شبیہ یقیناً حضرت علی کی ہے۔ جن کی ذوالفقار مشہور ہے کہ ایسی تلوار نہ کبھی بنی نہ بن سکے گی۔ ذوالفقار ہڈی توڑنے کے چاپڑ کو کہتے ہیں۔ جسے حضرت علی بطور تلوار استعمال کرتے تھے۔ یہ چاپڑ پہلے ابوجہل کے استعمال میں تھا۔

پاکستانی شیرِ خُدا،

ہندوستانی اسماعیلی خوجے عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی وشنو دیوتا کے دسویں اُوتار ہیں اور یہ بات اُن کی مذہبی کتاب میں درج ہے

جس کا نام دسا اُوتار ہے۔ یہ کتاب قرآن کی جگہ پڑھی جاتی ہے ہندوؤں کے وید مقدس میں وشنو دیوتا کی تعریف کچھ اس طرح درج ہے

شلوک۔ اس دُنیا کو وشنو دیوتا تین قدم میں ناپ لیتا ہے۔ ساری دُنیا اِن کے قدموں میں ہے' یجر وید ۵/۱۵

چنانچہ لائن پریس نے اُن کی یہ تصویر پیش کی ہے۔

حضرت علی کے بارے میں مُسلمانوں کے پاس بھی ایک روایت ہے جو حسبِ حال ہے۔ مگر اس میں دُنیا کی جگہ قرآن کا ذکر ہے۔ ؎

قدم تا قدم ختم کرتے تھے قرآن
ہے مشہور دوراں کرامت علی کی !

نہ جانے یہ کون سا قرآن تھا۔ غالباً دسا اُوتار ہی ہوگا۔ ورنہ ہمارا قرآن تو رسولؐ بھی اس طرح ختم نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن حبیب بنک والے چونکہ بارہ امامی شیعہ ہیں وہ نہیں چاہتے تھے کہ پاکستانی عوام کو پہچاننے میں دقت ہو اس لئے اُنہوں نے اپنے شیرِ خُدا کی شکل **شاہ سعود** سے ملا دی ہے

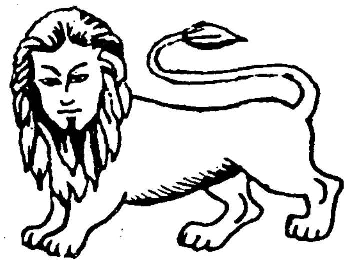

پہلے ایرانی شیرِ خدا کی نقل کی تھی جسے شاہ ایران نے پسند نہ کیا۔ وہ اُن کا قومی نشان تھا۔ اب شاہ سعود کی شکل کا شیر بنا کر مطمئن ہیں ظاہر ہے کہ شاہ زندہ نہیں ہیں جو اعتراض کریں۔

حکومت پاکستان کو یہ گندہ قومی نشان مٹا دینا چاہیئے جس کے ذریعہ ملک میں شیعیت پھیلائی جا رہی ہے۔

حضرت علی کو شیرِ خُدا بنانے کے لئے بہت سی حدیثیں بنائی گئی ہیں۔ ایک جگہ کہا گیا ہے کہ اِن کی ماں نے نانا کے نام پر اِن کا نام اسد رکھا تھا۔

ابوطالب نے اُسے بدل کر علی کر دیا۔ مگر ماں اسد ہی پکارتی رہی پھر عجمی مجوسیوں نے بھی اُن کو اسد بلکہ اسد اللہ پکارنا شروع کر دیا۔ دُوسری روایت ہے کہ جنگِ خیبر میں حضرت علیؓ ایک رزمیہ نظم پڑھ رہے تھے جس کا ذکر کچھ اس طرح ہے کہ۔

شیروں کو مورِ ضعیف اور ہاتھیوں کو پشّہ ناتواں سمجھنے والا یہی وہ ضیغم اسلام ہے جو رزم گاہ خیبر میں ڈکارتا ہوا اور گرجتا ہوا مرحب کے سامنے آیا۔

(پیام عمل لاہور، ماہ فروری ۱۹۶۳ء)

انا الذی سمتنی اُمّی حیدرا — یعنی میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے۔ میری
کلیث غابات کریہ المنظر — شکل جنگلی شیر کی طرح بھیانک ہے"۔

حالانکہ اُس نعرہ میں کریہ المنظر کا استعارہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ کسی دُشمنِ اسلام کی شرارت ہے حضرت علی خود اپنی صورت کے بارے میں نہ کہہ سکتے تھے کہ میری شکل کریہ المنظر ہے کریہ المنظر کے معنیٰ ہیں گھناؤنی یا جسے دیکھ کر کراہت معلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام باطنی شرارتیں ہیں اِن روایتوں سے حضرت علی کی توہین کی گئی ہے۔

بھائی مسلمانو عقل سے کام لو، تمہارے اجداد کا دورِ جہالت گزر گیا۔ اُنہیں دھوکا دیا گیا اور وہ دھوکا کھا گئے۔ حضرت علی کو شیرِ خدا سمجھنے لگے اور پوجنے لگے حالانکہ قرآن حکیم نے اِنسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے۔ اُسے جانور کہنا یا اس کے مشابہ بتانا اس کی توہین ہے۔ یہ آریا مجوسیوں کی شرارت تھی کہ اُنہوں نے اپنے شیرِ خدا کی نقاب ہمارے سیّدنا علیؓ کے چہرے پر ڈال کر مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ مگر تم تو رسول عربیؐ کی اُمّت ہو تم شیر کو کیوں پوجنے لگے۔ اور مجوسیوں کے فریب میں کیوں آئے۔ اب بھی موقعہ ہے توبہ کر لو اور ایمان درست کر لو۔

حضرت علیؓ کو اِنسان سے حیوان اور حیوان سے خُدا بنانے میں جو کچھ ہوا ہے۔ اِس کا احاطہ کرنا دُشوار ہے۔ صرف یہ چند خطابات دیکھئے اور سوچیئے کہ یہ اُن کو کس نے دیئے ہوں گے۔ آپکے رسول مقبولؐ نے عرب مسلمانوں نے یا عجمی مجوسیوں

نے جو اپنی غلام ذہنیت کی وجہ سے شیطان کو بھی عزت و احترام سے حضرتِ شیطان یا خُدا رشر کہتے ہیں۔

(۱) شیر یزداں، یعنی شیرِ خُدا LION GOD
(۲) شاہ مرداں، یعنی مَردوں کا بادشاہ اور مردانگی صرف عجمیوں کا حق ہے۔
(۳) قوتِ پروردگار، یعنی خُدا کی طاقت رکھنے والا۔
(۴) حیدرِ کرار، یعنی بار بار حملہ کرنے والا شیر۔
(۵) صفدر، یعنی صفوں کو درہم برہم کرنے والا۔ یہ مرکب لفظ ہے نیم عربی نیم فارسی صف و در سے بنا ہے۔ دریدن پھاڑنا اس کا مصدر ہے۔
(۶) باب العلم۔ کہتے ہیں یہ خطاب رسول اللہؐ نے دیا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔ اِسی لئے حضرت علی باب العلم مشہور ہوئے۔ مگر ہمیں مدینۃ العلم ہی سے اتفاق نہیں۔ کیا رسولؐ نے کوئی شہر نہیں دیکھا تھا۔ چھوٹے سے گاؤں میں بھی، آنے جانے کے دُو راستے ہوتے ہیں اور شہر میں اگر فصیل والا شہر ہو تو کم سے کم چار در رکھے جاتے ہیں۔ ایک در کا شہر کیا معنیٰ ہاں مدینہ کی جگہ مٹکا یا بدھنا کہتے تو ہم مان لیتے اور حضرت علی کو باب العلم کی جگہ بابِل علم تسلیم کر لیتے۔
(۷) ابوتراب۔ زمین کا باپ، یونانی اپنے خدا کو جوپٹیر کہتے تھے جس میں جو بمعنی زمین اور پٹیر باپ ہے۔ اب مسلمانوں کے جوپیٹر حضرت علی ہیں خیر یہ مبارک ہو مگر ہم علی کو جوپیٹر سے افضل سمجھتے ہیں۔
(۸) ضرغام۔ غضنفر۔ قبنر۔ ضیغم جعفر باقر متقدی وغیرہ عربی میں شیر کیلئے سو الفاظ ہیں۔ باطنیوں نے وہ سب نام حضرت علی اور اُن کی اولاد کو دیدیئے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ابھی پڑھا ہے اور مُسلمانوں نے اُنہیں قبول کر کے گمراہی مول لی ہے جس کی سزا مل رہی ہے کہ رُسوا اور ذلیل ہیں پھر بھی نعرہ حیدری نہیں چھوڑتے۔ اور اللہ اکبر کی اہمیت نہیں سمجھتے یا اللہ پکارتے شرماتے ہیں اور مُسلمانی کے دعویدار بھی ہیں۔

بھیڑیا خدا

گزشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا کہ اہلِ بابل و نینوا اپنے بادشاہ نمرود کو شیر یا بھیڑیئے کی شکل میں پوجتے تھے آریا نسل کے لوگ دوسرے ملکوں میں جاکر آباد ہوئے تو اپنے معبودوں کو ساتھ لے گئے۔ اور جب اُن کو اپنا مذہب بدلنا

پڑا تو انہوں نے اپنے پرانے معبودوں کو نئے ناموں سے شریک عقائد کر لیا۔ جیسے عیسائیوں نے لیپرکس اور سینٹ ویلنٹائن ایجاد کر لیے اور بھیڑیئے کی یادگار قائم رکھی۔ —— یہ تین سر والا بھیڑیا وہی نمرود ہے جسے زی اُس یا جوپیٹر نے یونان سے نکال پھینکا تھا۔ مگر عیسائیت نے جوپیٹر کو نکال کر بھیڑیئے کو پھر بلا لیا۔

اب اگر ہم بتلائیں کہ یہ بزرگ یعنی بھیڑیا خدا صاحب مسلمانوں میں بھی گھسے ہوئے ہیں تو آپ کو حیرانی ہوگی۔ اچھا یہ کہانی اپنے بزرگوں سے سنئے آپ کے بزرگ جھوٹ تو نہ بولتے ہوں گے۔

آپ کے محترم بزرگ زیڈ اے بخاری اٹھارہ سال ریڈیو پاکستان سے شامِ غریباں اور یا علی حیدر کے نعرے سارے عالمِ اسلام کو سنانے کے بعد وظیفے پر ہوئے تو اسی کار خیر سے لگ گئے ہیں۔ آپ روزنامہ "حریت" میں محفل چہار شنبہ منعقد فرماتے ہیں۔ اور ہر ہفتے کسی باطنی بزرگ ولی، پیر یا فقیر کی کرامات بیان کر کے اخبار سے اُجرت اور قوم سے ستایش وصول کر رہے ہیں۔ آپ نے ۱۶ اپریل ۱۹۶۶ء کے شمارے میں حضرت اویس قرنی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے ہم صرف چند فقرے جو حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب سے منقول ہیں۔ پیش کرتے ہیں۔

(۱) اویس قرنی تابعین رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

(۲) رسول اللہؐ کے زمانہ پاک میں آپ موجود تھے۔ مگر اُن کے دیدار کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ اِس کے دو اسباب تھے۔ ایک تو اویس قرنی پر جذب کا غلبہ رہتا تھا۔ دوم یہ کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کا حق ادا کرنے میں مصروف تھے۔

(۳) جب حضرت علی کے زمانہ میں فتنہ برپا ہوا۔ آپ جنگ صفین میں حضرت علی کی طرف سے لڑے اور راہِ حق میں شہید ہوئے۔

(۴) جب حیات تھے تو رسول اللہؐ نے بکمال شفقت فرمایا کہ قبیلہ قرن (عراق) میں ایک مرد ہے جس کا نام اویس ہے۔ اِس کا قد درمیانہ

ہے۔ اِس کے بال لمبے ہیں اِس کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پہلو پر درہم کے برابر داغ ہیں۔ وہ میری اُمت کی شفاعت کرے گا۔ جب تم اِس کو دیکھو تو میرا سلام کہو۔ اور کہنا کہ میری اُمت کے لئے دُعا کریں۔

(۶) لوگ اویس قرنی کے رتبے کو پہچانتے نہ تھے۔ اُنہوں نے کہا اویس تو ایک دیوانہ ہے۔ آبادی سے دُور پہاڑوں میں رہتا ہے۔ پتہ پُوچھ کر حضرت عُمر اور حضرت علی اویس قرنی کے پاس صحرا میں گئے۔ ان کے جسم کے داغوں کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اور پیغمبر اسلام کا سلام پہنچایا۔ اور اُمت محمدیہ کیلئے دُعا کی فرمائش کی۔

(۷) حضرت اویس قرنی نے دُعا کی اور کہا آپ واپس جائیں قیامت آنے والی ہے میں قیامت کا سامان بہم پہنچا رہا ہوں۔ ہماری ملاقات قیامت کے دن ہوگی۔

اِن سات فقروں میں چھپے ہوئے مفسدہ انگیز جھوٹ دیکھیے۔

(۱) تابعی وہ ہے جو وفات رسولؐ کے بعد پیدا ہوا۔ تابعی رضی اللہ عنہ نہیں کہلاتا۔ یہ خطاب صرف صحابۂ کرام کے لئے مخصوص ہے۔ جو حضورؐ کے لئے قربانیاں دینے والوں کو ملا تھا۔ ہر کس و ناکس رضی اللہ عنہ نہیں ہوتا۔ ورنہ ابوجہل اور ابوطالب بھی رضی اللہ عنہ کہلاتے۔

(۲) یقیناً یہ ان کی بدبختی تھی کہ حضورؐ کی خدمت چھوڑ کر ماں کی خدمت فرماتے رہے۔ مسلمان تو ماں باپ کو ان پر قربان کرتے رہے تھے پھر جذب کے عالم میں تو انسان دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ کیسا جذب تھا جس نے اُسے رسول سے دور اور ماں سے قریب کر دیا۔ کہیں یہ اشارہ عوزی رس کی جانب تو نہیں۔ جی ہاں اسی کی طرف اشارہ ہے اور یہ باطنی کمال ہے۔

(۳) مجذوب صاحب کو معلوم تھا کہ علی کے ساتھ عبداللہ بن سبا یہودی اور مالک اشتر مجوسی ہے۔ پس آپ بھی اُن کے ساتھ ہو کر عربوں سے لڑے اور جذب بھول گئے۔

(۴) سراپا ملاحظہ ہو اویس قرنی کے پنجوں اور پہلو پر داغ تھے جیسے

گلدار کے ہوتے ہیں۔ رسول عربیؐ اُس کو سلام کرتے تھے، اور اپنی اُمت کی شفاعت بھی اُسی کے حوالے کر گئے۔

○ اویس کو لوگ پاگل سمجھتے تھے۔ مگر رسول نے بلا دیکھے ہی اُن کی عظمت پہچان لی اور اُن کو سلام کرنے لگے۔ حالانکہ کبھی قیصر و کسریٰ کو سلام نہ کیا تھا۔

○ حضرت عمرؓ، علیؓ کے ساتھ عراق گئے۔ اور دیوانے کو جنگلوں میں تلاش کر کے رسول کا سلام پہنچایا۔ یہ جھوٹ رافضی ہی لکھ سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کبھی عراق نہیں گئے تھے۔

○ اویس قیامت کی تیاری کر رہا تھا۔ یعنی یہ وہی قائم القیامۃ ہے جسے شیعہ امام غائب کہتے ہیں۔ اُس نے عمرؓ کو دھمکی دی کہ تم نے علی کا حق دبا رکھا ہے میں قیامت میں تم سے سمجھ لوں گا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اُس کی دھمکی کی پرواہ نہ کی۔ اور اویس قرنی کی تیاریاں رائیگاں گئیں۔ یعنی قیامت نہ آئی۔

افسوس ایسے برگزیدہ، بزرگ و مجذوب کی فاتحہ سال میں صرف ایک بار شب برأت ہی ہوتی ہے حالانکہ ہر ماہ بلکہ ہر ہفتے ہونی چاہیئے تاکہ حلوہ کھانے کو ملے اور رسول بھی خوش ہوں جو اُس کو سلام کرتے تھے اور اُمت کی شفاعت اسی کے حوالے کر گئے ہیں جی ہاں وہی حیدر کا ساتھی اویس قرنی۔

اب بھی آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو سر پیٹنے کا مقام ہے۔ اویس کے معنی، بھیڑیا اور قرنی کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ یعنی اویس قرنی وہی پہاڑی بھیڑیا ہے جسے آریا نسل کے لوگ خدا سمجھ کر پُوجتے رہے ہیں۔ یونان میں اُسے زی اس یا جوپیٹر نامی خُدا نے پہاڑ سے نیچے پھینکدیا تھا۔ داتا جی نے اُسے پھر زندہ کر کے دُنیائے اسلام میں پہنچا دیا ہے۔

گزشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا ہے کہ مُردوا پنے مُلک سے بھاگا اور لاپتہ ہو گیا۔ اُس کی قوم نے جو تناسخ کی قائل تھی، باور کر لیا کہ وہ شیر یا بھیڑیئے کی شکل میں واپس آکر جنگلوں اور پہاڑوں پر پھرتا رہتا ہے۔ ایک دن پھر انسانی

شکل میں آکر دُنیا پر حکومت کرے گا، اور امن و امان قائم کر دے گا۔ مسلمانوں میں یہی نمُود امام غائب، خواجہ خضر اور اویس قرنی کے ناموں سے گھُسا ہوا ہے۔ اور اِن سب ناموں سے اِس کی فاتحہ ہوتی رہتی ہے۔ واضح رہے کہ داتا گنج بخش مُسلمانوں کے بڑے ولی اللہ شمار ہوتے ہیں مگر شیعہ ان کو نہیں مانتے، بخاری صاحب شیعہ ہوتے ہوئے اُن سے خلوص رکھتے ہیں حالانکہ فاتحہ پڑھنے نہ جائیں گے۔ مگر اُن کی کتاب سے گمراہی پھیلانے کا حق رکھتے ہیں۔

یہ کتاب علُوم شرقیہ کے نصاب میں شامل ہے اور کئی سو سال سے پڑھائی جا رہی ہے۔ اِس کو پڑھنے والا قرآنی اِسلام کو کیسے برداشت کر سکتا ہے اِسی وجہ سے آپکا مولوی بزرگوں کو پُوجتا اور پُجواتا رہتا ہے۔

بارہ ستارے بارہ امام

اہلِ بابل نے اپنے بارہ مہینوں کے نام بارہ دیوی دیوتاؤں کے نام پر رکھتے تھے، جن کی اِنسانی اور حیوانی شکلیں آپ کی جنتری پر چھپتی ہیں اور وہ سب سورج کے گرد گھومتی دکھائی جاتی ہیں۔ یقیناً نظام شمسی کے بارے میں اہلِ بابل کی معلُومات آج سے پانچ ہزار سال قبل بغیر رصد گاہوں اور دور بینوں کے نہایت مکمل اور جامع تھیں اور ساری دُنیا کے لئے کار آمد ثابت ہوئیں، چنانچہ مُسلمانوں نے بھی اُن سے فائدہ اُٹھایا اور علُوم باطنی کی ضروریات کے تحت اِسی نظام کو اِسلامی بنا لیا۔ اُنہوں نے بارہ دیوی دیوتاؤں کی جگہ اپنے بارہ امام فٹ کر دیئے۔ اِن میں اسد یعنی شیر ببر تو یقیناً ہمارے حیدر کرار صاحب کی نمائندگی کرتا ہے۔ البتہ سنبلہ اور زہرہ میں کیا لگاؤ ہے ہم حتمی طور پر نہیں بتا سکتے۔ گو دُونوں تقریباً ہم معنیٰ الفاظ ہیں۔ اِسی طرح باقی اماموں کے بارے میں یہ طے کرنا کہ کون سا اِنسان یا حیوان کس کی نمائندگی کرتا ہے۔ قدرے دُشوار ہے۔ مگر بقول اقبال ؎

تاثیر غلامی سے خُودی جس کی ہوئی نرم
اچھی نہیں اُس قوم کے حق میں عجمی لے۔

اِسلام نے اُنہی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے مُسلمانوں کو قمری سال دیا تھا۔ جس میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں، تاکہ موسموں دنوں تاریخوں کی پُوجا ختم ہو جائے نہ سورج کو وہ اہمیت دی جائے جو اُسے مسجود و معبود خلائق بنائے ہوئے ہے نہ ستاروں پر اِنسانی تقدیروں کا انحصار رہے۔ اللہ تعالیٰ کا حُکم تھا کہ سورج اور چاند کو نہ پُوجو وہ تُمہارے خادم ہیں تم صِرف میری عبادت کرو، قسمتوں کو بنانے اور بگاڑنے والا میں ہوں نہ کہ ستارے۔ مگر عجمی مجُوسوں نے اپنے علُوم اِن بارہ اماموں کی معرفت اِسلام میں شامل کر کے مُسلمانوں کو آلِ رُسولؐ اور اہلبیت رسُول کو پُوجنے پر لگا دیا، حالانکہ رُسول مقبولؐ کو اولادِ نرینہ نہ دینے کا اعلان خُود قرآن نے کر دیا تھا، "وما کان محمد ابا احد من رجالکم" تاکہ اُن

کی نسل یا اولاد کی پرستش نہ ہو۔

مگر دیکھئے اب اولادِ علی اولادِ رسولؐ بنی بیٹھی ہے کبھی یہ امام کہلاتے ہیں کبھی اَولیاءَ اِن کے ناموں کے آگے علیہ السّلام کا اضافہ اس بات کی توثیق کرتا ہے۔ کہ وہ رسُولوں کے مرتبہ پر فائز تھے بلکہ حدیث شریف بنائی گئی ہے۔ الولایت افضل من النبوۃ یعنی ولی رسُول سے افضل ہے۔ پس حضرت علی پہلے ولی ہیں اور اُن کے بعد آنے والے اَولیا بھی رسُولوں سے بہتر ہوئے (نعوذ باللّٰہ)

کاش ہمارے اِسلاف اتنا سوچتے کہ جب قرآن کے حُکم کے مُطابق علیہ السّلام کا خطاب صِرف رسُولوں کے لئے مخصوص ہے، موسیٰ علیہ السّلام، عیسیٰ علیہ السّلام کیونکہ اللہ نے اُن پر سلام بھیجا ہے۔ سلام علی المرسلین سلام علی ابراہیم وغیرہ تو یہ مزید بارہ علیہ السّلام آخری نبی کے بعد کہاں سے پیدا ہو گئے اور کیوں پیدا ہوئے جن کے نام بھیڑیا (جعفر) اور درندہ (باقر) رکھے گئے تھے۔

جب کہ صحابہ کرام خلفائے عظام اور اُمہات المُومنّین کے لئے رضی اللہ عنہ کا خطاب مقرّر ہو چکا تھا۔ قرآن نے تبلایا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ پس کسی نے اِن کو بھی جو شیعہ اماموں سے بدرجہا بلند و بالا ہستیاں تھیں علیہ السّلام کہنے کی جسارت نہ کی۔

اِسی طرح تابعین و مابعد کے بزرگوں کے لئے رحمتہ اللہ علیہ کہنے کی اجازت تھی مگر کشف المحجوب دیکھیے یا اَولیاء کے حالات پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ بعض باطنی اَولیا بھی علیہ السّلام تھے اور بعض رضی اللہ، مگر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔

مکتب و ملا سخنہا ساختند،
مومناں ایں نکتہ را نشناختند

(اقبال)

چوتھا باب

ہے مُریدوں کو تو حق بات گوارہ لیکن
شیخ و مُلا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات

عُلوم بابل و نینوا

تیوہار اور چھٹیاں معلوم کرنے کے لئے ایک بار زنجانی جنتری خریدی جِس پر شیر گھوڑے اور بکری کے علاوہ کچھ مَردوں اور عورتوں کی تصویریں بھی تھیں جو سورج کے گرد گھومتی اور چکر کاٹتی دکھائی گئی تھیں۔ کتاب کے اندر شجرہ طیبہ دوازدہ امام۔ لوح مصطفائیؐ کا اشتہار اور کلام الامامؑ کے نمونے دیکھے تو معلوم ہوا کہ زنجانی صاحب باطنی بزرگ ہیں۔ نہ جانے میرے جیسے کتنے مُسلمان اُن کی جنتری اور آئینہ قسمت پڑھ کر گمراہ ہوتے ہوں گے۔ آخری صفحہ پر آپ کی ایک کتاب مصباح الجفر پر شیعہ علّامہ حافظ کفایت حسین کا تبصر شائع ہوا تھا جِس میں لکھا تھا۔

'عُلوم جفران عُلوم خفیہ میں سے ہے جو ہر شخص کو باوجود سعی بلیغ حاصِل نہیں ہو سکتا۔ عِلم جفر وہ پاک و پاکیزہ عِلم ہے جسے حاصِل کرنا بغیر افضال پروردگارِ عالم کے ناممکن ہے۔ ابن خلدون نے اِس عِلم کا موجد جناب امام عالی مقام جعفر صادق علیہ السّلام کو بتلایا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ اِن کا تسامح ہے اِس عِلم کے موجد سیّدنا امیر المومنّین حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔ اِس کے بعض

قواعد امام جعفر صادق نے اپنے مخصوص شاگردوں کو تعلیم کئے۔ اِس علم کے واسطے علمِ نجوم کا جاننا بھی ضروری ہے۔''

چنانچہ مجھے بھی یہ مخفی علوم جو شیعوں کے پہلے یا چھٹے امام نے ایجاد کئے تھے، سیکھنے اور جاننے کا شوق ہوا۔ اور میں مذکورہ کتابیں یعنی مصباح الجفر اور مصباح الاعداد خرید لایا۔

عِلم الاعداد و جفر مؤلف کتاب زنجانی صاحب نے دیباچے میں لکھا تھا۔ پرانے زمانے کے آریئن، عبرانی، یونانی۔ مصری قوموں میں اِس علم کا بہت رواج تھا۔ جس طرح علمِ نجوم کا تعلق ستاروں سے ہے۔ علم الاعداد کا انحصار بھی سماوی اثرات پر ہے۔ عبرانیوں اور یونانیوں نے اِس علم کو خاص ترقی دی تھی۔ اِس کے بعد عربوں کی معارف نوازی نے اِس میں چار چاند لگا دیئے۔ صرف یہی نہیں کہ عربوں نے علم الاعداد کو فروغ دیکر جفر ایسے وسیع علم کی مستقل بنیاد ڈالی بلکہ اُنہوں نے اعداد سے مختلف علمی کام لیے (منجم اعظم)

شاید آپ اُن دُو شیعہ بزرگوں کے متضاد بیانات پر حیران ہوں کہ مؤلف کتاب تو کہتا ہے کہ یہ علم اہلِ بابل نے ایجاد کیا اور مصریوں یونانیوں اور آریوں سے ہوتا ہوا یہ عربوں کو یعنی عجمی و باطنی بزرگوں کو جو خود کو مسلمان، مومن اور عرب بلکہ سیّد تبلاتے رہے ہیں۔

لیکن شیعہ مجتہد کفایت حسین صاحب کا انکشاف ہے کہ یہ آلِ ابو طالب کا علم ہے اور حضرت علی اِس کے موجد ہیں۔ بہرحال اِس کا فیصلہ تو یہ علم ہی کر سکتا ہے یا باطنی بھائی تبلا سکتے ہیں کہ آلِ نمرود اور آلِ ابی طالب میں کیا مناسبت ہے۔ بہرحال یہ علم دیکھیے۔

عِلم الاعداد یعنی ہندسوں اور عددوں کا علم۔ مؤلف کتاب لکھتے ہیں۔ بادشاہ نمرود کا درباری منجم تارخ بن ماحور بابل کے کوہ پیکر بُت بعل کا پرستار تھا۔ اِس کا نام تاریخ میں آذر بھی تبلایا گیا ہے یہ بابل

کے مرکزی بُت خانے میں مردک کا پیر مغان تھا (مہا پجاری) آذر، بُت تراشی کے فن میں بھی طاق تھا۔ اور عُلوم ہندسہ وہیئت و نجوم کا بھی بے بدل عالم تھا۔ وہ مُملکت کلدانیہ میں نمرود کے بعد سب سے بڑی سیاسی دینی اور مجلسی حیثیت کا مالک تھا (نہ جانے کیوں مؤلف صاحب نے یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد بزرگوار بھی تھے)

اعداد کے خواص بہرحال ہمیں تو یہ علم سیکھنا ہے رشتوں سے کیا بحث مؤلف صاحب تبلاتے ہیں کہ آذر نے نو ہندسوں کو اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام سے منسوب کیا تھا اور اِن کے خواص یعنی اثرات بھی تبلا دیئے تھے۔ چنانچہ وہ نو اعداد حسب ذیل ہیں،

(۱) بعل۔ نور کا دیوتا۔
(۲) خرداب۔ بعل کی بیوی تخلیق کی دیوی۔
(۳) یعوق۔ جنگ کا دیوتا بعل کا بیٹا۔
(۴) اشطار۔ علم و فضل کی دیوی بعل کی بیٹی اور نمرود کی ماں۔
(۵) برجیس۔ یہ دولت سحر اور روحانیت کا دیوتا ہے بعل کا بیٹا ہے۔
(۶) عیشان۔ یہ حسن کی دیوی ہے بعل کی چھوٹی بیٹی ہے۔
(۷) شومان۔ یہ نحوست کی دیوی ہے۔
(۸) ہمیاق۔ یہ نحوست کا دیوتا ہے۔
(۹) نسر۔ یہ سمندر کی دیوی ہے۔

پھر اِن ناموں اور ہندسوں کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثال کے طور پر یہاں صرف دُو ہندسوں کی تعریف نقل کی جاتی ہے۔

عدد۔ ۲: اِس عدد کو بابل کی عظیم الشان دیوی خرداب سے منسوب کیا گیا ہے۔ خرداب کو بعل کی ملکہ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ مشہور تھا کہ خرداب نے کُل مخلوق کو جنم دیا ہے۔ لہٰذا عدد ۲ کی صفات تخلیق، ترتیب اور ترقی مقرر کی گئی۔

عدد۔ ۴: یہ عدد اشطار یا اشتر سے تعلق رکھتا ہے جو بعل کی بیٹی مفنی اور نمرود کی ماں۔ جو علم و فضل میں بلند مرتبہ رکھتی تھی پس اس عدد سے علم۔ مرتبہ بزرگی وغیرہ کی صفات منسوب ہیں، پاکستان میں اشتری حضرات اسی دیوی سے نسبت جوڑتے ہیں کتاب مذکور میں اسی طرح باقی نو اعداد کی تفصیل درج ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ بابل کی دیوی دیوتاؤں کے نام کا علم حضرت علی اور امام جعفر نے کیسے ایجاد کیا۔ کیا اُن کو اسلامی نام نہ مل سکتے تھے اپنی ہی نسل کے بارہ اماموں کے نام سے بھی یہ علم جاری ہو سکتا تھا تاہم مجتہد صاحب کہتے ہیں تو ہم یقین کئے لیتے ہیں کہ یہ بھی خدائی اہلِ بیت ہیں۔ اور خدائی اہلبیت کے نام ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے میڈورا اور کیوپڈ سے عیسیٰ و مریم ہو گئے۔ رام لچھمن سیتا سے حسن حسین فاطمہ بن گئے۔ تاہم یہ باطنی علوم ہیں انہیں چھپانے کا حکم ہے۔ یعنی دوسروں کو نہ بتلائیے گا۔ ورنہ اثر جاتا رہے گا۔

حروفِ تہجی کے رموز

علم اعداد کے بعد علم جفر پر روشنی ڈالتے ہوئے منجم صاحب فرماتے ہیں کہ علم جفر کی دو شاخیں ہیں ایک علم الاخبار ہے اور دوسرا علمُ الآثار۔

علم الاخبار: اس کا تعلق متصلات خفیہ و خبریہ (یعنی غیب کی باتوں سے ہے) اس کا عامل غیب کی باتیں معلوم کرتا ہے اور بتاتا ہے۔

علم الاثار: اس کے ذریعہ قانون حرکت فی الفضا کے تحت۔ دعاؤں اوراد اور وظائف، نقوش اور تعویزات کی مدد سے مطلوبہ نتائج مادی و روحانی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔ (مصباح الجفر)

اس ثقیل عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جن بھوت پری وغیرہ کو قابو میں لا کر تقدیرِ الٰہی یعنی اللہ کے حکم میں مداخلت کرنا اور اُس کی مرضی کو بدلنا ہو تو اس علم سے کام لیا جا سکتا ہے (نعوذ باللہ اور یہ علم حضرت علی کی ایجاد بتلایا جاتا ہے) علم جفر حروفِ تہجی اب ج، د کے ہیر پھیر اور اس کے اعداد نکالنے اور

اس سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کا علم ہے۔ اس میں اعداد کی جگہ حروف ابجد کے رموز و اسرار سکھلائے جاتے ہیں اور یہ بھی حضرت علی کے ایجاد کردہ ہیں چنانچہ نمونہ دیکھئے منجم صاحب فرماتے ہیں۔

حرف "ک" کے اسرار و رموز

واسطے زبان بندی دشمناں و حاسداں کے جب برج جوزا ۲۰ درجے تک طلوع کرے تو کاغذ کو دو رنگ پر چالیس بار حرف "ک" لکھ کر اور اس کو موم میں لپیٹ کر کسی بڑے پتھر کے نیچے دبا دے وہ مکان تاریک ہو جائے گا۔

دوسرا نسخہ:۔ اگر کوئی کہیں سے جان چھڑا کر بھاگنے کا ارادہ کرے تو بروز چہار شنبہ اوّل ساعت عطارد میں سو بار ک لکھے اور اپنے دائیں بازو پر باندھ لے اور سات سو دفعہ حرف کاف (ک) باموکل پڑھے۔ اس طرح۔ یا کاف بحق حردزائیل۔ اس کے بعد دروازے سے باہر آنے کا قصد کرے انشاء اللہ العزیز اُسے کوئی پہچان نہ سکے گا۔ جدھر چاہے چلا جائے۔"

مسلمان بھائیو دیکھو کتنا کارآمد نسخہ تمہیں مفت دے رہا ہوں۔ تمہیں کسی سے چھپ کر ملنا ہو اور اندھیرے کی ضرورت ہو کہ کوئی دیکھ نہ سکے تو پہلا نسخہ استعمال کرو اور کسی کے گھر میں جا کر دن دہاڑے ملنا ہو تو دوسرا نسخہ حاضر ہے تمہیں کوئی نہ دیکھے گا۔ دندناتے جاؤ اور معشوق سے سب کے سامنے مل کر واپس آ جاؤ مگر یہ نہ بھولنا کہ اس علم کے موجد جناب امیر کے ساتھ کیا پیش آیا جیسے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جو بانٹتے پھرتے ہیں حیاتِ ابدی شاد
وہ لوگ بھی مر جاتے ہیں معلوم نہیں کیوں؟

شیعہ مجتہد صاحب اور علامہ خلدون اگر سچے ہیں تو یہ علم حضرت علی نے اپنے بیٹے حضرت حسین کو کیوں نہ بتلایا کہ وہ راتوں رات کربلا سے نکل بھاگتے اور حر لعین جو ان کی راہ روک رہا تھا۔ دیکھ نہ پاتا۔

معلوم ہوا کہ یہ علم آلِ نمرود کا ہے۔ اور حضرت علی کو محض میراثِ بابل

میں مِلا ہے۔ یعنی جب مجوسیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں خلافت قبول کرلی تو وہاں کی ساری میراث اُن کے قدموں میں ڈال دی۔ عُلوم و فنُون بھی دیئے۔ خزانے اور اقتدار بھی سونپ دیا۔ اور سب کچھ بِلا مانگے دیا۔ بلکہ زبردستی دیا۔ اور اُن کو خُدا کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔

عِلمِ ہندسہ کے رموز

منجمِ اعظم صاحب کا یہ دعویٰ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ عَربوں کی معارف نوازی نے علمُ الاعداد میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ حالانکہ اہلِ بغداد کو عَرب کہنا زیادتی ہے۔ کیونکہ یقیناً بنو عبّاس عَرب سے آکر عَجم میں آباد ہوئے اور عجمی بن گئے تھے جیسے ہم ہندُوستان سے آکر کراچی میں مہاجر یا نئے سندھی کہلاتے ہیں ہندوُستانی نہیں رہے۔

پس عجمیوں نے عِلم ہندسہ کو بڑی ترقی دی جس سے عُلوم باطنی کے پھیلنے میں مدد مِلی۔ عُلوم باطنی یعنی علِم نجوم، رمل، جفر وغیرہ جب تک قدیم زبانوں میں رہے اُن کا سمجھنا آسان نہ تھا صِرف کاہن منجم وغیرہ اِن کو سیکھتے پوشیدہ رکھتے اور فائدہ حاصِل کرتے تھے۔ عَربوں نے قدیم اعداد ترک کر کے جدید اعداد اختیار کیے تو یہ کام آسان اور عام فہم ہو گیا پہلے عرب اپنے اعداد اِس طرح لکھتے تھے

مہ عہ ے للعہ مہ لے معہ مے لعہ ع

اور ظاہر ہے کہ عَربی رسم الخط کے لئے ایسے ہی اعداد موزوں تھے جو دائیں سے بائیں لکھے جاتے اور وہ عَربوں کی محدود معیشت کے لئے کافی تھے۔ مگر حدودِ اِسلام کی وسعت کے ساتھ خلافت عبّاسیہ کے دور میں جب معیشت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ اور دُولت کا شمار دس بیسی سو بیسی سے بڑھ کر لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں میں لکھنے کی ضرورت ہوئی تو زیادہ آسان اور جامع اعداد کی تلاش ہوئی۔ روم، مصر، چین اور ہندُوستان کے عُلوم عَربی میں منتقل ہو رہے تھے سب کے اعداد سامنے رکھے گئے تو سب سے بہتر اعداد ہندُوستان کے نکلے اور وہی اختیار کر لئے گئے۔ البتہ عَربی رسمُ الخط کا لحاظ کرتے ہوئے تھوڑی سی

ردّ و بدل کر لی گئی۔ جیسے १ کو "۱" بنا لیا گیا २ ३ کو ۲ ۳ کر لیا ४ کو ۴ بنا لیا البتہ ५ کو ۵ بنانے میں خاصی ندرت دکھائی گئی ہے ६ سے ۶ بنا یا۔ ७ کو ۷ کر لیا ८ کو ۸ لکھنا کوئی خاص ترمیم نہیں۔ اب ذرا اِن مروجہ زبانوں کے اعداد دیکھ لیجئے جو اُن کے سامنے تھے جن میں سے ہندی اعداد پسند کئے گئے اور اِن کا نام ہندسہ رکھ کر اِن کا ہندی ماخذ بھی بتلا دیا گیا ہے۔

خطِ میخی،	𒌋	𒐎	𒐍	𒐌	𒐋	𒐊	𒐉	𒐈	𒈫	𒁹
〃 مصری،	𝋪	𝋩	𝋨	𝋧	𝋦	𝋥	𝋤	𝋣	𝋢	𝋡
〃 چینی	十	九	八	七	六	五	四	三	二	一
〃 رومن	X	IX	VIII	VII	VI	V	IIII	III	II	I
〃 ہندی	१०	९	८	७	६	५	४	३	२	१
〃 ہندسہ	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
عربک فگر	10	9	8	7	6	5	4	3	2	1

پھر بھی افسوس ہے کہ عجمیوں نے صفر کی اہمیت کو محسوس نہ کیا۔ اُسے ایک نقطہ سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نقطوں کو گننا دُشوار ہو گیا اور مُسلمان اِن کو گننے سے گھبرانے لگے جہاں کوئی بڑی رقم آئی اُسے اتنے کہہ کر گزر گئے۔ اُسی کا نتیجہ ہے کہ مُسلمان حساب میں کچے سمجھے جاتے ہیں۔

یورپ نے عَربوں سے عِلم ہندسہ سیکھا تو عَربی ہندسہ کو اپنی ضرورت کے

مُطابق ڈھال لیا۔ البتہ کمال دیانت داری سے اُنہیں (ARABIC FIGURES) یعنی عربی اشکال کا نام دیا۔ مگر ہم مسلمان یہ اعتراف کرتے شرماتے ہیں کہ ہمارے پاس بہت کچھ ہندوؤں سے بھی آیا ہے۔ اِس کی وجہ یہی جھوٹا پروپیگنڈہ ہے کہ علم الاعداد کے موجد حضرت علی تھے۔

عِلم ہندسہ سے عجمیوں نے بڑے بڑے کام لئے ہیں اُن کے بزرگ رومن یا مصری اعداد میں گنڈے تعویذ لکھا کرتے تھے جو عام فہم نہ تھے اِس لئے کاہنوں اور منجموں کی چاندی رہتی تھی وہی وہ دشوار علم سیکھتے تھے اور اس سے لوگوں کی قسمت کا حال بتا کر کماتے کھاتے تھے مثلاً ان کا یہ تعویز ہے

رومن تعویز

XL VIII	XL I	XL VI
XL III	XL V	XL VII
XL IV	XL IX	XL II

CXXXV

نقشِ فاطمہ،

۴۸	۴۱	۴۶
۴۳	۴۵	۴۷
۴۴	۴۹	۴۲

۱۳۵

یہ تعویذ جب عربی ہندسوں میں منتقل ہوا تو پتہ چلا کہ اِن اعداد کا حاصِل جمع ۱۳۵ بی بی فاطمہ کے نام کے اعداد ظاہر کرتا ہے تو مُسلمان بھی حیرت سے مُنہ کھول دینے پر مجبُور ہو گئے اور اُنہیں تسلیم کرنا پڑا کہ اِس متبرک نام کا نقش ضرور اِن خوبیوں کا مالک ہو گا جو مولینا لوگ بتاتے ہیں۔ بس مُسلمانوں میں کاہنوں اور نجومیوں کی جگہ مَولوی اور مجتہد پیدا ہو گئے اور کھانے کمانے لگے۔

ناموں کے اعداد نکالنے کے لئے عجمیوں کو جو اب عرب کہلائے جاتے تھے عربی حروفِ تہجی" اب ت ث ج ح خ کی ترتیب بدلنا پڑی یعنی رومن انداز میں ABCD سے ابجد KLMN سے کلمن QRST سے قرشت وغیرہ مقرر کئے اُسے آسمانی علم کہہ کر مَولوی کو بھی سکھا دیا اور مَولوی نے تسلیم کر لیا کہ یہ

عِلم حضرت علی آسمان سے سیکھ کر آئے تھے۔

تعویذ کیا ہیں؟

محض چند خانے جن میں کچھ خُفیہ اشارے باطنیوں کے ایجاد کردہ جو وہ دُوسری قوموں سے نقل کرلائے تھے لکھ دیئے جاتے ہیں اور سایل کو بتلایا جاتا ہے کہ اِن کے اثر سے اِس کی تقدیر بدل جائے گی کام بن جائے گا۔ معشوق قدموں میں آگرے گا یا دُشمن تباہ ہو جائے گا وغیرہ۔ اور وہ بدبخت حاجت مند جو پورے یقین سے تعویذ خریدتا ہے نہیں سمجھتا کہ اِس طرح وہ اپنی جیب کے ساتھ اپنا سینہ بھی نورِ ایمان سے خالی کر وا رہا ہے کیونکہ بُرا بھلا تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے دیتا ہے مگر اِنسان جلد بازی میں اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے۔

آج ہمارے پیر بزرگ ولی۔ مُلّا مَولوی سبھی اِسی دھندے سے لگے ہوئے ہیں اور جاہلوں کو لوٹ رہے ہیں مگر نہ خُدائی فوجدار کچھ بولتے ہیں نہ مزاج شناسانِ نبوت کیونکہ سب ہی ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ حصُولِ معاش کیلئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے پھر بھی پیشہ سہی، بقول حالیؔ ؎

دُنیا طلب کو چاہئے ابلہ فریب ہو

اپنی مذہبی کتابیں اُٹھا کر دیکھئے ولیوں، بزرگوں کے قصے پڑھئے تو معلوم ہو گا کہ سب کے سب یہی عُلوم بابلِ اسلام میں سمو رہے تھے۔ اُنہوں نے علم ہندسہ کی مدد سے قرآن کے نقوش تیار کئے۔ آیات کے نقوش بنائے اور سورتوں کے نقش تیار کئے پھر اِن کے فضائل لکھ کر عوام میں پھیلا دیئے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ ثواب حاصِل کرنے کے لئے نقوش و تعویذ میں پھنس جائیں اور قرآن کو پڑھنا چھوڑ دیں۔ چنانچہ اُنہیں خاصی کامیابی ہوئی اب لوگ سورہ یٰسین اور طٰہٰ کے نقوش گلے میں ڈال کر ساری برکتیں کما لیتے ہیں اِن کے مطالب پر غور کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔

علامتیں اور اشارے

گزشتہ صفحات میں آپ نے چند اشاروں اور علامتوں کا ذکر سنا ہے جو عہد قدیم سے چلی

آرہی ہیں مثلاً۔

عیسائیوں کا صلیب + جو سواستیکا 卐 کو کاٹ چھانٹ کر بنایا گیا ہے۔ دراصل سورج پرستی کی علامت ہے۔ عیسائی سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت عیسٰی کے سولی پر چڑھنے کی یادگار ہے۔ مگر سولی پر چڑھنے کی اتنی خوشی کیوں منائی جاتی ہے۔ حقیقتاً یہ تثلیث پرستی کی علامت ہے یعنی ماں بیٹا اور روح القدس

ہندوستان میں قدیم باشندے جو، شیوا، پاربتی اور گنیش جی کے تگڈم کو پوجتے ہیں، اپنی مذہبی علامت ترسول ψ بتلاتے ہیں۔ یعنی تین شاخوں کا تیر۔

یہودی اپنے چھ پیغمبروں کو ایک چھ گوشی ستارے کے ذریعہ یاد رکھتے ہیں جو اس طرح ہوتا ہے۔

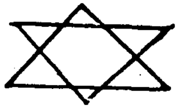

پانچ دیوتاؤں کو ماننے والے پانچ گوشی ستارہ استعمال کرتے ہیں اور یہ عقیدہ بڑا قدیم ہے۔ حکیم سید محمود گیلانی اپنی مشہور کتاب ایلیا علیہ السلام میں بتلاتے ہیں کہ حضرت نوح کی قوم پانچ خداؤں کو پوجتی تھی اور ان کے نام اس طرح لکھ کر لوح پر کندہ کر لیتی تھی جو حال میں کوہ جودی سے دستیاب ہوتے ہیں۔

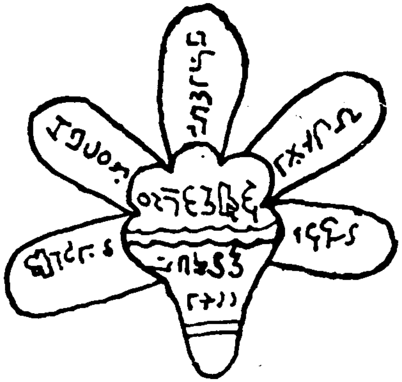

قرآن حکیم میں ان پانچ بتوں کے نام ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر بتلائے گئے ہیں۔ نوح۔ ۲۳

ہندوستان میں رام لچھمن سیتا اور ان کے دو بیٹوں لو اور کش کو پنج جنا کہا جاتا ہے۔ ان کے پرستار اپنے مکانوں پر گوبر سے پوتائی کے بعد گیرو کے رنگ سے ہاتھ کے پنجے بنا دیتے ہیں۔ جس سے ان کا پنج جنا سے لگاؤ ظاہر ہوتا ہے مسلمانوں نے بھی علم پر پنجہ لگانا شروع کر دیا۔ اور خود کو پنج تنی کہنے لگے۔ حالانکہ ان کو ایک خدا (اللہ) کو پوجنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اب اپنے چند اشارے دیکھئے اور بتلائیے آپ خود کتنے پانی میں ہیں۔

بسم اللہ کا اشارہ

آپ اپنے خطوں پر اکثر ۷۸۶ کا ہندسہ لکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہندسہ لکھ دینے سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ کبھی کسی مولوی سے پوچھ کر ہمیں بھی بتائیے کہ کتنا ثواب ملتا ہے اور یہ ثواب کہاں رکھا جاتا ہے۔ بعض لوگ ۷۸۶ کے نیچے ۹۲ بھی لکھ دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ محمدؐ کے نام کے اعداد ہیں۔ یہ دونوں اعداد اس طرح لکھے جاتے ہیں $\frac{786}{92}$ ۔

مگر حال میں ایک شیعہ بزرگ نے ایک کتابچہ موسومہ قرآن، سلمان، ایران اہل مجلس میں فروخت کیا۔ اس پر یہی نقش اس طرح تھا $\frac{786}{202}$ ۔ اب مجھے حیرانی ہوئی کہ بزرگان دین کے مقرر کردہ نقش کو بدلنے کی کس نے جسارت کی۔ اور کیوں کی ۹۲ کو بدل کر ۲۰۲ بنانے کا مطلب یہ ہوا کہ محمدؐ کے ساتھ کسی لقب یا خطاب کا اضافہ ہوا ہے۔ مگر نہ رسول اللہ لگانے سے یہ عدد حاصل ہوا نہ ابن عبداللہ سے بات بنی چنانچہ باطنی علوم کی پوتھی کھولی تو معلوم ہوا کہ نہ ۷۸۶ سے بسم اللہ بنتا ہے نہ ۹۲ سے محمدؐ مقصود ہے۔ یہ تو محض ایک دھوکا ہے جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔

۷۸۶ دراصل الامیر المومنین علیہ السلام کے اعداد ہیں اور ۹۲ سے مراد امامی ہے، ورنہ محمدؐ کے اعداد ۱۳۲ ہیں۔ اس لفظ میں میم تین بار آتا ہے۔ اور بسم اللہ کے اعداد ۷۸۸ بنتے ہیں۔

مجتہد صاحب نے ۹۲ کو ۲۰۲ لکھ کر وہ راز فاش کر دیا۔ معلوم ہوا کہ امامی سے پہلے علی کا اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ جاننے والوں کو معلوم ہو جائے۔

پس ۷۸۶ = الامیر المومنین علیہ السلام

۲۰۲ = علیؑ امامی

۱۱۰ + ۹۲ = ۲۰۲

۱۲ مُنہ کا اشارہ

بسم اللہ کے اشارے سے زیادہ دلچسپ اشارہ ۱۲ مُنہ کا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے کہ باطنی اور شیعہ بزرگ اولیاء کے بھیس میں حدیث سازی تفسیر و تاویل کے کارخانے چلا رہے تھے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسی روایتوں اور عبارتوں کے آگے وہ اپنی خاص علامت بنا دیتے تھے تاکہ جاننے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کمال کس کا ہے۔ وہ علامت تھی۔ ۱۲ مُنہ غفرلہٗ کی جس کا عربی تلفظ ہے۔ اثنا عشرہ مُنہ غفرلہٗ اور اردو ترجمہ ہو گا کہ لکھنے والا بارہ امامی شیعہ ہے۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔ شیعہ حضرات آج بھی اپنی کتابوں پر ایسے انتباہ لکھ دیتے ہیں اور صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب اثنا عشری مذہب کی ہے غیر نہ دیکھیں یعنی سُنّی نہ پڑھیں۔

مگر ہمارا مُلّا دین کی تلاش میں شیعہ کتابیں پڑھتا ہے اور ان میں سے مضامین چُراتا ہے۔ چنانچہ یہ اشارہ بھی چُرا لایا اور بے سوچے سمجھے اسے ہر جگہ لکھنے لگا۔

میں نے مودودی صاحب سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہماری مذہبی کتابوں میں حتیٰ کہ قرآن کے حاشیوں پر بھی ہر جگہ ۱۲ مُنہ لکھا ہوتا ہے۔ موصوف نے اپنے مکتوب حوالہ ۴۰۹۶ مورخہ ۳ جون ۶۵ء میں بتلایا

محترمی و مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

خط ملا۔ آپ کے سوال کا جواب درج ذیل ہے۔

"۱۲ کے ہندسے سے مراد خاتمہ کلام ہے۔ مُنہ سے مراد یہ ہے کہ سابق عبارت یا متعلقہ متن جس شخص کے قلم سے ہے۔ یہ عبارت جس

کے بعد مُنہ تحریر ہے یہ بھی اسی مصنف کے قلم سے ہے۔ غفرلہٗ کا مدعا بھی یہی ہے۔ ویسے مُنہ کے معنیٰ اسی کی طرف سے اور غفرلہٗ کے معنیٰ اللہ اسے بخشے کے ہیں۔" خاکسار!

یہ جواب میری ہدایت کے مطابق ہے۔ شرح دستخط (غلام علی)

شرح دستخط (ابوالاعلیٰ)، (معاون خصوصی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)،

اب ہم کس سے پوچھیں کہ حضور خاتمہ کلام کے لئے ۱۲ مُنہ کیوں ضروری ہے کیا ۴ مُنہ یا ۱۰ مُنہ لکھنے سے کلام ختم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ چلیپا (×) یا ڈیش (-) بھی تو کلام ختم کر سکتا ہے۔ ہمارے قرآن حکیم نے دائرے (○) آیت سے کلام ختم کیا ہے ج۔ ط۔ ع۔ ف وغیرہ سے بھی خاتمہ کلام ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو آپ ۱۲ مُنہ کی اہمیت بتلایئے۔

ایک دوسرے بزرگ نے بتلایا کہ ۱۲ سے مراد حد ہے پس بارہ مُنہ لکھنے سے کلام ختم ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا یہ حد ظاہری اسلام کی ہے یا باطنی اسلام کی۔ کیونکہ ظاہری اسلام میں حد کے معنیٰ سزا کے ہیں جیسے شراب کی حد کوڑے لگانا ہے اور چوری کی حد ہاتھ کاٹنا۔

البتہ باطنی اسلام میں وضو کی حد علی ہیں اور نماز کی حد محمدؐ جیسا کہ زاہد علی صاحب نے بتلایا ہے ہمارے بزرگانِ دین علی کا تصور کر لیتے تھے تو ان کا وضو ہو جاتا تھا اور محمد کا خیال کیا تو نماز ادا ہو گئی، تو پھر یہ کیسی حد ہے مولوی کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سُنّی مولوی نہ علوم باطنی جانتا ہے نہ علوم ظاہری۔ محض چند عربی فارسی کی کتابیں پڑھ کر ناظرہ و خطبہ گانا سیکھ لیتا ہے اور مولوی بن جاتا ہے۔ پھر یہ بیچارے کسی سے پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کرتے۔ اگر مولوی صاحب نے خطوطِ غالب ہی پڑھے ہوتے تو معلوم ہو جاتا۔ غالب اپنے دوست اور

شاگرد حاتم علی بیگ مہر کو لکھتے ہیں۔

صاحب بندہ اثنا عشری ہوں ہر مطلب کے خاتمے پر ۱۲ کا ہندسہ کرتا (لکھتا) ہوں خدا کرے میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو ۱۲ ائمہ خطوطِ غالب ص۲۲۱

اس کے بعد اپنے اِن علماء کے عقائد کا اندازہ لگائیے جو شعوری یا لاشعوری طور پر صدیوں سے ۱۲ ائمہ لگاتے چلے آئے ہیں۔ یقیناً اِن کا خاتمہ بھی مرزا غالب کی طرح ہوا ہو گا۔

اُس بحث کی توثیق کے لئے رسالہ نگار ماہ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں شائع ہونے والے مضمون شہادت عظمیٰ پر تبصرہ سے یہ اقتباس بے محل نہ ہو گا۔

علامہ تمنا عمادی لکھتے ہیں۔

"شریعت کا مدار اسلام کے تمام فرقوں میں دو چیزوں پر ہے قرآن مجید اور حدیثِ رسولؐ۔ سو حدیثوں کی صورت یہ ہے کہ وہ پہلی صدی سے قبل جمع نہیں ہوتیں سب سے پہلے جامع حدیث ابن شہاب زُہری ہیں۔ اور پانچویں چھٹی صدی تک شیعی و سنی محدثین میں باہم اتفاق رہا۔ شیعی اساتذہ سے اہلِ سُنت حدیثیں سُنتے اور سنی اساتذہ سے شیعی محدثین۔ اور ایک دوسرے کو حدیث کی روایت کرتے۔ البتہ جو راوی بہت زیادہ غلو کرتا (جھوٹ بولتا) اس کی حدیثیں قبول نہیں کرتے تھے۔ جیسے عمار بن مروان جو عجمی الاصل بنی سالم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ جھوٹی حدیثیں حضرت جعفر صادق کی طرف منسوب کر کے روایت کیا کرتا تھا مگر دوسرے متعدد شیعہ راویوں کی حدیثیں اہلِ سُنت اپنی کتابوں میں لکھتے رہے سلیمان الاعمش، ابو اسحٰق اسبعی زبیدہ الیامی منصور بن المعتمر وغیرہم شیعہ تھے۔ مگر اہلِ اسلام کی کون سی کتاب ہے جس میں اِن کی روایت کردہ حدیثیں نہیں ہیں بعض حدیثوں سے امام بخاری اور امام مسلم نے احتیاط برتی تو ترمذی اور ابو داؤد وغیرہ نے انہیں لے لیا۔ اسی طرح ابو عبداللہ الحاکم شیعی محدث نے فضائل ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی اپنی کتابوں میں درج کی ہیں شیعوں کے سب

سے پہلے جامع حدیث ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۸ھ نے شیعہ حدیثیں۔ اہلِ سُنت سے بالکل الگ ہو کر جمع کیں۔"

اِس مضمون سے ظاہر ہو گیا کہ شیعہ راویوں نے محنت و مشقت سے جھوٹی روایتیں اور حدیثیں جمع کیں اور سُنی ملاؤں نے انہیں قبول کر لیا۔ اور نہ سوچا کہ اِن کے آخر میں جو ۱۲ ائمہ کا اشارہ درج ہے اُس کا مطلب کیا ہے گویا شیعوں کا یہ بارہ امامی اشارہ (۱۲ ائمہ) سُنی ملاؤں نے علی بابا کی مرجانا کی طرح جو قزاقوں کو دھوکا دینے کے لئے محلے کے سارے گھروں پر چلیپا (×) بنا آئی تھی۔ اپنی چار ائمہ روایتوں کے آگے بھی لگا کر ساری اُمت کو گمراہ کر دیا۔

ایک شیعہ مولوی کی شکایت

پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری جو مشنری کام کر رہے ہیں بے حد ناراض ہیں کہ سُنی لوگ ان کے بزرگوں کو بھی مرنے کے بعد اپنا بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اُردو زبان کے مجدد شاعر جناب اسداللہ خاں غالب کو اہلِ سُنت والجماعت بنانے کی بعض ادیبوں نے سعی ناکام کی ہے۔ حالانکہ اُن کا حیدری شیعہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اُنہوں نے اپنے کلام میں اپنا مرکز اعتقاد سرکار ولایت علی مرتضیٰ روحنا و روح العالمین لہٗ الفداہ ہی کو قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگیٔ بوتراب میں!

یعنی بندگیٔ ابو تراب ہی دراصل حق کی بندگی ہے۔

جی ہاں! وہ شیعہ اثنا عشری تھے۔ اُن کا خط ہم نقل کر چکے ہیں۔ حسب ذیل اشعار سے بھی اُن کی شیعیت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ الطاف حسین حالی نے نہ جانے کیوں اُن کو مسلمان اور موحد ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور مجتہد صاحب کے لئے پریشانی کا سامان کر گئے۔ ورنہ غالب اپنے امامیہ شیعہ ہونے کا اعلان کرتے رہے تھے ؎

اور بارہ امام ہیں بارہ ٭ جس سے ایمان کو ہے توانائی
اِن کو غالب یہ سال اچھا ہے ٭ جو اممّہ کے ہیں تولائی

مگر بعض وقت اِن کو اپنی شیعت چھپانی بھی پڑتی تھی۔ بادشاہ ظفر کو دھوکا دینے کے لئے تقیہ کیا تو لکھا ؎

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری
کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری
دہری کیوں کر ہو جو ہو دلے صوفی
شیعی کیوں کر ہو ماورار النہری

مشنری صاحب کو حافظ شیرازی کے مسلمان بن جانے کا بھی قلق ہے۔ لکھتے ہیں حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمہ کا شیعہ اثنا عشری (۱۲-امامی) ہونا اُن کے شاعرانہ اذکار سے ظاہر و باہر ہے چنانچہ فارسی زبان میں اُن کو خمریات میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ فارسی میں شراب کے لئے بہت سے الفاظ ہیں مثلاً مے، صہبا، تاک، دخت رز وغیرہ مگر اُنہوں نے صرف لفظ بادہ کو استعمال کیا ہے کیونکہ بادہ سے اُن کی غرض دوازدہ امام اہلِ بیت علیہ السّلام کی محبت مقصود ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

ساقی بنور بادہ بیفروز جام ما!!
مطرب بزن کہ کام جہاں شد بکام ما

یعنی اے ساقی بادہ (بارہ امام) کے نور سے میرے دل کے پیمانے کو روشن کردے۔ کہ دُنیا میں ہمارا آنا ہمارے مقصد کے مطابق ہے۔ ابجد کے حساب سے بادہ کے اعداد بارہ ۱۲ ہوتے ہیں۔ مشنری صاحب کو بڑی دور کی کوڑی لانی پڑی یعنی بادہ کے اعداد سے اُن کی شیعت کا پتہ چلانا پڑا لفظ حد بھی کہیں نہ کہیں استعمال کیا ہوگا وہ بھی بتلا سکتے تھے مگر نہ جانے کیوں حافظ کے یہ اشعار نقل نہ کئے۔ جن سے معلوم ہو جاتا کہ وہ کس درجہ غالی و تبرائی شیعہ تھا ؎

بہ دشمناں منشیں حافظا تو لاکن !
نجات خویش طلب کن بجان ہشت و چہار ۸+۴ = ۱۲
حرام زادہ و بدفعل و شوم و بے بنیاد
بمدح شاہ جہاں کئے کجا کند اقرار

یعنی حضرت علی کو شاہ جہاں نہ کہنے والے سُنی مسلمان سب کے سب حرامزادے بدفعل، منحوس اور نطفہ بے تحقیق ہوتے ہیں اے حافظ تو اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ترک کر دے اور تولا کر اپنے بارہ اماموں کے ساتھ جو نجات دلانے والے ہیں۔ سُنّی مُسلمانوں کو یہ دُعائیں مبارک ہوں مگر وہ لسان الغیب کے دیوان سے فال نکالنا نہ چھوڑیں۔

حد ہوگئی بعض لوگوں کا تکیہ کلام ہوتا ہے۔ بھئی حد ہوگئی اور بے سمجھے وہ اُسے دہراتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک باطنی اشارہ ہے جس میں حد کا لفظ (جس کے اعداد ۱۲ نکلتے ہیں) دراصل بارہ اماموں کو یاد دلانے کا وسیلہ ہے۔ حد ہوگئی کہنے سے مطلب ہوتا ہے کہ میں نے اپنے بارہ اماموں کو یاد کرلیا۔ اور اِن کے دُشمنوں سے بیزاری کا اعتراف کرتا ہوں۔

۷۲ کا اشارہ

باطنی مذہب میں ۷۲ کا ہندسہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے آپ نے سُنا ہوگا حضرت حسین کے قافلے میں ۷۲ نفوس تھے۔ حالانکہ ان میں صرف ۱۸ مرد تھے باقی عورتیں اور بچے ہوں گے جن کی تعداد کون بتا سکتا ہے وہ پی آئی اے یا کے ایل ایم سے تو گئے نہ تھے کہ ایک فہرست کارواں کے ساتھ بھیجی جاتی اور ایک منزلِ مقصود کو روانہ کی جا چکی ہوتی۔

کربلا کے معرکے میں کل بہتر افراد قتل ہوئے جن میں بیشتر کوفی تھے

اور سب ایک گڑھے میں دفن کئے گئے جو گنج شہیداں کہلاتا ہے۔

روایت ہے کہ ۷۲ افراد نے حضرت علی کو خدا کہنا شروع کیا۔ تو حضرت علی نے اِن کو زندہ جلا دیا۔

روایت ہے کہ کربلا میں ہر اِس شخص نے جو حسینؓ کی طرف تھا کم از کم ۷۲ اشخاص کو قتل کرنے کے بعد جامِ شہادت پیا

حسینؓ کے ۷۲ ساتھیوں کو مطیع کرنے کے لئے یزیدؒ نے بہتر ۷۲ ہزار فوج بھیجی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ اتفاق سے اِس ہندسے کی اہمیت ہمیں اُستاد ذوقؔ نے بتلائی ہے

ہفتاد و دو ۷۲ فریق حسد کے عدد سے ہیں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد کے ہیں

یعنی مُسلمانوں میں ۷۲ فرقوں کا پروپیگنڈہ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ بحساب ابجد لفظ حسد کے اعداد ۷۲ نکلتے ہیں۔ بہتر ۷۲ کا اشارہ یاد دِلاتا ہے کہ تمہیں اپنے مخالفین سے حسد نفرت اور بغض کا اظہار کرنا چاہیے یہ باطنیوں کا خفیہ اشارہ ہے۔ اِسلام میں بہتر ۷۲ فرقوں کا کوئی وجود نہیں۔ مُسلمان صِرف دُو طرح کے ہوتے ہیں۔ موحد اور مُشرک، موحد اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور مشرک اپنے مُردہ و زندہ بزرگوں، اُن کے مزاروں، تابوتوں اور دُلدلوں کو پُوجتے ہیں۔

پانچواں باب

میں ہلاکِ جادوئے سامری — تو قتیلِ شیوۂ آذری
ترا دل حرم گروِ عجم — ترا دیں خریدۂ کافری

رسوم بابل اور ہم

اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو حکم دیا تھا "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" "تم میں ایک گروہ ایسا بھی تیار کیا جائے جو نیک کاموں کی دعوت دے، کرنے کے کاموں کی ترغیب دے اور نہ کرنے کے کاموں سے روکے"۔

جس کا مطلب تھا کہ ہمارے نام نہاد ہادیانِ دین جو نماز، روزے اور حج، زکوٰۃ، قربانی، خیرات، جہاد، نکاح اور اخلاق کے فضائل لکھ لکھ کر بیچتے اور روزی کماتے ہیں یا وعظ و مولود شریف پر تقریروں کی بڑی بڑی فیسیں وصول کرتے ہیں، کبھی کبھی شرک و بدعت و بے راہ روی پر بھی قلم اُٹھائیں۔ چوری۔ زنا، شراب اور جوئے پر بھی کتابیں لکھیں۔

مگر وہ اِس حُکم کو نہ مانیں گے۔ مانیں تو کھائیں کیا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان کرایہ پر جا کر ماتم کرتے ہیں اور لہولہان ہو کر مر جاتے ہیں۔ مگر کوئی مولوی نہیں کہتا کہ یہ بدبخت حرام موت مرتے ہیں۔ اور جہنمی ہیں۔ اُسی طرح کوئی بزرگ ایک پھٹا سا جوتا قرآنی آیتوں میں لپیٹ کر بیچ رہے ہیں اور پیسہ کما رہے ہیں۔

اور کوئی دعویدار اسلام زبان نہیں کھولتا۔ کیونکہ ہر مولوی جانتا ہے کہ کسبِ معاش کے لئے ایسے دھندے کرنے ہی پڑتے ہیں۔ کسی کو موئے مبارک بچوانا پڑتا ہے تو کسی کو غلاف کعبہ جو ابھی کعبہ پر چڑھا بھی نہ ہو دکھا کر اپنی تقدیس جتانا پڑتی ہے اور ہماری حکومت مولویوں کے ہاتھوں بے بس ہے۔ بچوں کی درسی کتب میں تیوہاروں کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ ہمارے تیوہار ہی ہم کو دنیا کی دیگر مہذب قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر سکتے ہیں۔ آیئے اپنی چند عیدیں بطور تیوہار منائیں۔

عیدِ نوروز

اسلامی مملکت پاکستان میں مسلمان بچوں کے لئے گیارہویں جماعت کے نصاب میں لکھا ہے۔ "نوروز ایک عالم افروز دن ہے۔ ایشیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ اسے یومِ عید مناتے ہیں اور بالفرض کوئی نہ مانے بھی تو بھی موسم بہار ایک قدرتی جوش ہے کہ اپنے وقت پر خود بخود ہر دل میں ذوق و شوق پیدا کر دیتا ہے۔

ترک چنگیزی کہ کچھ مذہب نہ رکھتے تھے۔ اور جاہل محض تھے اس دن گھروں کو سجاتے اور خوان یغما لگاتے تھے پھر سب مل کر لوٹتے لٹاتے تھے۔ ایرانی پہلے بھی مانتے تھے۔ زرتشت نے آکر اس پر مذہبی سکہ لگا دیا۔ کیونکہ اس کے خیالات کے مطابق آفتاب سب سے روشن دلیل خداشناسی اور حق جوئی کی ہے۔ ہندو بھی اس خیال میں ان سے متفق ہیں"۔ (جشن نوروز از محمد حسین آزاد)

آزاد صاحب کا تعلق باطنی فرقے سے تھا۔ آپ آفتاب یعنی سورج کو خداشناسی کی دلیل جانتے تھے اس لئے یومِ نوروز کو مہذب قوموں کا تیوہار بتاتے ہیں۔ اور ہمارے بچے ان اسباق کو یاد کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ نوروز اور سورج کی اہمیت کو نہ ماننے والے سُنّیوں پر چوٹ بھی کر دی جاتی ہے۔ میرے بچے نے مجھ سے پوچھا کہ نوروز نہ ماننا فطرت کے خلاف جانا کیوں ہے۔ میں اُسے کیا بتلاتا اور بتلا دیتا تو وہ پاس کیسے ہوتا۔

خاص کر ایسے ملک میں جہاں ۲۳ مارچ کو سرکاری چھٹی دی جاتی ہے جو شیعوں کا یومِ نوروز ہے۔ مگر سُنّی اسے یومِ پاکستان سمجھ کر منانے کے پابند کئے گئے ہیں۔

ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم ایک عیسائی کی زبانی اس نوروز کی کہانی سناتے ہیں۔ شاید انہیں اپنے اسلام پر سوچنے کا موقع ملے۔ ہیوبرٹ آرم اسٹرانگ اپنے رسالے "پلین ٹروتھ" شمارہ دسمبر ۱۹۶۴ء میں لکھتا ہے اور عیسائیوں کیلئے لکھتا ہے۔

نوروز اور عیسائیت

لوگ عام طور پر سمجھتے ہیں کہ پہلی جنوری کو سال نو منانا کوئی مذہبی رسم ہے حالانکہ اس کا ذکر بائبل میں نہیں نوروز منانے کی رسم دنیا کی قدیم ترین مشرکانہ رسم ہے اور چار ہزار سال قبل مسیح سے رائج ہے۔ دنیا کی ہر قوم سوائے مسلمانوں کے یہ تیوہار مناتی ہے۔ اور اس میں مہذب و غیر مہذب سب ہی شامل ہیں گو اُن کی تاریخوں اور مہینوں میں تھوڑا بہت فرق ہو جاتا ہے۔ عیسائی سردیوں میں یکم جنوری کو مناتے ہیں، ہندوستان کے آریا نژاد ہندو اور ایرانی موسم بہار کے شروع کا دن مقرر کئے ہوئے ہیں (۲۱ یا ۲۲ مارچ)

بابل اور نینوا کی قدیم ترین تہذیب سے معلوم ہوتا ہے کہ سال نو کی خوشیاں بڑے آب و تاب سے منانے کی رسم کفار و مشرکین نے ایجاد کی تھی۔ دینِ ابراہیمی کو اس سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

ارل کاونٹ لکھتا ہے کہ میسوپوٹامیہ یعنی ارض بابل میں جو دراصل دنیا کی تہذیب کا گہوارہ ہے چار ہزار سال قبل مسیح پہلے پرانے سال کے ختم ہونے اور نئے سال کے شروع ہونے کی خوشیاں بارہ دن تک منائی جاتی تھیں جس میں چراغاں ہوتے، آگ جلائی جاتی اور روشنیاں کی جاتیں۔ تحفہ تحائف دیئے جاتے۔ کھیل تماشے ہوتے۔ ہنسی مذاق، ناچ گانا مسخرہ پن اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ، گھر گھر دعوتیں اور مبارک سلامت ہوتی۔ چندے وصول کئے جاتے جس سے آگ روشن کی جاتی۔ اس پر قربانیاں دی جاتیں۔ ایک دوسرے پر رنگ اور کیچڑ پھینکی جاتی کیونکہ یہ لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے اور آگ کو سورج سے جو نسبت ہے اس کے ماننے والوں کی آج بھی دنیا میں کمی نہیں۔ نور کو پوجنے والے اب بھی چراغاں کرتے اور روشنی کو مذہبی اہمیت دیتے ہیں۔ خواہ وہ مندر ہو یا کلیسا یا کوئی مقبرہ اور خانقاہ ہر جگہ روشنی کو وہی

اہمیت حاصل ہے اور اِس کی محرک وہی بابلی تہذیب ہے نہ کہ مذہب ۔ چراغاں کرنے اور روشنی کو پوجنے کا ذکر نہ مسلمانوں کے قرآن میں ہے ، نہ عیسائی بائبل میں ۔ اور نہ ان کے پاس چراغاں کرنے والا کوئی تیوہار ہے ۔

سالِ نو کے جشن کا رواج بابل و نینوا میں نمرود نے شروع کیا ۔ یہ بادشاہ سورج کو پوجتا تھا ۔ کیونکہ سورج اُن کے عقائد کے لحاظ سے شیطان کا مظہر ہے ۔ شیطان آگ سے بنا ہے ۔ اِس لیے نمرود نے آگ اور سورج کی پرستش شروع کروائی ۔ نمرود کو شیطان ہی نے سب کچھ دیا تھا ۔ اُس نے چاند سورج اور ستاروں کا علم بھی سکھایا ۔ اور ماننا پڑتا ہے کہ اُس علم نے جو ترقی اس وقت کی تھی وہ آج بھی کارآمد ہے ۔ شمسی سال اور رفتار سیارگان پر اُن کا علم مکمل تھا ۔ جس میں کوئی ترمیم ممکن نہیں ۳۶۵ دن کا سال آج سے پانچ ہزار سال پہلے جس طرح نمرود نے چار موسموں پر تقسیم کیا تھا وہ جاری ہے ۔

چنانچہ ہندو آریا خود کو سورج اور چاند کی اولاد سمجھتے ہیں ۔ جاپانی بھی خود کو سورج کی اولاد بتلاتے ہیں ۔ یورپ میں سورج کی نسل آریائی موجود ہیں مگر وہ عیسائی ہوگئے ۔ اِس لیے اُنہوں نے اپنا نوروز موسم بہار سے ہٹا کر جاڑوں کے موسم میں کرلیا ہے اور اُس میں بھی ایک راز ہے ۔ وہ یہ کہ ۲۱ر دسمبر کو سورج کا اثر دُنیا پر سب سے کم ہوتا ہے یعنی یہ سب سے چھوٹا دن ہے ۔ اِس لیے سورج کو یاد کرنے کا زمانہ یہی ایک عشرہ زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے ۔ اور وہی ساری رسوم منائی جانے لگیں جو کبھی اِن کے اجداد زمانہ کفر میں مناتے تھے (پلین ٹروتھ)

ناصبی بھائیو ! دیکھا یہ عیدِ نوروز کس کی سُنت ہے اور کیوں منائی جاتی ہے ؟ یہ رنگ رلیاں ، روشنیاں ، چراغاں ، اور آگ کے کھیل آتش بازیاں کس طرح اسلام میں سموئی گئی ہیں ۔ شب برأت ہو یا جشنِ میلاد آپ سے کہا جاتا ہے کہ چراغاں کیجیے ۔ اور انعام حاصل کیجیے ۔

ورنہ اسلام تو کہتا ہے کہ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ " ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون "

یعنی رات دن سورج ، چاند اور ستارے سب تمہاری خدمت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں مگر اِس بات کو سمجھنے کے لیے عقل رکھنے والی قوموں کی ضرورت ہے ۔ تمہارا مولوی سمجھتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے ۔ اِس کا پیچھا چھوڑو اور قرآن سے ہدایت حاصل کرو ، سورج اور اس کی روشنی کو نہ پوجو ۔

عیدِ شعبان

شعبان کی پندرہویں شب کو شب برأت کہا جاتا ہے ۔ برأت ، بری مبرّا اور تبرّا ایک ہی مصدر سے بنے ہیں ۔ برات کے معنی چھٹکارا یا نجات کے ہیں ۔ مسلمانوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ اِس رات کو سال بھر کے گناہوں کا حساب ہوجاتا ہے ۔ پچھلے گناہ مُعاف کر دیئے جاتے ہیں اور اگلے گناہوں کے لائسنس جاری کیے جاتے ہیں ۔

چنانچہ مودودی صاحب فرماتے ہیں " شب برأت کو عموماً مسلمانوں کا تیوہار سمجھا جاتا ہے ۔ اُس کے کچھ مراسم بھی مقرر کر لیے گئے ہیں ۔ جن کی شدت سے پابندی کی جاتی ہے ۔ دھوم دھام کے لحاظ سے تو گویا محرم کے بعد اسی کا نمبر ہے ۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ خوامخواہ کا بناوٹی تیوہار ہے ۔ قرآن میں اس کی اصلیت ہے نہ حدیث میں ۔ نہ صحابہؓ کرام کے دور کی تاریخ میں ہی اِس کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے ۔ اور نہ ابتدائی زمانے کے بزرگانِ دین ہی میں کسی نے اُس کو اسلام کا تیوہار قرار دیا ہے "۔

ناظرین دیکھیں مودودی صاحب نے کس ٹھاٹھ سے اِس متبرک شب کو (جب ہم حلوے پکا پکا کر دوست احباب میں تقسیم کرتے ۔ اپنے بزرگوں کی فاتحہ دلاتے اور اُن کے گناہ بخشواتے ہیں) غیر اسلامی قرار دے کر اِن باتوں کی اہمیت دل سے نکالدی ہے ۔ اب تو لازماً ہمیں اس تیوہار کو منانے سے اجتناب کرنا پڑے گا ۔ مگر کیا موصوف نے واقعی یہ حکم دے دیا ہے کہ اِس دن کوئی اہتمام نہ کیا جائے جی نہیں جو یہ حکم نہ مانے اسکے لیے فرماتے ہیں :۔

" جب ہم تلاش کرتے ہیں کہ شعبان کے مہینے میں اِس خاص دن کے ساتھ کوئی مستند مذہبی عقیدہ وابستہ ہے یا کوئی لازمی عبادت مقرر ہے تو ہم کو اِس کا بھی کوئی نشان

نہیں ملتا۔ سوائے اُس کے (کہ اُس سوائے پر غور فرمایئے) کہ ایک دفعہ شعبان کی پندرہویں شب کو حضرت عائشہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بستر پر نہ پایا وہ آپ کو تلاش کرنے کے لئے نکلیں، ڈھونڈتے ڈھونڈتے بقیع کے قبرستان پہنچیں وہاں آپؐ کو موجود پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اِس رات کو اللہ تعالیٰ آسمان دُنیا کی طرف توجہ فرماتا ہے" (بہ اصلاح مُودُودی)

مذکورہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھئے۔ مَولوی صاحب نے ایک حدیث فراہم کردی ہے جس کی رو سے آپ اِس رات کو گھر چھوڑ کر قبرستان کی طرف نکل جایئے مسجد اگر گھر کے قریب بھی ہو تو وہاں نہ جایئے۔ خُدا اِس رات مسجدوں سے غائب رہتا ہے۔ وہ قبرستانوں میں ڈیرہ ڈالتا ہے۔ اور مُردوں کا حساب کتاب کرتا ہے جس کے اقرباء زیادہ حلوہ پکاتے ہیں اُسے زیادہ اور جس کے کم اُسے کم ثواب دیتا ہے۔ اور اِس کے گناہ بھی اِسی حساب سے مُعاف کرتا ہے۔

رسُول اللہؐ غالباً یہی تماشہ دیکھنے جنّتُ البقیع پہنچ گئے۔ چنانچہ یہ سُنّتِ رسولؐ بن گیا۔ اب جانشین نبوّت کی طرف سے اشارہ ہے کہ آپ بھی یہی کیا کریں۔ اور آپ کی عورتوں کے لئے لازم ہے کہ اُس رات گھر بار چھوڑ کر اپنے شوہروں کو گلی گلی ڈھونڈ کر قبرستان میں جا پکڑیں کہ یہ سُنّتِ عائشہؓ ہے۔ (نعوذ باللہ)

خُدا کی مار ہو ان مَولویوں کی عقلوں پر جو اندھی تقلید کو اِسلام بتلاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ کِسی باطنی نے اُم المومنینؓ پر یہ افترا اِسلام کو رُسوا کرنے کے لئے گھڑی تھی۔ گویا کہ رسُولؐ کی آٹھ دیگر بیبیاں اور ساری اُمّت پڑی سوتی رہی۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کو اپنے شوہر کو تلاش کرنے قبرستان جانا پڑا جہاں عام عورتوں کو جانا منع ہے۔ افسوس صد افسوس مُسلمان عقل استعمال کرنے سے کتنا عاری ہے۔ اور مُودُودی صاحب کو کیا کہا جائے وہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح جھُوٹ اور سچ ملا کر پیش کردیتے ہیں اور اُسے اِسلام بتلاتے ہیں۔ مُراد سوائے اِس کے کیا ہے کہ جو مولوی اِن جھُوٹی حدیثوں سے کام چلا رہے ہیں وہ بھی کھاتے کماتے رہیں۔

اور اِن سے ناراض نہ ہوں۔ اور جو سچ کی تلاش میں ہیں وہ نہ کہہ سکیں کہ مَولوی صاحب نے سچ کو پیش نہیں کیا ہے۔ ہر چند وہ جھُوٹ میں لپٹا ہوا ہے۔

شبِ براءت کی بدعتوں پر اگلوں نے بہت کچھ لکھا ہے مگر غالباً سب کا انداز بیان یہی رہا یا ممکن ہے کہ کِسی نے سچ پیش کیا ہو لیکن دُوسروں کا جھُوٹ اِس پر حاوی ہوگیا۔ جیسا کہ حسبِ ذیل بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

شعبان کی بدعتیں

امام ابن تیمیہ کی سوانح میں مَولوی یوسف کوکن عمری صاحب لکھتے ہیں "شعبان کی پندرہویں شب کو شام و عراق کے باشندے صلوٰۃ الالفیہ (ہزارہ نماز) پڑھتے تھے۔ یہ سو رکعت کی نماز ہوتی تھی۔ ہر دُو رکعت پر سلام پھیرا جاتا۔ اور ہر رکعت میں سُورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی جاتی تھی۔ بعض سَو رکعت کی جگہ صرف دس رکعت پڑھتے مگر سورۂ اخلاص گیارہ کی جگہ سو مرتبہ پڑھ لیتے تھے۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ لوگ جماعت کے ساتھ یہ نماز پڑھا کرتے تھے اور اُس کو صلوٰۃ الخیر کہتے تھے۔ پھر حسن بصریؒ سے یہ غلط روایت بیان کی جاتی ہے کہ اُنہوں نے کہا مجھ سے تیس سے زائد اصحابِ رسُولؐ نے بیان کیا کہ جو کوئی یہ نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ستر مرتبہ نظر ڈالتا ہے۔ اور ہر نظر میں اُس کی ستر حاجتیں پوری کرتا ہے۔ جن میں سے ایک ادنیٰ حاجت مغفرتِ الٰہی ہے۔ (احیاء العلوم ص۱۸۲ ج اول)

عمری صاحب آگے لکھتے ہیں کہ ابو طالب مکیؒ اور امام غزالی کے لکھ دینے سے عام مُسلمانوں کو غلط فہمی ہوگئی کہ یہ نمازیں مستحب ہیں۔ اِس بدعت کو سب سے پہلے ابن ابی الحمراء نے ۴۴۸ ہجری میں جاری کیا۔ یہ شخص نابلس کا رہنے والا تھا۔ اِس نے پہلے تنہا پڑھنا شروع کیا۔ دُوسرے اِس کی اقتدا کرنے لگے۔ اِن راتوں میں ہر گھر میں حلوے مانڈے پکائے جاتے اور مسجدوں میں روشنی کا انتظام ہوتا۔ صحن مسجد اور اطراف میں بازار لگتا۔ جہاں ہر قسم کے لچے بدمعاش جمع ہوتے۔ خوانچہ والے مسجدوں میں صدا لگاتے اور سقے پانی لئے ہر طرف گھومتے مردوں اور بچوں کے ساتھ

عورتیں بھی زرق برق لباس پہن کر اور عطر لگا کر اُن نمازوں میں شریک ہوتیں ۔ پندرہویں شعبان کو خاص طور سے عورتیں زیادہ آتی تھیں اور مقبروں اور مزاروں پر بھی حاضری دیتی تھیں (صفحہ ۱۳۳)

آگے لکھتے ہیں: "ہر دور میں عُلماء نے اِن بدعات کو بند کرنے کی کوشش کی، مگر عوام کی عقیدت کچھ ایسی تھی کہ وہ بند ہو ہو کر پھر جاری ہوتی رہیں ۔ امام ابن تیمیہ نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے اِن بدعتی نمازوں کو مُسلمانوں سے ختم کروایا۔ اُنہوں نے لکھا

"اِس سے زیادہ سخت اور بری وہ اسبوعی اور حولی نمازیں ہیں جن کی بنیاد ابو طالب مکّی، ابو حامد غزالی (امام غزالی) اور شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے عجمیوں نے ڈالی ہیں ۔ اور اِن کو سُنّت رسُول تبلایا ہے ۔ جن میں صلوٰۃ الالفیہ (ہزارہ نماز) جو رجب وشعبان میں ادا کی جاتی ہیں اور سات رجب اور ۲۷ رجب کو یا شب عاشورہ یا عیدین کی شب میں پڑھی جاتی ہیں سب بدعت ہیں ۔ اور اِن سے متعلق ساری حدیثیں اور روایتیں جھوٹی ہیں ۔ جو کوئی دعجمی اختراع سے زیادہ نہیں ۔ جو اِن نمازوں کو غیر مشروع جان کر بھی پڑھے وہ مُشرک و کافر ہے"۔ (صفحات ۳۶ ۔ ۱۳۵)

مگر افسوس کہ بدعات کو جاری کرتے والوں کا حال معلوم کرنے کی زحمت نہ کی گئی۔ غالباً اِس کی وجہ یہ ہی ہے کہ وہ عالم تھے مگر اُنہوں نے عُلوم باطنی نہیں سیکھے تھے ۔

آیئے دیکھیں ہمارے عِلم باطنی میں اِس مہینے کی اہمیت کیا ہے؟ اِس رات کو خُدا کیوں آسمان دُنیا پر اترتا ہے؟

باطنی فضیلت ماہ شعبان

تحفۃ العوام مقبول میں اِس کی بے شمار فضیلتیں درج ہیں اسے رجب سے زیادہ بابرکت مہینہ شمار کیا گیا ہے خاص کر تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخیں ایام البیض کہلاتی ہیں جس کے بارے میں لکھا ہے۔

شب پانزدہم شب بیداری کرنے کہ اوّل سے آخر شب حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آتی ہے کہ آیا کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں بخشوں ۔ کوئی ہے کہ روزی طلب کرے

کہ میں روزی اِس کی کشادہ کردوں اور غسل اِس شب میں باعث تخفیف گناہاں ہے۔ منجملہ اعمال اُس شب کے زیارت امام حسین علیہ السّلام ہے کہ پیغمبران و ملائکہ اِس شب خُدا سے رُخصت لے کر آنحضرت (حسینؓ) کی زیارت کو آتے ہیں۔ پس خوشحال اِس کا جو ان بزرگوں سے مصافحہ کرے ۔

اِس شب کی تقدیس کا اندازہ کیجئے۔ سب پیغمبر کربلا جاتے ہیں اور حسینؓ سے مصافحہ کرتے ہیں ۔ اگر آپ اِن کی قبر کا نقشہ بنا کر زیارت حسینؓ پڑھیں تو گویا آپ بھی سب سے مصافحہ کر سکتے ہیں ۔

آگے مرقوم ہے کہ جملہ برکات متذکرہ اِس شب صِرف اِس لئے ہیں کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کی اُس شب ولادت ہے ۔ اُس سبب سے سُنّت ہے کہ اِس شب یہ دُعا پڑھے کہ بمنزلہ زیارت آنحضرت (امام مہدی) ہے" (تحفۃ العوام ۔ دُعا اُسی کتاب میں دیکھئے ۔

اِس شب کی اہمیت صِرف اِس قدر ہے کہ یہ ولادت امام مہدی کی شب ہے جو چند وجوہ سے ہماری نظروں سے مستُور رہیں ۔ اور باوجود صدیوں سے بلائے جانے کے ابھی نکل نہیں سکے ہیں ۔ آپ نے پڑھا ہے کہ عیسائی خونخوار ولی (لہرکس) پنجوں والے ولی (سانتا کلاز) کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں ۔ بابلی اپنے شیر خُدا یا بھیڑیئے خُدا کے مُنتظر تھے ۔ چنانچہ مُسلمان اِس رات کو چراغاں کرتے ہیں ۔ حلوے پکاتے ہیں اور فاتحہ دلاتے ہیں کوئی اویس قرنی کا (پہاڑی بھیڑیا) کوئی خواجہ خضر کا (سبز پوش ولی کا) کوئی اپنے باپ دادا کا اور اُن کے بچے آتش بازی چھوڑتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں کہ شرک میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں ۔ اور ہندو نہ کہیں کہ تُم دیوالی کیوں نہیں مناتے ۔

اور شیعہ بھائی اِس رات کو مشعلیں اور قندیلیں لے کر تالابوں ، دریاؤں اور سمندروں کے کنارے چلے جاتے ہیں ۔ اور امام العصر کی خدمت میں رقعات عرضیاں اور سونے چاندی کی تختیاں جن پر لکھا ہوتا ہے ۔ اب انتظار نہ کرائیے ۔ جلدی نکل آیئے آپ کے بغیر ہم بڑی کس مپرسی کے عالم میں ہیں ۔ یا امام منتظر امام مستُور جلد توجہ کیجئے ۔ ہمارے ناصبی بھائیوں نے نہ دیکھا ہو تو اگلے سال بیٹی جیٹی کراچی پہ پل کے ساتھ

لینے والا یہ میلا ضرور دیکھیں بلکہ ایک آدھ پرچی یا عرضی خرید کر پانی میں ڈالیں اور اس کا کمال دیکھیں۔ ہو سکے تو مودودی صاحب کو بھی بلا کر دکھائیں کہ یہ سب خوشیاں قائم آلِ محمدؐ کے آسمان دنیا پر اترنے کی ہیں۔ شیعہ اُن کو ڈھونڈنے قبرستان نہیں جاتے صرف پانی میں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو قبرستان جانا کیوں سکھایا

عیدِ رجب

رجب کی عید دراصل کونڈوں کی عید کہلاتی ہے۔ ہمارے مولوی صاحبان ایک لکڑہارے کا قصہ امام جعفر سے روایت کرتے رہیں کہ "حضرت امام جعفر صادق اپنے محبوں اور مصاحبوں کے ہمراہ ایک لکڑہاری کے پاس تشریف لائے جس کا شوہر لاپتہ تھا۔ اور وعظ فرمانے لگے۔ پھر اپنے محبوں سے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے! یاروں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ رجب کا مہینہ ہے۔ فرمایا آج کونسی تاریخ ہے؟ دوستوں نے کہا یا امام آج بائیسویں تاریخ ہے تب امام جعفر صادق نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کیسی ہی مشکل اور حاجت رکھتا ہو آج کے دن ۲۲ رجب کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُسے مقدور دیا ہو۔ وہ موافق مقدور کے پوریاں میدے کی پکا کر اور کھیر دو کونڈوں میں بھر کر ہمارے نام سے فاتحہ دیکر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جو کچھ اپنی حاجت اور مراد مانگے تو خدا تعالیٰ اس کی مشکل آسان کردے گا۔ اور حاجت مراد بر لائے گا اور دعا اسکی مستجاب ہوگی۔ اگر نہ ہوگی تو روزِ محشر میرا دامن اور اُس کا ہاتھ ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق تشریف لے گئے۔"

یہ روایت متبرکہ رحمٰن برادرز تاجران کتب فریر روڈ کراچی والے نیاز نامہ حضرت امام جعفر صادق مع نیاز نامہ حضرت مشکل کشا علی علیہ السلام و نادِ علی شریف کے نام سے شائع فرمایا ہے اور مسلمان اسے بصد اعتقاد ... سارے پاکستان میں تقسیم کر رہے ہیں

اس روایت کے چند پہلو علومِ باطنی کی روشنی میں دیکھئے۔

ا۔ شیعہ امام ششم جن کا نام صادق رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۲۲ رجب بڑی مبارک تاریخ ہے "گو قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ علماء اہل سنت اس کو جانتے ہیں، پھر کیوں یہ تاریخ اتنی اہم ہوگئی۔ یہ ہمارا باطنی راز ہے۔ آپ کو کیوں بتلائیں!

۲۔ اِس تاریخ کو امام جعفر نے اپنی فاتحہ کرنا متبرک و مستحب بتلایا ہے اور لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ ان کا فاتحہ اِن کی زندگی میں یعنی جیتے جی ہی شروع کر دیا جائے اُس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ صرف مُردوں کا حق نہیں زندوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی آپ جس سے خوش ہو جائیں اِس کا فاتحہ کر دیں۔ مودودی صاحب اجازت دیں تو ہم بھی اُن کے نام کے کونڈے کر دیں۔

۳۔ کونڈوں کی عید دوسری عیدوں سے زیادہ متبرک اِس لئے ہے کہ اِس میں امام صاحب کی گارنٹی شامل ہے۔ پسند نہ آئے تو پیسے واپس۔ آپ نے فرمایا ہے اگر کوئی دعا قبول نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن پکڑنا

ہمیں معلوم نہیں کہ امام صاحب کیسے کپڑے پہن کر حشر میں نمودار ہوں گے۔ دوسرے سب تو مادرزاد ننگے ہوں گے کیونکہ اُن کے کفن جو دیئے گئے تھے گل سڑ کر یا کفن چور صاحبان کی دستبرد سے تلف ہو چکے ہوں گے۔ اِس لئے سب آنکھیں جھکائے میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ کسی کے پاس دامن نہ ہوگا جو پکڑا جا سکے۔ لیکن امام صاحب کا سیاہ جُبہ محفوظ رہے گا۔ اور وہ دامن تھما دیں گے۔

افسوس یہ روایت کئی سَو سال سے مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہے۔ مگر کسی نیک بخت نے یہ غور کرنے کی کوشش نہ کی کہ ۲۲ رجب کو اتنی اہمیت کیوں ہے؟ امام جعفرؒ نے اِس دن اپنا فاتحہ دلایا تو کیوں؟ نہ وہ اُس تاریخ کو پیدا ہوئے۔ نہ انتقال فرمایا نہ اِن کا کوئی دوسرا امام اِس تاریخ کو پیدا ہوا یا مرا۔

رجب کی بدعتیں

مولوی یوسف صاحب سوانح امام ابن تیمیہ میں لکھتے ہیں "امام ابن تیمیہ کے زمانے میں سب سے زیادہ بدعات کا مظاہرہ رجب و شعبان کے مہینوں میں ہوتا تھا۔ رجب کی پہلی جمعرات کو روزہ رکھا جاتا۔ اور رات کو مسجدوں میں باجماعت صلوٰۃ الرغائب پڑھی جاتی۔ یہ بارہ رکعت کی نماز ہوتی تھی۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ انا انزلنا، اور سورۃ اخلاص بارہ بارہ دفعہ پڑھی جاتی اور ہر دو رکعت کے بعد آنحضرتؐ پر ستر بار درود بھیجا

جاتا تھا۔" (صفحہ ۱۳۱)

یہاں بارہ بارہ اور ستر بار دُرُود کے اعداد پر غور فرمائیے یہ خاص شیعی اشارے ہیں۔

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم جز اول، صفحہ ۱۸۳ پر اس کو مستحب قرار دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جھوٹی روایت نقل کی ہے کہ جو کوئی اس رات یہ نماز ادا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ چاہے اس کے گناہوں کی تعداد سمندر کے جھاگ کے برابر یا صحرا کی ریگ اور پہاڑوں کے وزن اور درختوں کے پتوں کی گنتی کے برابر کیوں نہ ہوں۔ اور ایسا شخص قیامت کے دن اپنے خاندان کے سَو دوزخی آدمیوں کو آگ سے نجات دلائے گا" (صفحہ ۱۳۱)

امام غزالی صاحب مسلمانوں کے برگزیدہ امام سمجھے جاتے ہیں۔ آپ ۲۲ رجب کی اہمیت بتلا رہے ہیں جو خود رسول اللہ کو اپنی زندگی بھر کی عبادتوں سے بھی حاصل ہونی محال تھی۔ اُنہوں نے فاطمہؓ سے کہا۔ میں قیامت کے دن تیرے کام نہ آسکوں گا۔ اور یہاں ایک باطنی اگر یہ نماز پڑھ لے تو اپنے ساتھ دُو سَو دوزخیوں کو بھی آگ سے نجات دلا سکتا ہے۔

باطنی فضیلت ماہ رجب

آیئے دیکھیں ۲۲ رجب کی اہمیت باطنی اسلام کی رو سے کیا ہے؟ تحفۃ العوام مقبول میں ہے کہ "فرمایا جناب امیر المومنین نے کہ جو اوّل درمیان یا آخر ماہ رجب کا ایک روزہ رکھے اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور جو تینوں روزے رکھے تو سب گناہان گزشتہ و آئندہ اُس کے بخشے جائیں گے۔ اور جو کوئی اس مہینے میں ایک رات شب بیداری کرے حق تعالیٰ اس کو آتش جہنم سے آزاد کر دے گا۔ اور ستر مرد گنہگار کیلئے اسکی شفاعت قبول کریگا۔ اور جو سات روزے رکھے اس ماہ میں تو سات دروازے آسمان سے اُس کی روح کے لئے کھل جائیں گے تاکہ وہ ملکوت اعلیٰ میں پہنچے اور جو سارے ماہ رجب کے روزے رکھے وہ گناہوں سے اس طرح باہر آئے گا جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور آتش جہنم سے آزاد ہو کر داخلِ بہشت ہوگا" (صفحات ۸۲-۸۱) ماشاء اللہ سبحان اللہ)

ہمارے ناصبی بھائیوں کو حیرت ہو گی کہ اس ماہ کی اتنی فضیلت تھی تو وہ عام مسلمانوں کو کیوں نہ بتائی گئی۔ کہ وہ بھی سمندر کے جھاگ برابر نہ سہی نالی کے جھاگ برابر گناہ کر لیتے۔ اور صحرا کی ریگ کی تعداد میں نہ ہوتا تو سڑک کی ریگ کی تعداد میں گناہوں کو معاف کروا لیتے۔ مگر افسوس ان کو گناہ کرنے سے روکا جا رہا ہے اور باطنی بھائیوں کو گناہ کی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ظلم کیوں کیا۔ فرمایا۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ۔ یعنی اگر ذرہ بھر بھی گناہ کرو گے تو اس کو بھگتو گے۔

تو بھائی ناصبیو تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ فضائل صرف باطنی بھائیوں کے لئے ہیں جن کے استاد امام غزالی صاحب تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ رجب کا پہلا ہفتہ کیوں اہم ہے دُوسرے کی کیا خصوصیت ہے، تیسرے کی کیا اہمیت ہے اور چوتھے ہفتے کو سب پر فضیلت کیوں ہے؟ اور نیز یہ کہ ان دنوں میں یہ دُعا کیوں پڑھنی چاہیئے۔

"تکفٰ عنّی کل باغ۔ ونکبت لی کل عدولی وحاسد ومنع منی کل ظلم وتکفی کل عایق"۔

(ترجمہ) اے مولا علی اس مہینے میں ہمیں تیرے باغیوں سے نجات ملی، تیرے حاسدوں اور دُشمنوں سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ ہم ظالموں کے ظلم سے مامون ہو گئے اور اُمید ہے کہ اسی طرح جلد ہی تجھے چھوڑنے والے ناصبیوں سے بھی ہمیں نجات مل جائے گی۔ اس لئے ہم خوشیاں منا رہے ہیں شکرانے پڑھ رہے ہیں۔ حلوہ پُوری کھا رہے ہیں۔ اور دُوستوں کو کھلا رہے ہیں اور سب مل کر عید منا رہے ہیں۔ ہر چند یہ سب کچھ پس پردہ کرنا پڑ رہا ہے۔ یعنی رات کو پکایا، بند کمرے میں کھلایا اور دیکھتے رہے کہ کوئی ناصبی نہ آجائے کہ اُس خوشی کی وجہ پُوچھ بیٹھے اور حکومت سے شکایت کر دے۔

اور لُطف کی بات تو یہ ہے کہ ہم نے چھُپ چھُپ کر عید مناتے مناتے سینکڑوں ناصبیوں اور خارجیوں کو بھی اپنی روایتوں اور حدیثوں کے ذریعہ اسی طرح چھُپ کر عید منانا سکھا دیا۔ اور ان سے بھی کونڈے بھروا دیئے جو اپنے پانچویں خلیفہ خال المسلمین کاتبِ وحی امیر المومنین سیدنا معاویہؓ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا دم بھرتے تھے۔

ان احمقوں کو کون بتلائے کہ یہ ساری خوشیاں اور سارے فضائل تو اسی کے

مرنے پر منائے جا رہے ہیں۔ اِس نے علیؓ اور علیؓ کے پوجنے والوں کا ناطقہ تنگ کر رکھا تھا۔ ہم اِن کی موت کی خوشی سارے ماہ رجب میں مناتے ہیں اور سنّی صرف ۲۲ر رجب یعنی اُن کے یومِ وفات پر کونڈے بھرتے اور کھاتے کھلاتے ہیں اور اِسے امام جعفر کی فاتحہ جانتے ہیں۔

ناظرین آپ نے دیکھا کہ یومِ وفات حضرت معاویہ رضؓ کس شان سے منایا جاتا ہے اور شیعہ سنّی دونوں اِس میں کس طرح شریک ہوگئے ہیں۔ ایک محض سُنی سُنائی پر اور دوسرا جان بوجھ کر ہمارا مولوی باطنیوں کی روایتیں چرا لاتا ہے اور خالص اسلامی عقائد کے نام سے مسلمانوں میں پھیلا دیتا ہے اور مسلمان اُسے سچ سمجھ لیتے ہیں بلکہ ایمان لے آتے ہیں۔ اقبال نے اسی لئے کہا ہے۔

شکل میں تم ہو نصاریٰ تو عقائد میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

عیدِ غدیر

یہ سچ ہے کہ اُس عید کو عام مسلمانوں نے قبول نہیں کیا اور نہ ہمارے باطنی بھائی اُس میں کسی کو شریک کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو محرّم کی مجلسوں میں سُنّی دوستوں کو گھسیٹتے رہتے ہیں اُس موقعہ پر آنکھیں پھیر لیتے ہیں چنانچہ مؤلف تحفۃ العوام مقبول کو بھی اُس کا قلق ہے۔ فرماتے ہیں۔

فصل تیسری فضیلت عیدِ غدیر میں۔ اور وہ اٹھارہویں (۱۸) ذوالحجہ کی ہے سب عیدوں سے عظیم تر ہے، یہ عید ہے تو تمام اہلِ اسلام کی مگر مذہب شیعہ حقہ کے حصّہ میں آئی ہے ۔اِس کے فضائل حسب ذیل ہیں۔ (مختصراً نقل کئے جاتے ہیں)

۱۔ اِس روز خدائے عز وجل نے مسلمانوں کو اکمال دین کی خوشخبری دی ہے۔

۲۔ رسولؐ خدا نے علیؓ کو اپنا خلیفہ بلا فصل اور جانشین کیا۔

۳۔ جناب امیر کی فضیلت تمام جہانوں پر ظاہر ہوئی۔

۴۔ جناب امام رضا سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ شیعانِ علی اور محبان اہلِ بیت کے چھوٹے گناہ تین روز تک نہ لکھو یعنی اٹھارہویں

سے بیسویں تاریخ ذوالحجہ تک بسبب کرامت محمّد و علی و فاطمہ و ائمہ ہدیٰ علیہم السّلام۔

۵۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کرو۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ ایسی بڑی نعمت پا کر مومن چھوٹے گناہ چھوڑ دیں۔ پس چاہیئے کہ اِس روز کوئی گناہ آدمی نہ کرے۔ (صفحہ ۲۱۲)

واضح ہو کہ یہ کتاب بیسویں صدی کے تعلیم یافتہ دور کے لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے تاکہ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی آسانی سے سمجھ لے اور عید منا سکے۔ مگر اِس کی عبارت سُنّی مسلمان کی سمجھ سے بعید ہے جب تک وہ علومِ باطنی سے واقف نہ ہو۔ آیئے علمِ باطنی کی روشنی میں اِن رموز کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

۱۔ فقرہ ۴ میں ہے کہ حق تعالیٰ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ تین دن تک شیعوں کو عید غدیر منانے اور گناہ کرنے دو ان کو اعمال ناموں میں نہ لکھو۔

۲۔ فقرہ ۵ میں ہے کہ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ گناہ کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ چھوٹے گناہ نہ کرو۔ ایسی بڑی نعمت پا کر یعنی تین دن کی چھوٹ ملنے پر بھی اگر چھوٹے گناہ کئے تو تمہاری کم حوصلگی ہوگی۔ بلکہ معلوم ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رعایت سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے اور ناشکری کرتے ہو۔ اگر فرشتے چھوٹے گناہ نہیں لکھتے تو ایسے گناہوں سے کیا فائدہ جو شمار ہی نہ ہوں، لکھے نہ جائیں۔ میاں گناہ کرو تو ایسے کرو کہ جنہیں معاف کرتے خدا کی شان کریمی کا امتحان ہو جائے اور وہ گناہ آپ کو سلطان مرزا نے میراثِ بابل کے تحت بتلا دیئے ہیں۔ یعنی قرعہ ڈالو چراغ بجھا دو اور جشن مناؤ۔ کہ یاد بھی رہیں اور اِن کی روح بھی خوش ہو جن کی یہ سُنّت ہے۔

اب فقرات ۱ تا ۳ پر غور فرمایئے۔ اِس دن اللہ تعالیٰ نے دین کے مکمل ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ رسولؐ نے علیؓ کو اپنا خلیفہ بلا فصل مقرر کیا ہے اور جناب امیر کی فضیلت سارے جہان پر ظاہر ہوئی یعنی ۱۸ر ذوالحجہ ۳۵ ہجری کے دن یہ سب کچھ ہوا۔

جی ہاں ۱۸ر ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو سبائی باغیوں نے خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان ذوالنورین رضؓ کو شہید کر ڈالا۔ تین دن تک لاش پڑی سڑتی رہی۔ کسی مومن و مسلمان کو کفن و دفن کی جرأت نہ ہوئی۔ خلیفہ بلا فصل بھی گھر سے نہ نکلے حالانکہ ہرمزان کا جنازہ

بڑی شان سے نکالا تھا۔ پھر خلافت حضرت عثمانؓ کو مِل گئی۔ اور اِس کی اطلاع سارے عالمِ اسلام کو کردی گئی کہ شیعوں نے حضرت علیؓ کو اِن کلحق دلا دیا اور اُنہیں خلیفہ بلافصل بنا دیا ہے۔ یہ عید مسلمانوں کی بقر عید کے آٹھ دن بعد منائی جاتی ہے۔

اِس لئے اس متبرک عید میں اگر خدا چھوٹے گناہوں کی چھوٹ دے تو یہ اسکی خست ہے۔ مزہ تو جبھی ہے کہ بڑے گناہوں کی بھی پُرسش نہ کرے۔ جیسے خدائے شر نے ملکہ اشطورا اور شہنشاہ عوزی رُس کو دے رکھی تھی جس کا ذکر ہمارے کسی سو سال پُرانے بزرگ نے اُس طرح فرمایا ہے

جب زنا سو بار ماں سے تو کرے جنتُ الفردس پھر تجھ کو ملے ،
پھر خطا اِس سے زیادہ کون ہے جس کے کرنے سے تو دوزخ میں پڑے
دین و تقویٰ کیا تجھے درکار ہے۔ (محرق الاثنرار)

عید آخری چہار شنبہ

یہ بھی مُسلمانوں کی بڑی عید ہے۔ مگر مُسلمان اُسے بھُولتے جا رہے ہیں۔ ہمارے ایک باطنی بزرگ نے اخبار حریت کے ذریعہ محفل چہار شنبہ قائم کرکے پھر اِس کی یاد تازہ کردی ہے۔ ممکن ہے چند روز میں پھر اِسی شان سے منائی جانے لگے۔ جیسے غالب کے زمانے میں مناتے تھے۔

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو ، رکھدیں چمن میں بھر کے مئے مشک بُو کی ناند
جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست سبزے کو روندتا پھرے پھُولوں کو جائے پھاند

ہماری اِسلامی رِوایتوں میں غالباً پردہ پوشی کے لئے عمداً تھوڑی سی اُلٹ پھیر کردی گئی ہے۔ کراماتِ اولیاء (صفحہ ۲۴) میں لکھا ہے کہ ذوالحجہ کے آخری بدھ کے دن دُو رکعت نفل پڑھے۔ بعد فاتحہ تین تین بار یہ سورتیں پڑھے۔ سورہ اخلاص قل اعوذ برب الناس۔ قل اعوذ برب الفلق انشاء اللہ کرم پروردگار کا نزول ہوگا اور تمام سال زندگی عیش و آرام میں گذرے گی۔ پھر (صفحہ ۸۲) مرقوم ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ دُو رکعت نماز ماہ صفر کے آخری بدھ (چہار شنبہ) کو پڑھا کرتے تھے۔ لیکن دراصل یہ ماہ ذی الحجہ کے آخری چہار شنبے کا جشن ہے۔ اور ساری

دُنیائے اِسلام میں منایا جاتا رہا ہے۔ سوائے اِن گھرانوں کے جو ناصبی، وہابی یا خارجی مشہور ہوگئے ہوں۔ اِن کو معلوم نہیں کہ یہ خوشیاں کس بات کی ہیں۔ عوام سے کہا جاتا ہے کہ رسُول اللہ نے اِس دن غسلِ صحت فرمایا تھا۔ لیکن پُوچھا جائے کہ یہ بیماری کونسی تھی جس کا غسل صحت فرمایا تھا، تو جواب نہیں دیتے۔

آیئے آپ کو بتلائیں کہ ماہ ذی الحجہ کا آخری بدھ (چہار شنبہ) اِسلامی دُنیا میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اُسے محمد حسین ہیکل مصری مورخ کی زبانی سُنیئے :-

"حضرت عمرؓ پر کس دن حملہ ہوا اور کس دن وہ فوت ہوئے روایات اِس سلسلے میں مختلف ہیں۔ ایک روایت کہتی ہے کہ وہ بدھ کے دن زخمی ہوئے اور جمعرات کے دن ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو دفن ہوئے"

"دُوسری روایت میں بدھ کے دن اُن پر حملہ ہوا اور اتوار کے دن یکم محرّم الحرام ۲۴ ہجری کی صبح اِن کی تدفین ہوئی"

"تیسری روایت ہے کہ ۲۶ ذی الحجہ کو وفات پائی اور وہ بدھ یعنی چہار شنبہ کا دن تھا" اِن کے علاوہ بھی روایتیں ہیں جن میں اِن کی تاریخ وفات ۱۸ یا ۱۰ محرّم ۲۴ھ ہجری بیان کی گئی ہے"۔

"اور ایک روایت میں ۲۷ صفر ۲۴ھ کو حضرت عمرؓ کا یوم وفات بتلایا گیا ہے"

غالباً ناظرین کو اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ آخری چہار شنبہ کے جشن کی کیا اہمیت ہے، یعنی اِس دن ہمارے ناصب اوّل سیّدنا عمر فاروقؓ پر باطنی بزرگ فیروز المعروف ابولولو کا بھرپور ہاتھ پڑا۔ یعنی اصل خوشی ذی الحجہ کے آخری بدھ کی یہ ہے کہ اُس دن بابا شجاع نے ہرمزان جفنیہ، سلمان فارسی اور کعب احبار یہودی کی ملی بھگت سے اِسلام کے سب سے بڑے اولوالعزم اور باجبروت خلیفہ کے پیٹ میں چھری گھونپ کر اِسلام کی بنیادیں ہلا دیں۔

اور ۲۷ صفر کا بدھ (چہار شنبہ) اگر کوئی اہمیت رکھتا ہے تو اِس قدر کہ شیعہ روایتوں سے یہ تاریخ رسُول اللہ کے بیمار ہونے کی ہے نہ کہ غسل صحت کی۔ اِس لئے ہمارے باطنی

بھائی اِس دن خوشی مناتے ہیں کہ دورِ ستر اختتام کو پہنچا اور دورِ فترت کا آغاز ہوگیا یعنی باطنی اسلام کے پھیلانے کے لئے راستہ صاف ہوگیا۔ جس کا عقیدہ ہے کہ مطلع امامت مقطع نبوّت ہے یعنی امامت نے طلوع کیا اور نبوّت کا چراغ گل ہوگیا۔ چنانچہ ۱۲ ربیع الاول یومِ وفات النبیؐ کی خوشیاں اُسی سے متعلق ہیں۔ اور ۲۷ صفر چونکہ آپؐ کے مرض الموت لاحق ہونے کا دن ہے وہ بھی یومِ جشن قرار دیا گیا ہے۔

عیدِ میلاد

میلاد، مولود اور تولید کا مصدر ولادت ہے جس کے معنی ہیں بچہ پیدا کرنا۔ تمام دُنیا کی قومیں اپنے مذہبی پیشواؤں کے ایامِ وفات و ولادت کو یاد رکھتی ہیں۔ اُن کو شایانِ شان طریقوں سے مناتی ہیں۔ ہندو دسہرا اور عیسائی کرسمس مناتے ہیں۔ مگر وہ تاریخیں محض مفروضہ ہوتی ہیں حتیٰ کہ قائداعظم کا یومِ پیدائش بھی کوئی نہیں جانتا۔ اور خود مجھے اپنی تاریخ پیدائش نہیں معلوم۔ یہ حال اُس دور کا ہے جب انگریزوں نے گھر گھر کیلنڈر، ڈائریاں اور جنتریاں پہنچادی تھیں، اور میونسپلٹیاں کھول دی تھیں جو پیدائش و وفات کی تاریخیں لکھتے رہتے ہیں۔ مگر صدیوں پہلے بچوں کی پیدائش کا صحیح اندراج کہاں ہوتا تھا۔ اور کون جانتا تھا کہ کون بچہ بڑا ہوکر کیا بنے گا۔ چنانچہ رسُول مقبول کا یومِ ولادت معلوم نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ ایامِ جاہلیہ میں وہاں کوئی لکھا پڑھا موجود نہ تھا۔ اِسی وجہ سے سمجھدار مولوی اُس جلسے کو یومِ میلاد، مولود یا ولادت کی جگہ جلسہ سیرت کہنے لگے ہیں جو دُرست ہے کیونکہ یہ دن آپؐ کی وفات کا ہے۔ اور یومِ وفات کے موقعہ پر ولادت کی خوشیاں منانا مناسب نہیں ہوتا۔ تاہم ۱۲ ربیع الاول کو روزِ جشن کیوں قرار دیا گیا ہے معلوم کرنا ضروری ہے۔ اِس کی وجہ آپ مرزا غالب سے سُنیئے۔ مرزا غالب اپنے دوست اور مربی علاؤالدین احمد خان علائی کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں "میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الا اللہ سمجھے ہوئے ہوں۔ انبیاء واجب التعظیم اور مفترض الطاعت تھے۔ محمّد علیہ السلام پر نبوّت ختم ہوئی، مقطع نبوّت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے۔ اور امام مِن اللہ علی علیہ السّلام ہے۔ ثم حسن ثم حسین اِسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام۔ ۱۲ مُنہ۔ بریں زیستم۔ بریں بگزرم۔ (خطوطِ غالب ص)

پتہ نہیں علائی صاحب یہ مضمون سمجھتے تھے یا نہیں شیعہ ہوں گے تو ضرور سمجھتے ہوں گے کہ۔

۱۔ مومن کامل زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے مگر دل سے جانتا ہے کہ لاموجود الا اللہ یعنی الا اللہ قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

۲۔ مقطع نبوّت کا مطلع امامت ہے کا مطلب صاف ہے کہ نبوّت کے ختم ہونے کے بعد امامت نے اِس کی جگہ لے لی یعنی امامت خاتم نبوت ہے جس نے نبوّت کو ختم کردیا تھا۔

پس لازم آیا کہ نبیؐ کے یومِ وفات پر امامت کے طلوع ہونے کا جشن منایا جائے اور منایا جارہا ہے۔ سادہ لوح سُنیوں سے کہدیا گیا کہ رسُول کا یومِ ولادت بھی یہی تھا اور اُنہوں نے تسلیم کرلیا۔ اِس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ یومِ وفات کا سوگ منانے سے بہتر ہے کہ ولادت کا جشن منایا جائے۔ چنانچہ اب کراچی میں یہ جشن اُسطرح منایا جاتا ہے کہ اِس نے محرّم کے جلوسوں کو پیچھے ڈال دیا ہے۔

اب یہی روایتیں ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں اور ہر سال ہمارے ایمان کو تازہ کرنے کے لئے سُنائی جاتی ہیں۔ افسوس مُسلمان اپنے رسُولؐ کے یومِ رحلت کو برسی منانے کے بجائے یومِ ولادت کہکر اِس دن خوشیاں مناتے اور چراغاں کرتے ہیں۔ مگر ۱۱ ستمبر کو جو قائداعظم کا یومِ وفات ہے کوئی شادی رچادے تو اسکی جان کو آجائیں بلکہ پنڈال میں آگ لگا دیں۔

عیدِ عاشورہ

عاشورہ کی تحقیق مُشکل ہے۔ لُغات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عشرہ سے مشتق ہے اور کسی دس روزہ تہوار کی نشاندہی کرتا ہے مگر یہ غلط ہے۔ ہماری روایتوں میں ہے کہ حضرت عبدُاللہ عبّاسؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا۔ پُوچھا تو معلوم

ہوا کہ اِس دن موسیٰ فرعون پر غالب آئے تھے۔ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے کہا تم موسیٰ کے یہودیوں سے زیادہ حق دار ہو (بخاری)

غالباً امام بخاری علومِ باطنی سے نابلد نہ تھے۔ عبداللہ بن عبّاس کی کوئی روایت کے ذریعہ انہوں نے رسول اللہ پر اتہام لگا دیا کہ وہ جو کچھ یہود و نصاریٰ کو کرتے دیکھتے تھے، کرنے لگتے تھے۔ اور اسی کو اسلام کا نام دیدیتے تھے۔ منافقین و کفار بھی یہی کہتے رہے ہیں۔ مگر قرآن نے ایسے مفسدانہ الزامات سے رسولؐ کو بری کر دیا ہے۔

قرآن نے رسولؐ سے کہا یہودی سنیچر کو یوم سبت مناتے ہیں اور چھٹی کرتے ہیں تم جمعہ کو خاص اجتماع کیا کرو۔ یہود و نصاریٰ بیت المقدس کا سجدہ کرتے ہیں تم کعبہ کا کرو اور یہ دونوں حکم جاننے والا رسولؐ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ میری اُمّتِ موسیٰ کی سُنّت کی زیادہ حقدار ہے۔

بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ عاشورے کا روزہ بطور سُنّت موسیٰ شروع کیا گیا تھا۔ تو معلوم کرنا پڑے گا کہ موسیٰ نے اِس دن روزہ رکھنے کی کیا وجہ بتائی تھی۔ اور یہودی کیوں روزہ رکھتے تھے؟

مذکورہ حدیث میں ہے کہ اِس روز موسیٰ کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا۔ جو محض غلط ہے۔ اُن پر فرعون کی دہشت تو کچھ اُس طرح طاری تھی کہ لاکھوں بچوں اور بوڑھوں کو لیکر دریا میں کود پڑے اور جب معلوم ہوا کہ فرعون مر چکا ہے تب بھی مصر جانے کی ہمت نہ کر سکے۔ اُسے غلبہ کہنا محض کوئی صنعت ہے۔ اگر یومِ نجات کہتے تو بات بن جاتی۔ کیونکہ انجیل مقدس میں اِس کا نام ایکسوڈس (EXODUS) بتلایا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ فرار ہو سکتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ موسیٰ مع قوم کے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

انجیل میں دیکھا تو معلوم ہوا یہودی اس یومِ نجات کی خوشیاں سات دن مناتے تھے اور شکرانہ ادا کرتے تھے۔ اِن دنوں میں بے خمیر کی روٹیاں کھاتے تھے۔ مگر روزہ رکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔

اِس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّل یہ کہ یہودی روزہ نہیں رکھتے تھے۔ دوسری یہ کہ یہ سات دن کا تیوہار تھا۔ دس دن کا نہ تھا۔ اِس لئے اِس کا نام عاشورہ

نہیں ہو سکتا، سباعیہ ہونا چاہیئے۔ یقیناً ہمارے باطنی بھائیوں نے ۶۰ ہجری کے کربلائی واقعہ کی تقدیس بڑھانے کے لئے یہ بے پر کی روایت رسولؐ سے منسوب کر دی ہے۔ اور اپنے آشورہ کو عاشورہ بنا دیا ہے۔

چنانچہ اِس عاشورہ کی تلاش میں انجیل مُقدّس کا حسب ذیل اقتباس "لائف میگزین" کے اپریل، ۱۹۶۶ء کے شمارے سے مل گیا، جو فاتحین گھس آئے کے عنوان سے لکھتا ہے۔

"یہودیوں کی اندرونی پھوٹ کا مداوا کرنے کے لئے تاریخ انتظار نہ کر سکی۔ انجیل کے باب بادشاہ اور اُن کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شمال میں آسیریوں (عاشوریوں) کی خطرناک قوت آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ عاشور ناصر پال اور اِس کے جانشینوں نے اِس زمانے کی سب سے خطرناک جنگی مشینری تیار کر لی جو ظلم و جور کا بدترین نمونہ کہلائی جا سکتی تھی۔ جس کے بارے میں کتبے موجود ہیں۔

"بلند پہاڑیوں کے درمیان میں نے اُنہیں ذبح کر ڈالا۔ عاشور ناصر پال نے لکھا ان کے خون سے میں نے پہاڑوں کو دیواروں کی طرح پوت دیا۔ میں نے وادیاں اور چوٹیاں سیاہ کر دیں۔ اِن کے نوجوانوں اور نوخیز لڑکیوں کو میں نے آگ میں جلا دیا۔ اِس عذابِ الٰہی کو سر پر دیکھ کر لڑاکا یہودی اپنی الم انگیز منزل کی طرف بھاگے اور اقصائے عالم میں منتشر ہو گئے۔

بائرن لکھتا ہے کہ "۷۲۲ قبل مسیح میں عاشوری، پہاڑوں سے اُترے اور یہودیوں پر اِس طرح حملہ آور ہوئے جیسے بھیڑیئے بکریوں پر جھپٹے ہیں اور بنی اسرائیل کو ختم کر دیا۔ دو لاکھ قیدی پکڑ لے گئے اور اُن کو غلام بنا لیا۔"

حاران اُر ا (عاشور دریائے دجلہ پر اِس وقت بابلی تہذیب کے بڑے شہر تھے۔ یہودی یہاں تجارت کرنے کرتے رہتے تھے۔ اُن کو بابلی زبان میں اپیرو کہا جاتا تھا۔ یعنی ننگے پاؤں پھرنے والے خانہ بدوش۔ یہی لفظ بعد کو ہبرو اور عبرو یا عبرانی بن گیا۔

بچے کھچے یہودی بھاگ کر بابلیوں کے علاقے میں پناہ گزیں ہوئے اور آباد ہو گئے حبکوک نبی نے اپنی اِس مصیبت کا ذکر اِس طرح کیا ہے۔ عاشوری گویا اللہ کا قہر اور عذاب تھے

اُن کے گھوڑے بھیڑیوں سے زیادہ تیز تھے۔ وہ اپنے غلاموں کو ریت کے ڈھیر کی طرح سمیٹتے تھے بادشاہوں کو ذلیل کرتے اور سرداروں کا شکار کھیلتے تھے۔ ہماری فصیلوں پر وہ ہنستے تھے اُنکے گرد ریت جمع کرکے شہروں میں کود آتے اور فتح کر لیتے۔ پھر بادِ سموم کی طرح جھاڑ دیکر واپس ہو جاتے یہ بدکار ظالم صرف اپنی قوت کو خدا سمجھتے تھے یہودی اِن کی غلامی میں ۵۹ سال رہے۔"

چند سال بعد معلوم ہوتا ہے کہ بابلیوں نے بھی اِن کو غلام بنا لیا اور مظالم کرنے لگے۔ مگر اِس دور کو اُنہوں نے اللہ کو یاد کر کے گزارا اور اُمید رکھی کہ ایکدن اُس غلامی سے نجات ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک اجنبی آیا اور اِس نے نجات دلادی۔ ایران کے بادشاہ سائرس نے بابل پر حملہ کر دیا۔ اور اُسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اِس نے کتبہ لکھوایا۔ خدائے بزرگ یعنی آسمانوں کے بادشاہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یروشلم میں ایک مقدس گھر بنا دوں۔ تم میں سے جو کوئی وہاں جانا چاہے جا کر آباد ہو جائے۔

یہ زمانہ ۵۳۹ قبل مسیح کا ہے۔ چنانچہ عذرا نبی کی سرکردگی میں یہودی خوشی خوشی پھر اپنے وطن واپس آئے اور بس گئے۔ اُس وقت سے آج تک یہودی اپنی قوم کی اِس سزا کو یاد کرتے اور روتے ہیں۔ اور عاشور ناصرپال کی جان کو دُعائیں دیتے ہیں خاص کر بیت المقدس میں دیوار گریہ کے پاس دس دن تک رونا بے حد ثواب سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ ہمارے باطنی بھائیوں نے اہل شام کے اِن مظالم کی تمثیل اسلام میں شامل کرنے کیلئے یزیدؒ کو عاشور ثانی قرار دیدیا اور وہ ساری روایتیں، اشعار اور انجیل کی آیتیں اِس سانحہ پر چسپاں کر کے ایک اسلامی دیو مالا تیار کر لی۔

شارٹ انسائکلوپیڈیا آف اسلام مطبوعہ لوزیک اینڈ کو لندن میں گبس لکھتا ہے۔

"عاشورہ یا آشورہ کو مسلمانوں نے خلط ملط کر لیا ہے۔ آشورہ مغرب و مراکش میں ایک عید کا تہوار تھا جس میں چراغاں اور آتش بازی کے تماشے ہوتے تھے۔ آگ کے ایک الاؤ کے گرد لوگ ناچتے اور ایک دوسرے پر پانی کیچڑ اور رنگ پھینکتے۔ یہ لوگ ہاتھوں میں ہری شاخیں لیکر ناچتے اور آخر میں ایک جنازہ نکالتے جس کے پیچھے مرد اور عورتیں ماتم کرتے نکلتے تھے۔ مرد عموماً پھٹے کپڑے پہنے ہوتے اور بعض جانوروں کی کھالیں ڈال لیتے تھے

عاشورہ اہلِ مغرب کے لئے دراصل پرانے سال کا سوگ اور نئے سال کی مسرت ایک جشن تھا۔ اِس میں غم اور خوشی کا ساتھ ساتھ مظاہرہ کیا جاتا تھا۔"

آگے لکھتا ہے، شیعہ فرقے نے اُنہی رسموں کو جو پہلے شمسی سال کے حساب سے موسم بہار میں منائی جاتی تھیں ہلالی و قمری سال کے شروع (ماہ محرّم) میں منانا شروع کر دیا۔ اور اِس کا تعلق حسینؓ کے واقعہ کربلا سے کر دیا۔ ورنہ آشورہ عربی لفظ نہیں ہے یہ ارمی لفظ ہے جس کے معنی عظیم یوم نجات ہیں۔

یعنی ہماری تحقیق کی کی توثیق ہو گئی۔ یہ دس دن یہودیوں کے لئے سوگ کے دن تھے۔ اِن میں عاشور ناصرپال شامی بادشاہ کے مظالم کو یاد کر کے رویا جاتا تھا۔ اتفاق سے یزیدؒ بھی شام کا والی تھا۔ بس موقعہ مِل گیا۔ وہ ساری کہانیاں قصے اُنہوں نے اِس کے سر تھوپ دیئے۔ یہودی آج تک یہ دس دن کا تیوہار منا رہے ہیں فلسطین میں دیوار گریہ بھی موجود ہے جس کے گرد جمع ہو کر صدیوں سے یہ سوگ منایا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو تہذیب بابل ورثے میں ملی تو اِس کے ہیرو اور ویلین کے نام بدل ڈالے گئے۔ مگر سوانگ سب وہی رہے۔ اور عوام جاننے سے عاری ہیں کہ یہ سوگ ہے یا سوانگ۔ ہمارے ایک بزرگ نے سو سال پہلے اِس کا نقشہ کچھ اِس طرح کھینچا تھا۔

تعزیوں پر بھی یہی ہے ماجرا ۔۔۔ بلکہ اِن پر دھوم ہے اِس سے سوا

وقت شب ہے ساتھ ہیں سب آشنا ۔۔۔ ہاتھ پکڑا جھٹ سے بوسہ لے لیا

شہوت افزا کوچہ و بازار ہیں ۔۔۔ (مارق الاشرار، شیخ فتح اللہ)

متعلقات عاشورہ

عاشورہ جیسا کہ ہم نے ابھی تبلایا ہے، دراصل آشوریہ سے متعلق ہے۔ آشوریہ عجمیوں کا نام ہے جس کے معنی ہیں سورج کو پوجنے والوں کا دیس۔ سنسکرت میں اِس قوم کو آسُر کہا گیا ہے۔ اب صرف شام کے علاقے کو اسیریا یا سیریا کہا جاتا ہے۔ مگر نقشے میں عراق بھی آشوریہ تھا، محرّم میں دراصل حضرت حسین کا نہیں بلکہ اِس آتش پرست قوم کی تباہی کا سوگ منایا جاتا ہے جسے ۱۶ھ میں خلیفہ اسلام سیدنا عمر بن خطاب نے تہس نہس کر کے اِسکی ساری نسلی برتری

کا زخم ختم کر دیا تھا۔

علم چنانچہ اس علم کو دیکھئے جو محرم میں نکالتے ہیں جس پر چاندی یا کسی دھات کا پنجہ لگا ہوتا ہے۔ اور پرچم کے لئے سیاہ کپڑا مچھلی یا مشک کی شکل کا پھڑپھڑاتا رہتا ہے۔ کیا یہ حسینی علم ہے؟ جی نہیں، یہ درفش کاویانی کا نمونہ ہے۔ مرزا غالب اس علم کے بارے میں نوحہ خواں ہیں۔

جب خلیفہ ثانی کے عہد میں یزدگرد مارا گیا اور اس پر اعراب (یہاں حقارتاً عربوں کو اعراب لکھا گیا ہے جس کے معنی اجڈ بدو کے ہیں) مسلط ہوئے۔ درفش کاویانی کا جواہر آمیز جھنڈا پارہ پارہ ہو کر غازیانِ اسلام پر بٹ گیا (ہائے دل ٹوٹ جاتا ہے) کتاب خانے پارس کے کیا بادشاہی کیا رعایا کے چولھے میں جھونکے گئے یعنی ان سے حمام گرم ہوئے۔

(خطوطِ غالب ۵۹)

یہ ہے اس علم کی اہمیت جو لوہار کی دھونکنی سے بنا تھا جو اب حضرت عباس کا علم کہلاتا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ عباس کے معنی شیر کے ہیں اور وہ شیر کون ہے آپ کو معلوم ہے۔

دلدل وہ گھوڑا جو محرم میں سجا کر نکالا جاتا ہے اس پر خون کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں اور پیٹھ پر ایک پنجہ نصب کیا جاتا ہے۔ جو پنجتن کی نمائندگی کرتا ہے۔ نہ کہ کسی کے کٹے ہوئے ہاتھ کی۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ دلدل رسول اللہ کی سواری میں رہا تھا۔ جو محض جھوٹ ہے۔ ان کا وصال ۱۱ھ میں ہوا۔ کربلا کا واقعہ ۶۰ھ میں پیش آیا۔ گھڑ سوار جانتے ہیں کہ گھوڑا پچاس سال نہیں جیتا اور جئے تو اس کا حال بقول سودا یہ ہو جاتا ہے کہ

آگے سے تو بڑا اسے دکھلائے گا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے گا لاٹھی سے مار مار

تو حضرت حسین ایسے گھوڑے پر بیٹھ کر نکلنے سے رہے۔ پھر تو یقیناً کوئی اور گھوڑا ہے جس کا سوار غائب ہے اور قوم سوار کی واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔ گزشتہ صفحات میں

آپ نے پڑھا ہے کہ نمرود بابل سے بھاگ گیا۔ چند روز بعد اس کا گھوڑا واپس آ گیا۔ لوگ جا کر گھوڑے سے لپٹ گئے اور دھاڑیں مار مار کر روتے رہے۔ نمرود کی ماں نے بتایا کہ وہ ایک رات کو خاموشی سے واپس آ جائے گا تم انتظار کرو۔ چنانچہ لوگ سال بہ سال اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے اور گھوڑے کو گلی گلی گھماتے رہے۔ یہی آج تک کر رہے ہیں۔ یونانی اس گھوڑے کو یونی کارن کہتے تھے۔ ہندو ویدوں میں اس کا نام اچی شیرو لکھا ہے۔ اور ہم اسے دلدل کہتے ہیں۔

تعزیہ تیلیوں اور کاغذ کا بنا ہوا مقبرہ جسے تعزیہ کہا جاتا ہے۔ حضرت حسین کا خیمہ تو کسی طرح معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ یہ یونان کے اولو دیوتا کا محل ضرور معلوم ہوتا ہے جو البس کی برف پوش چوٹی پر ہے یا اندر دیوتا کا محل ہو جو کوہ قاف میں ہے جہاں پریاں ناچتی ہیں۔ وہاں سے آنے جانے کیلئے اندر دیوتا کے پاس اڑنے والا گھوڑا بھی ہے جس کا رنگ سبز ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں نے کبھی اس تعزیہ کو اہمیت نہ دی۔ ہمارے کسی بزرگ نے

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے اِس طرح طبع آزمائی کی تھی ۔ ؎

تعزیہ بھی خوب ہے زینت بھرا — فرش ہے اور روشنی ہے جابجا
سجدہ ہے تعظیم ہے گویا ہے خدا — بعد دس دن کے اُسے ٹکڑے کیا
جس پہ خلقت نے کہا دُھنکا ہے — یعنی تم کیسے ہو مردم بے ایماں
تُوڑ ڈالا اپنا معبُود الاماں (محرق الاشرار)

بُراق

کہتے ہیں عجمیوں نے بُراق دیکھا ہے اور اسکی تصویر اُتاری ہے ۔ کسی نائی کی دکان پر جائیے ۔ ایک پردار گھوڑی کی تصویر ٹنگی ہوگی ۔ جس کا چہرہ دختا فراسیاب کی طرح حسین ہے ۔ دُم کے مقام پر مور کے پر پیوست ہونگے اور وہ فضا میں اُڑ رہی ہے ۔

اِسلام میں تصویر کشی حرام ہے ۔ اور وہ بھی عورت کی تصویر ۔ پھر بُراق کی تصویر مسلمانوں نے کیوں قبول کرلی ۔ احتجاج کیوں نہیں کرتے ۔ اِس تصویر کے ماخذ کو سمجھانے کے لئے ہم نے اولمپس کے گرد اڑنے والا گھوڑا اور اپولو دیوتا کا محل پیش کیا ہے ۔

تیسرے باب میں آپ عجمیوں کے پت بوں کو دیکھ چکے ہیں جو اُڑنے والے بیل یا سانڈ کی شکل میں پُوجا جاتا تھا ۔ مگر مُسلمانوں کو اُڑنے والی گھوڑی دی گئی ہے ۔ نہ جانے کیوں ۔ اِس پر جل کر ہمارے ایک بزرگ فتح اللہ مرحوم نے طبع آزمائی فرمائی تھی ۔ ؎

دوستو بُت خانے میں ہوتا ہے کیا — غیر تصویرات مخلُوقِ خُدا
تعزیہ خانے میں ہے پھر کیا دھرا — وہ ہے بُت خانہ بُراق اس کا گدھا
راکب ایک دجال خر بردار ہے
یعنی راکب صُورت دجال ہے — اور سواری کو گدھا چنڈال ہے
مور چھل شیطاں لئے دنبال ہے — اسکی خدمت میں بہت خوشحال ہے
ولئے اس دانش پہ اور پھٹکار ہے

فضائلِ دُرُود و فاتحہ

نماز یا صلوٰۃ

قرآن میں اِسلامی عبادت کا نام صلوٰۃ ہے ۔ مگر آپ نماز پڑھتے ہیں اور صلات کو نہیں جانتے ۔ عجمیوں نے صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کر دیا تھا ۔ تاکہ عجمیوں اور عربوں میں اختلاف پیدا ہو جائے ۔ مگر ہم صلات کا ترجمہ پُوجا کر دیں تو آپ کو غصہ آ جائے گا ۔ حالانکہ پُوجا اور نماز ہم معنیٰ الفاظ ہیں ۔

ظاہر ہے کہ پُوجا وہ عبادت ہے جو کسی بُت یا جانور کو خُدا سمجھ کر عاجزی سے جُھک کر اور ہاتھ جوڑ کر ادا کی جاتی ہے یا پھر برہمن یا پنڈت کو بُلا کر اِس سے کچھ جنتر منتر پڑھوایا جاتا ہے جو عوام کی سمجھ میں نہیں آتا سُن لینے سے ثواب سب کو پہنچ جاتا ہے ۔ پس برہمن کو دکشنا دیتے اور اُس کے پاؤں چھوتے ہیں کہ وہ پُوجا یا نماز کر جائے ۔

صلات وہ عبادت ہے جو ہر اِنسان کو بلا واسطہ ، بلا وسیلہ اور بالراست اپنے مالک ، پالنے والے ، اور پیدا کرنے والے اللہ کے حضور کھڑا کر دیتی ہے ۔ اور اجازت دیتی ہے کہ بندہ اپنے آقا سے جو چاہے مانگ لے ۔ جو درخواست کرنا چاہے اس کے حضور پیش کر دے ۔ بلکہ یہ آقا تو ایسا ہے کہ اپنے بندے کا حال بلا کہے بھی جان جاتا ہے ۔ صرف اس کے حضور کھڑے ہونے کا ارادہ شرط ہے ۔ یعنی پورے یقین کے ساتھ کسی کونے میں مصلیٰ بچھا کر کھڑا ہو یا

مسجد میں حاضر ہو جائے۔ بلکہ سفر و حضر میں جہاں جس حال میں ہو اُس کی طرف توجہ کرے تو اُس کا مالک اُسے دیکھے گا۔ اور اُس کی معرُوضات سُنے گا۔

چنانچہ صلات ہی وہ عبادت تھی جس کی طرف مُسلمان اللہ اکبر کی صدا سُنتے ہی دوڑ پڑتے تھے اور صف در صف کھڑے ہو جاتے تھے جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔ اور ظاہر ہے اس دیوار سے ٹکرانا آسان کام نہ تھا پس عجمی اس صف بندی میں رخنے ڈالنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ چنانچہ جناب صف در کی معرفت مُسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کیا۔ کوئی شیعہ امامیہ بنا۔ کوئی باطنی اسماعیلیہ کوئی خارجی کوئی معتزلہ، جبریہ، قدریہ، کچھ صُوفی بنے، کچھ قلندر، اور سب نے اپنی علیحدہ فقہ تیار کی، ہر فرقے کی نماز مختلف ہو گئی، کوئی ہاتھ باندھ کر کوئی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے لگا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دُوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا حرام قرار پایا جو آج تک جاری ہے، وھابی کی مسجد میں بدعتی بریلوی نہیں جاتا اور بریلوی کی مسجد میں دیوبندی قدم نہیں رکھتا۔ اور بتلاتا ہے کہ بریلوی اپنی مسجد میں محمدؐ، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ لکھ کر انہی پنجتن کو سجدے کرتے اور پُوجتے ہیں۔

یہی افتراق پیدا کرنے کے لئے اِن کے بزرگوں نے عمداً اور شرارتاً اللہ کو خُدا بنا دیا، صلات کو نماز کر دیا۔ صلوٰۃِ الرسُول کو دُرود کہنے لگے، صوم کو روزہ کر دیا۔ اور جہاد کو اسلام سے خارج کر کے دم لیا۔ اور ان چیزوں کا اتنا چرچا کیا کہ مُسلمان تلوار چھوڑ کر دُرود فاتحہ اور دُعاؤں میں لگ گیا اور بھُول گیا کہ دُنیا کی امامت اُسے سونپی گئی تھی۔ اب اِس قوم کا حشر دیکھئے۔ ساری بہادری اس میں ہے کہ مُحرّم میں یہ تلوار لے کر ناچتے پھریں۔ اور گائیں۔ ؎

ھائے میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ

مرگئے مُردُود نہ فاتحہ نہ دُرُود

یہ مقُولہ یا شاید حدیث شریف سُنتے ہی آپ کے ذہن میں یہ بات جم جاتی ہے کہ فاتحہ دُرود مُردوں سے متعلق دُعائیں ہیں یا رسمیں ہیں جو مُشرکین کے کریا کرم سُوگ ماتم وغیرہ کے بدلے مُسلمانوں کو سکھائی گئی ہیں تاکہ وہ بھی اپنے بزرگوں کو بخشوالیں حالانکہ اِسلام کو ایسے مراسم سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ رسمیں خالص بابلی تہذیب سے لی ہوئی ہیں جنہیں ہمارے عجمی صُوفیوں نے اِسلام میں شامل کر دیا ہے۔ چنانچہ سندھ کے مشہور صُوفی جی ایم سیّد کو اعتراف ہے۔ وہ اپنی مشہور کتاب جیسا میں نے دیکھا" میں لکھتے ہیں کہ ؎

ویدانت اور وحدت الوجود کا نظریہ

یہ دُونوں نام فی الحقیقت ایک ہی قِسم کے نظریہ کے ہیں بظاہر اِن میں ایک اہلِ ہنود اور دُوسرا اہلِ اِسلام (صُوفیت) کی فکر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ابتدا سے لیکر آج تک ہر مُلک اور ہر قوم کے حقیقت شناس افراد اِس اعلیٰ نظریہ کی آبیاری کرتے آئے ہیں۔ اِس عقیدے کے مُطابق روح اور مادہ دو جُدا جُدا وجُود نہ تھے۔ حقیقی وجود صِرف ذاتِ الٰہی کا تھا۔ مادہ اور روح سب اِسی ذاتِ حقیقی کے مظہرِ صفات ہیں۔ اِنسانوں اور جانداروں کی علیحدہ علیحدہ روحوں کی خلقت کا تصوّر فریبِ نظر ہے۔ اِن کی حیثیت آفتاب الٰہی کی کرنوں جیسی، یا بحرِ حقیقت کے قطروں کی مثال ہے جن کا کوئی مفرد یا مجرد وجُود نہیں۔ سب کا منبع و مرکز واحد مطلق ہے۔ ص۳۴۔

سیّد صاحب نے بتلایا کہ وحدت الوجود یعنی "ہمہ اوست" کا تصوّر ہندو مقدس کتاب وید سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور آفتاب پرستوں کا یہ عقیدہ صحیح تھا کہ روح اور مادہ دُو علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ مبدا، نور آفتاب کی کرنوں کی طرح جو آفتاب سے لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں پھُوٹتی اور پھر اپنے مرکز پر واپس پہنچ جاتی ہیں۔ یا جیسے پانی بھاپ بن کر اُٹھتا

ٹھنڈا ہو کر میدانوں اور پہاڑوں پر برستا ہے۔ اور کبھی برف اور کہیں اولے بھی بن جاتا ہے۔ مگر بالآخر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعہ اُسی سمندر سے جا ملتا ہے اُسی طرح روح اور مادہ بھی کوئی خاص وجود نہیں ہیں۔ بلکہ خُدا کی مختلف شکلیں ہیں جو کائنات کی مختلف چیزوں میں مختلف انداز سے جلوہ نما ہوتی ہیں۔ اور پھر اپنی اصل سے مِل جاتی ہیں۔

یہ گورکھ دھندا محض لوگوں کو گمراہ کرنے اور حیران کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ تاکہ انسان اپنے خالق حقیقی کو چھوڑ کر اس کی مخلُوق کو پُوجنے لگے۔ اور یہ ایک کامیاب حربہ تھا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مُسلمان بھی ہندُوؤں کی طرح شیرِ خُدا دُلدُل، تعزیہ اور مزاروں، مقبروں اور اُن میں مدفُون مُردہ بزرگوں میں خُدائی جلوہ دیکھنے لگے۔ اور اُن سے اُمید رکھنے لگے کہ وہ اپنی اصل سے مِل کر اپنے پرستاروں کی سفارش کروا سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ دُنیا بھر کے مُشرکوں میں رائج رہا ہے۔ اور اب بھی موجود ہے ؎

مُردوں کا احترام

چنانچہ تہذیبِ بابل کے بارے میں آپ شروع میں مُطالعہ کر چکے ہیں کہ اہلِ بابل اپنے مُردوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ بلکہ اِن کا کوئی بڑا آدمی مرجاتا تو اِس کو خُداؤں کے زمرے میں شامل کر لیتے تھے اِس کا شاندار مقبرہ بناتے اور اِس کا بُت نصب کرتے۔ اِن پر پھول اور خُوشبو چڑھاتے۔ اور سمجھتے تھے کہ اُس سے مرنے والوں کی روحیں خوش ہوتی ہیں۔ اُن کے مراتب بڑھتے ہیں بلکہ وہ رُوحانی دُنیا میں دُوسرے خُداؤں پر اپنے پرستاروں کی تعداد کے مُطابق مرتبہ و اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر خوش ہو کر اپنے پرستاروں کو اِن کی پرستش کے معیار کے مُطابق نوازتے ہیں۔

قدیم مصری تہذیب میں بھی مُردوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ کیتھ الیس کوپر لکھتا ہے۔

"مصریوں کا عقیدہ تھا کہ انسان جس قسم کی زندگی اِس دُنیا میں گزارتا ہے مرنے کے بعد بھی ویسی ہی زندگی سے دوچار رہتا ہے۔ یعنی وہاں بھی وہ کھاتا، پیتا، اوڑھتا، پہنتا ہے۔ اور زندوں کی طرح دنیا کی چیزوں سے لُطف اُٹھاتا ہے۔ اُس لئے وہ اِن کے مقبروں میں کھانے پینے کی چیزیں کپڑے، میز، کرسیاں، پلنگ، زیور اور ہتھیار رکھ دیتے تھے۔ اِن کے مقبروں کی دیواروں پر تصویریں بنا دیتے اور ستونوں کو بیل بوٹوں سے سجا دیتے تھے۔ مصر میں پُرانے مقبرے کثرت سے ہیں۔ یہ اہرام کہلاتے ہیں۔ اِن میں ممفس کا اہرام مشہور ہے۔

"عالمی ڈائجسٹ" کراچی، بابت ماہ مئی ۱۹۶۶ء میں رُوحوں کی پرستش پر ابن نظر لکھتے ہیں کہ "مُردہ پرستی کی ضمن میں نہ جانتے ہوئے بھی کہ رُوح کیا ہے۔ ہر دور اور ہر مذہب کا انسان اِس کے متعلق سوچتا رہا ہے۔ شاید اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ رہنا چاہتا ہے۔ اِسی لئے اپنے اجداد کی رُوحوں کو خوش کرنے کیلئے اور اِن سے بہتر برتاؤ کی اُمید میں اِن کی رفاقت بلکہ حکومت کو تسلیم کر کے اِن کے آگے سربسجود ہو جاتا ہے تاکہ اُس کی اپنی آئندہ منزلیں آسان ہو جائیں اور وہ دُوسری دُنیا میں اجنبی کی طرح داخل نہ ہو۔ اُسے پُوچھنے والے اور اُس کی مدد کرنے والے پہلے سے موجود ہوں"۔

حبشہ کے قدیم باشندوں کے عقائد تھے کہ "بدرُوحیں اندھیروں میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ اِن بدرُوحوں کو بھگانے کے لئے مخصُوص درختوں کو جلا دیا جاتا۔ وہ رُوحوں کے انتقامی جذبات سے ہمیشہ خائف رہتے اور سمجھتے کہ جو لوگ زندگی میں اپنے مخالفوں سے بدلہ نہیں لے سکتے وہ مرنے کے بعد اُلّو کی شکل میں نمودار ہو کر بدلہ لے سکتے ہیں"۔

اِسی طرح ہندُوستان میں مُردہ پرستی کے بارے میں فرماتے ہیں "مُردہ جلانے کی رسم بھی مُردہ پرستی کی ایک شکل ہے۔ مُردے سے خوفزدہ ہو کر اِس سے

دائمی چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے اِسے جلا دینا مناسب سمجھا گیا۔ ہندو عقیدہ ہے کہ رُوح اپنے جسم سے اِس وقت تک علیحدہ نہیں ہوتی جب تک کہ جسم مکمل طور پر تباہ نہ ہو جائے اِسی وجہ سے پرانے زمانے میں نہ صرف جسم جلا دیا جاتا تھا۔ بلکہ متوفی کا ساز و سامان ملکیت اور مکان کو بھی آگ لگا دی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اِس کی بیوی کو بھی زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ تاکہ مرنے والے کو اِس دُنیا سے کوئی لگاؤ باقی نہ رہے۔ اور وہ اطمینان سے دُوسری دُنیا میں مع اپنی بیوی اور املاک کے رہ سکے۔ اور اِس دُنیا والوں کو نہ ستائے۔

مگر اِسلام نے اُن تمام واہموں کا سدِ باب کر دیا۔ مُردوں اور اِن کی رُوحوں کی برتری، ان کی فیض رسانی یا ایذا رسانی کا تصوّر خالص آریائی اور ہندو عقیدہ ہے۔ جسے اِسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی پیدائش، زندگی اور موت کے بارے میں واضح حقائق بتلا دیئے ہیں کہ اِنسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ط ۵۵

یعنی اِسی سے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اِسی میں تم واپس جاؤ گے اور پھر اِسی سے تمکو اُٹھا کر کھڑا کر دے گا۔

اب یہ سمجھنے والے کہ مرنے کے بعد قبر میں بعض لوگ زندہ رہتے ہیں یا بعض لوگوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ اور وہ باہر سے سلام و کلام کرنے والوں کی باتیں سُنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں محض ہندو عقائد ہیں جنہیں عجمی مُفسرین و محدثین نے اِسلام میں داخل کر دیا ہے اور قرآن حکیم کی تکذیب کی ہے۔ قرآن نے رسُول اللہ سے کہدیا ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ط تم بھی مر جاؤ گے اور دُوسرے بھی مر جائیں گے (زمر۔ ۳۲)

اور سورۂ نمل میں کہا۔ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ تم مُردوں کو اپنی بات نہیں سُنا سکتے۔ اور سورۂ فاطر۔ ۲۲ فرمایا وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ تم قبروں میں پڑے ہوئے مُردوں کو اپنی باتیں نہیں سُنا سکتے۔ اور سورۂ احقاف ۵-۶

میں فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ اِس سے زیادہ گمراہ (جاہل) کون ہوگا جو مُردوں کو پکارتا ہے۔ حالانکہ وہ اُسے قیامت تک جواب نہ دے سکیں گے۔ اور نہیں جانتے کہ یہ کیا مانگ رہے ہیں۔

چنانچہ اِسلامی عقائد یہ ہیں کہ مرنے کے بعد اِنسان خُود اپنے لئے بھی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ نہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ نہ روزہ رکھ سکتا ہے۔ نہ حج کر سکتا ہے۔ نہ زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ زندگی میں جو کچھ کر لیا اِسی کا حساب ہوگا۔ اور اعمال میں کوئی کمی بیشی نہ ہوگی۔ پھر دُوسروں کے لئے کچھ کر سکنا تو یہ کافروں اور مُشرکوں کا عقیدہ ہو سکتا ہے اسے اِسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ (بقرہ ۱۳۴) مُردہ بزرگوں کو اِن کے اعمال کا صلہ ملے گا اور تُم کو تمہارے اعمال کا۔

فاتحہ کے معنیٰ

عربی میں فتح کے معنیٰ کھولنے کے ہیں۔ اِسی فتح سے فاتحہ بنا ہے۔ جس کے معنیٰ ہوئے کھولنے والی۔ یعنی قرآن کا دروازہ کھولنے والی جس کو عرفِ عام میں دیباچہ یا عرضِ حال وغیرہ کہتے ہیں۔ ابو الکلام آزاد نے اِس کا نام اُمّ الکتاب بتلایا ہے اور اِس کی تفسیر لکھی ہے کہ یہ سات آیتیں قرآن کی ساری تعلیم پر حاوی ہیں اور یہی مقصد ہوتا ہے۔ دیباچے، مقدمے، یا پیش لفظ کا کہ مختصر الفاظ میں بتلا دے کہ کتاب میں کیا لکھا ہے اور کیوں لکھا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا فاتحہ ویسا ہی جامع اور مختصر لکھوا دیا ہے۔

عجمیوں نے اسے مُردوں کی دُعا بنا دیا ہے۔ اور بتلایا کہ فاتحہ پڑھنے سے مُردے کو ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ اس میں ایک لفظ بھی مُردوں سے متعلق نہیں جیسا کہ اِس کے ترجمے سے ظاہر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

(۱) حمد و ثنا کے لائق صرف اللہ ہے۔
جو تمام عالموں (دُنیاؤں) کا پالنے والا ہے۔

(۲) وہ بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔
(۳) وہی ہمارے روزِ حساب کا مالک ہے۔
(۴) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں
(۵) اے اللہ ہمیں سیدھی راہ چلا۔
(۶) وہ راہ جس پر تو اپنے انعام کردہ بندوں کو چلاتا ہے۔
(۷) نہ کہ اُن کی راہ جن سے تو ناراض ہے یا جو گمراہ ہیں۔

دیکھئے اس سورۂ مبارک میں مُردوں سے متعلق کیا ہے جو پڑھ کر بخشنے سے انہیں فائدہ ہو۔ اگر سورۂ فاتحہ سے مُردے کو کوئی فائدہ ہوتا تو یہ نمازِ جنازہ میں ضرور شامل کی جاتی مگر نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی۔

دُرود یا صلات

فاتحہ کی طرح دُرود بھی ایک ایسی دُعا بتلائی جاتی ہے جو رسُول کے لئے مخصُوص ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی مسلمان دُنیا کے کسی مقام پر دُرود پڑھتا ہے تو وہ رسُول مقبول علیہ السّلام کو طشت میں رکھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ دُوسری رِوایتوں میں ہے کہ جب تک رسُول پر درود نہ پڑھا جائے کوئی دُعا آسمان کی طرف نہیں جاسکتی پس دُرود شریف آسمان آسمان کی کنجی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر لفظ دُرود ایک فارسی لفظ ہے جس کا مصدر دُرودن ہے اور معنی ہیں کاٹنا بلکہ جڑ سے کاٹنا چنانچہ عُرفِ عام میں اِسے فصل کاٹنے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جیسے اقبال نے کہا ہے

پا چکا فرصت دُرودِ فصل انجم سے سپہر
کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتاب آئنہ ساز

ہمارے عجمی اسلام میں دُرود کے معنیٰ اللہ کی طرف سے رحمت، بندے کی طرف سے دُعا تسبیح اور تحفہ وغیرہ بتلائے گئے ہیں۔ اور اِسے صلوٰۃ الرسُول کا ترجمہ قرار دیا گیا ہے جو غلط ہے۔ دُرود کے معنیٰ وہی ہیں یعنی توحید کی جڑ کاٹنے والی

دُعا جس سے مُسلمانوں کو اللہ کے ساتھ محمّد اور آلِ محمّد کی پرستش سکھائی گئی ہے۔
اسی وجہ سے مختلف فرقوں کے دُرود مختلف ہیں شیعوں کا دُرود ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

سُنّیوں نے نہلے پر دہلا لگاتے ہوئے اِسے اس طرح کر لیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَاتِہٖ اَجْمَعِین

اور ظاہر ہے کہ یہ محض ضد میں کیا گیا ہے۔ یعنی روافض کو جلانے کے لئے اصحابہ وازواجہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو مسلمان مُسلمان کہلانے کے مستحق ہوسکتے ہیں صلاتِ الرسُول کو شروع ہی سے اس طرح پڑھتے رہے ہیں۔

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صلی اللہ علیہ وسلم،

عجمی بزرگوں نے دیکھا کہ عرب کے بادیہ نشین (جو اُن کے خیال میں ایک وحشی قوم تھے) سیلاب و طوفان کی طرح بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ اور ان کی یلغار کے ریلے کو روکنا محال ہے۔

یعنی کل تک جنہیں اونٹ کی کھال کے خیمے بھی میسر نہ تھے جو ریت کے فرش پر آسمان کی چادر اُوڑھ کر راتیں گزار دیتے تھے۔ آج قیصر و کسریٰ کے محلات کے وارث ہوگئے ہیں۔ جنہیں کبھی تازہ پانی حاصل کرنے کیلئے اونٹ ذبح کر کے چند گھونٹ اس کے پیٹ سے میسر ہوتے وہ آج جیحون وسیحون۔ دجلہ وفرات کے مالک بن بیٹھے ہیں اُن سے پوچھئے کہ یہ نعیم دوجہان آپ کو کیسے مل گئیں تو جواب دیتے ہیں اللہ اکبر۔

پوچھئے کہ آپ اپنا وطن گھر بار بیوی بچے کس کے سہارے چھوڑ آئے تو کہتے ہیں اللہ اکبر۔

یا کوئی پوچھتا کہ آپ ننگی پیٹھ کے گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھ کر بلا زرہ بکتر کے محض تلوار سے ساری دُنیا کے جان بازوں کو کس طرح زیر کرتے چلے جاتے ہیں تو جواب دیتے تھے اللہ اکبر۔

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہانباں و جہاں آرا

چنانچہ عجمیوں کو فکر لاحق ہو گئی۔ وہ اپنی خانقاہوں میں سر جوڑ کر بیٹھے اور پیر مغاں سے مشورہ کیا تو شیطان نے ایک گُر کی بات سمجھا دی۔ اس نے کہا تم ان کے اللہ اکبر کے ساتھ کسی مخلوق کا نام شامل کر دو۔ اور دونوں کی شان میں ایسی دعائیں بناؤ جن سے اللہ اکبر کا مرتبہ انسان کے برابر ہو جائے۔ پھر مسلمانوں میں گھس جاؤ اور اپنی دعائیں زور زور سے پڑھو۔ چند روز میں وہ بھی تمہاری دعائیں سیکھ لیں گے اور لڑنا بھڑنا چھوڑ کر دعائیں کرنے بیٹھ جائیں گے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ان سے ان کا اللہ اکبر ناراض ہو چکا ہوگا۔ وہ دعائیں اس طرح تیار ہوئیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ محمد وَ علیٰ آل محمد	اے اللہ درود بھیج محمد اور آلِ محمد پر گن کر
״ ״ بعدد من صَلّیٰ وَصَام	״ تمام روزہ داروں اور نمازیوں کی تعداد میں
״ ״ بعدد من قعد وقام	״ تمام کھڑے اور بیٹھے لوگوں کی تعداد میں۔
״ ״ بعدد حروف کلام اللہ	״ حروف قرآن کی تعداد میں۔
״ ״ بعدد قطرات الامطار	״ بارش کے قطروں کی تعداد میں۔
״ ״ بعدد اوراق الاشجار	״ درختوں کے پتوں کی تعداد میں
״ ״ بعدد رمل القفار	״ صحرا کی ریگ کی تعداد میں۔

چنانچہ ایک لقلم خود روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے مسلمانوں نے یہ خدمات جلیلہ اپنے اللہ اکبر کے سپرد کی ہیں اس کا سارا وقت صحرا کے ذرے، درختوں کے پتے، بارش کے قطرے اور کھڑے بیٹھے نمازیوں اور روزے داروں کی تعداد گننے اور اس مقدار میں ۷ کروڑ مسلمانوں کی طرف سے درود بھیجنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ اور امور خدائی میں غور کرنے یا دنیا کا کام چلانے کی فرصت نہیں ملتی۔ پس وہ سارے کام اس نے ولیوں، شہیدوں، خواجوں اور داتاؤں پر چھوڑ رکھے ہیں۔

حیف مسلمانوں نے نہ سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی صراحت کر دی۔ وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یعنی محمد کو ہم نے اولادِ نرینہ نہیں دی ہے۔ تاکہ مسلمان شخصیت پرستی اور نسل پرستی میں مبتلا ہو کر ان کو پوجنے نہ لگیں تو یہ کونسے آلِ محمد ہیں جن پر خدا کو درود بھیجنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جسے دیکھو خواہ شیعوں کا مجتہد ہو یا سنیوں کا کوئی ملّا یا میلاد خواں چلّا رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ اور دوسروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بھی شرک میں اس کے ساتھ شامل ہو جائیں اور اس کے جواز میں قرآن کا حکم پیش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورۃ احزاب آیت ۵۶)

مگر اسی سورت کی آیت ۴۳ نہیں بتاتا جو کہتی ہے۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔ (احزاب ۔۴۳)

اے ایمان والو! اللہ وہی تو ہے جو تم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اور اللہ مومنوں پر بے حد مہربان ہے۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں فرماتا ہے ؎

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۱۵۶) اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (۱۵۷) بقرہ۔

یعنی صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ جن لوگوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو کہتے ہیں "ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پالنے والے کی طرف سے صلوات اور رحمت کیجاتی

ہے۔ اور وہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں"۔

اِس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ صلوات صرف رسُول اللہ سے مخصُوص نہیں ہے۔ یہ سب بندوں پر ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے مفسر اور مترجم محض باطنی اثرات کی وجہ سے صلوٰۃ کے معنیٰ جگہ جگہ بدلتے اور عوام کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔ کہیں اُسے نماز کردیتے ہیں۔ کہیں درُود لکھ دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اپنا دھندا چلانے کے لئے عوام کو دھوکہ دینا نہیں چھوڑتے جو ان کا پیشہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لئے فرماتا ہے۔

تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ — سچ کے ساتھ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ نیز فرمایا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا — اور ہماری باتوں کو تھوڑے سے فائدے کے لئے نہ بیچو۔

(پ ۱ ع ۵)

اِس بحث سے واضح ہوگیا کہ عربی لفظ صلات کے معنیٰ ثنا وصفت حمد وستائش تعریف اور شاباشی کے ہیں۔ جب بندہ اپنے رب کی صلات کرتا ہے تو حمد وستائش کرتا ہے۔ شکرگزاری کا اظہار کرتا ہے اور امداد و رہنمائی کا خواستگار ہوتا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر صلات کرتا ہے تو وہ شاباشی دلداری، ہمت افزائی، نوازش، کرم، رحمت وغیرہ ہوتی ہے۔

اور جب ہم رسُول پر صلات کرنا چاہیں تو ان کی عظمت کا اعتراف کریں انسانیت پر ان کے احسانات کا ذکر کریں۔ اور اپنی رہنمائی پر جو ان کی وجہ سے قرآن کی معرفت ہمیں ملی ہے چند کلمات خیر دہرائیں۔ اور وہ یہی ہیں کہ اُن کا نام سُن کر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہیں۔ ہمارا مرُوجہ درُود ابراہیمی جو ہم نمازوں میں پڑھتے ہیں خاصہ دلچسپ ہے۔

غالباً آپ بھی پڑھتے ہوں گے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ الخ

جس کا ترجمہ ہوگا۔ اے اللہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے ساتھ وہی کر جو تو ابراہیم اور آلِ ابراہیم کے ساتھ کرچکا ہے۔ اب اگر آپ کو معلوم نہیں کہ ابراہیم اور آلِ ابراہیم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ تو سُن لیجئے۔ حضرت ابراہیم کو نمرود نے آگ میں ڈالنے کا حکم دیا اللہ نے آپ کو بچالیا اور آپ نے بابل سے بھاگ کر شام میں پناہ لی۔

آپ کے پوتے حضرت یعقوب اپنے بیٹے کے ساتھ عیش کرنے مصر جابسے وہاں آلِ ابراہیم مصریوں کے غلام بن گئے۔ اِن کے بچے مارے جاتے اور بچیاں رکھی جاتیں اِس طرح چار سو سال غلامی میں گذارنے کے بعد آزادی ملی تو فلسطین آکر آباد ہوئے ۷۲۱ء قبل مسیح میں بابل و نینوا کے بادشاہ عاشور بنی پال نے یروشلم پر حملہ کیا شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی لاکھوں یہودیوں کو تہ تیغ کیا، اُنکے بچوں اور جوانوں کو غلام بناکر لے گیا۔ اور بابل و نینوا میں فروخت کر دیا۔ چار سو سال بعد سکندرِ اعظم نے ۳۳۲ء قبل مسیح میں فلسطین پر حملہ کیا اور لاکھوں کو قتل کرکے چلا گیا۔ پھر ۳ سو سال بعد ۶۳ء قبل مسیح میں بطلیموس مصر کے راستے آیا اور قتل عام کرکے چلا گیا۔ چند سال بعد روم کا بادشاہ پمپئی آیا اس نے یروشلم کو تباہ کرکے ہیکل سلیمان کو بھی منہدم کر دیا اور یہودیوں کو منتشر کرکے چلا گیا ۷۰ء میں رومیوں نے آخری بار ضرب لگائی اور یہودیوں کو ملیامیٹ کردیا۔ ۱۳۵ء میں بادشاہ ہیڈرن نے یروشلم پر قبضہ کیا یہودیوں کو نکال باہر کیا اور ہیکل کی جگہ گرجے تعمیر کردیئے۔

یہودی فلسطین سے بھاگ کر یورپ اور ایشیا کے غیر معرُوف علاقوں میں جا چھپے کچھ سرزمین یثرب میں آکر بس گئے مگر ہر جگہ مقامی آبادی اُنسے نفرت کرتی رہی۔ یورپ میں اُنکو کتے سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ شیکسپیئر نے شائی لاک کا کردار پیش کرکے زندہ جاوید کردیا

ساتویں صدی عیسوی میں اسلام نے انہیں سرزمین عرب سے نکال دیا۔ تو پھر آلِ ابراہیم ایک دفعہ بندروں کی طرح بے وطن اور بے دیار ہوگئے۔ کُونُوا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ ۱۹۴۰ء میں جرمنی کے ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو برقی بھٹیوں میں ڈال کر بھون ڈالا اب روس امریکہ یورپ ہندوستان پاکستان اور افریقہ سے نکل کر یہ فلسطین میں جمع ہو رہے ہیں تاکہ آخری بار مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ ہوں۔

پس مسلمانوں کا دُعا کرنا کہ آلِ محمّد کے ساتھ بھی وہی کیا جائے جو آلِ ابراہیم کیساتھ کیا گیا۔ دلچسپی سے خالی نہیں۔ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آلِ محمّد یعنی اُمّتِ محمّدیہ کے بارے میں یہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔ کربلاؑ بغداد، اندلس، اور پھر تقسیم ہند مشرق وسطیٰ کی جنگیں، بنگلہ دیش کے فسادات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی دُعا مستجاب ہو رہی ہے۔ افسوس مسلمان بڑا بے عقل ہے۔ کَانَ جَھُولًا۔ درُود بھیجتا ہے اور نہیں جانتا کہ کیا بھیج رہا ہے۔ اپنی تباہی کی التجا کر کے نوازش کی اُمید رکھتا ہے۔ کہتا ہے خُدا نے حکم دیا ہے کہ محمّد پر درُود بھیجو صلو علیہ وسلموا تسلیماً مگر خود نہیں بھیجتا بلکہ اللہ کو حکم دیتا ہے کہ تو بھیج محمّدؐ اور آلِ محمّد پر درُود اللھم صلی علیٰ محمّد وعلیٰ آلِ محمّد۔ یعنی میں نہیں جانتا بلکہ میرے باپ دادا بھی نہ جانتے تھے کہ درُود کس طرح بھیجا جاتا ہے۔ پس اے خُدا تو محمّد اور آلِ محمّد پر درُود بھیجتا رہ اس کے سوا تیرے پاس کام ہی کیا ہے۔ تُو نے دُنیا بنا دی وہ چل رہی ہے اور چلتی رہے گی۔ تو بیٹھا دیکھتا رہتا ہے۔ اسلئے بہتر ہے کہ درُود بھیجتا رہ۔ درُود کے معنیٰ آپ جانتے ہیں جڑ سے کاٹنے کے ہیں۔ تو گویا ہم اللہ سے کہتے ہیں کہ تو ہماری جڑ کاٹ ہمیں گمراہ کر اور تباہ کر دے۔ مگر صلّ کے معنیٰ کچھ اور ہیں قرآن میں صلّ۔ صلّوا۔ یصلّون اور صلوٰۃ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ مولوی اُن الفاظ کے معنیٰ حسبِ مرضی بدلتا رہتا ہے ان تمام مشتقات کا مصدر تصلیہ ہے جسکے معنیٰ ہیں دُعا یا عبادت کرنا، مولوی نے اللہ کے ساتھ رسُول کی پرستش شروع کروانے کیلئے صلوٰۃ کا ترجمہ درُود کر لیا ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کیا ہے، ورنہ قرآن حکیم نے خود رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ السّلام کو حکم دیا ہے خُذ مِن اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصلّ علیھم انّ صلوٰتک سکنٌ لھم ۱۰۳ توبہ ترجمہ۔ اُنکے اموال سے زکوٰۃ لو اور اُنکو پاک صاف زندگی کا عادی بناؤ اور اُنکے حق میں دُعا کرو صلّ علیھم کیونکہ صلوٰتک تمہاری دُعا (درُود نہیں) اِن کے لئے تسکین کا باعث ہوگی۔ چنانچہ بخاری نے بھی ایک روایت لکھ چھوڑی ہے۔ ابن اوفیؓ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص رسُولِ خُدا کی خدمت میں صدقہ لاتا تو یہ دُعا دیتے اللھم صلّ علیٰ آل فلاں۔ ایک مرتبہ میرے والد صدقہ (زکوٰۃ) لیگئے تو حضُور نے فرمایا اللھم صلّ علیٰ آلِ ابی اوفیٰ۔ بخاری ج ۳ کتاب الدعا ص ۲۹۲ ترجمہ مرزا حیرت اُس سے واضح ہوا کہ صلّ کے معنی نوازنے بخشنے، برکت دینے، تعریف کرنے کے ہیں۔ مگر درُود بھیجنے کے ہرگز نہیں۔ اور نہ حضُور ابی اوفیٰ پر درُود بھیج سکتے تھے۔ درُود تو صرف مولوی بھیجتا ہے۔ آپ حضُورؐ کا نام سُنیں تو صلی اللہ علیہ وسلم کہیں۔ آلہ نہ لگائیں۔ آلہ پر روافض اصرار کرتے ہیں۔

چھٹا باب

یہ علم و حکمت کی مُہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دُنیا کو اب گوارہ پرانے افکار کی نمائش

اِسلامی اقدار سے بیزاری

اِس موضوع پر ہماری بحث سُننے سے پہلے بہتر ہے کہ آپ ایک شیعی لطیفہ سُن لیں۔

لطیفہ

"کسی دشمن نے سبزوار کے حاکم سے شکایت کی اُس شہر کے باشندے ابوبکرؓ کے نام سے اِس قدر متنفر ہیں کہ اتنے بڑے شہر میں کوئی ایک متنفس بھی اُس متبرک نام سے موسُوم نہیں۔

حاکم یہ سُن کر سخت برہم ہوا اور روسا شہر کو حکم دیا کہ ابوبکر نامی کسی شخص کو جو سبزوار کا رہنے والا ہو فوراً ہمارے سامنے پیش کرو، ورنہ ہم سخت سزا دینگے سبزواری بہت گھبرائے۔ حاکم سے تین دن کی مہلت طلب کی اور بہت تلاش کے بعد اِس بزرگ نام کا ایک شخص ڈھونڈ نکالا۔ جو گنجا، لنجا، بدہیئت، کریہہ المنظر تھا۔ اور سبزوار کا رہنے والا بھی نہ تھا۔ بلکہ حال ہی میں اِس شہر میں وارد ہوا تھا۔ حاکم نے اسے دیکھ کر کہا تین دن بعد ایک شخص لائے اور وہ بھی اس قدر مکرُوہ صُورت!

درباری ظریف نے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا جان بخشی ہو تو عرض کروں کہ سبزوار کی آب و ہوا میں اِس سے زیادہ خوب صُورت ابوبکر

پرورش نہیں پا سکتا۔ حاکم اِس جواب سے بے حد محظوظ ہوا۔"

(تفریح الشیعہ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور)

آپ نے دیکھا شیعہ معاشرے میں ابو بکر نام کا آدمی کیسی نشو و نما پاتا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ابو بکرؓ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بچپن کے دُوست اور زندگی بھر کے ساتھی تھے ہر برے بھلے میں ساتھ رہے۔ اِس لئے رسُولؐ کے خلیفہ و جانشین ہوئے اِن کا مرتبہ رسُولؐ کے بعد سب سے بلند تھا۔ لیکن ہمارے شیعہ بھائیوں کو اِن سے کتنی نفرت ہے

پھر عُمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمانؓ ذوالنورین رضی اللہ عنہ، خال المسلمین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کا اِس معاشرے میں کیا حال ہو گا۔ جنھوں نے عجم کی چُولیں ڈھیلی کر کے کُفر کی بنیادیں ہلا دی تھیں نتیجہ ظاہر ہے کہ آج چودہ سو سال بعد بھی اِن ناموں سے نفرت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اِس لئے مُسلمان اپنے بچوں کو ایسے نام دیتے ڈرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کے ساتھ بد سلوکی کی جائے۔ پھر لوگ خود بھی ایسی نسبتیں لگا لیتے ہیں جن سے معلوم نہ ہو سکے کہ وہ سُنّی ہیں جیسے ہمارے ایک رضوی دُوست نے اعتراف کیا کہ میں رضوی محض اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کی نسبت سے بنا ہوں کیا کرتا؟

لیاقت علی خان نے تمام کلیدی عہدوں پر شیعوں کو فائز کر دیا تھا۔ اور وہ پُوری کوشش کر رہے تھے کہ کوئی غیر شیعہ مراعات حاصل نہ کر سکے کیونکہ یہ مُلک شیعوں نے بنایا تھا۔ چنانچہ اِس کا نام اِسی مناسبت سے پاکستان رکھا گیا تھا شیعہ کے مجازی معنیٰ پاک کے ہیں۔ پس پاکستان کے معنیٰ ہوئے شیعوں کا ملک یا شیعستان۔ اِس لئے بھائی میں نے بھی اپنے نام کے آگے رضوی کا اضافہ کر لیا اور ملازمت حاصل کر لی۔ خدا بخشے غلام محمّد مرحوم کو جس نے لیاقت علی کو ہٹا کر شیعت کا زُور تُوڑ دیا ورنہ یہ ملک بھی ایران و عراق کی طرح سیدوں سے بھر گیا ہوتا۔

اللہ کے نام سے نفرت

اِسلام کی شان تو نعرہ اللہ اکبر سے ہے آج بھی مساجد کے میناروں سے یہ نعرہ بلند ہوتا ہے تو مُشرکوں کے دل دہل جاتے ہیں وہ تلملا اُٹھتے ہیں حکومت سے کہا جائے کہ ریڈیو پاکستان سے اذان نشر کی جائے اور معروضہ پیش کیا جائے کہ کم سے کم مغرب کے وقت تھوڑی دیر کے لئے پروگرام روک دیئے جائیں تو کسی شرابی شاعر سے جس کے اِسلاف نے بھی نماز نہ پڑھی تھی پھبتی کسوا دیجاتی ہے

ریڈیو سے اذاں کے ریکارڈ لوگ کہتے ہیں نشر فرمائیں!

کیا عجب ہے کہ کل یہ ہو اصرار ریڈیو سے نماز پڑھوائیں

(صہبا اختر)

ہِندُوستان میں ہمیں یاد ہے نماز مغرب کے وقت اگر کوئی ہندو مندر کا گھنٹہ بجا دیتا۔ یا کوئی جلوس باجا بجاتا نکل آتا تو لٹھ چل جاتے تھے۔ مگر پاکستان میں جو پاک لوگوں کا ملک ہے مُسلمان اپنی نمازیں، ریڈیو اور ٹی وی اس کے علاوہ آئے دن شادیوں اور مجلسوں کی ریکارڈنگ کے شور میں پڑھنے پر مجبور ہیں

اور اِس سے دِلچسپ بات یہ کہ مُحرّم کے نوحے، شام غریباں کی تمثیلیں یا علی یا حیدر، ہائے حسین، ہائے سکینہ کے نعرے تو نشر کیے جا سکتے ہیں مگر ریڈیو پر اللہ کا نام نہیں لیا جا سکتا۔ اِس کا احساس ہمیں ایک شیعہ بزرگ نے دلایا حُریت مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۶۶ء نے سُرخی لگائی۔

"کیا ریڈیو کمرشل سروس میں خدا کا نام لینا جرم ہے۔"

معلوم ہوا کہ شفیق بریلوی صاحب نے شکایت کی تھی کہ ریڈیو پاکستان نے اُن کا مضمون نشر کرنے سے اِس لئے انکار کر دیا کہ اِسمیں اللہ کا نام درج تھا پس مدیر حُریت کو جوش آ گیا۔ اِس نے اداریہ لکھ مارا جس کا عنوان تھا "سنگین" اور پُوچھا کیا یہ واقعہ ہے کہ ریڈیو پاکستان ایسے اشتہار نشر نہیں کر سکتا جن میں اللہ کا نام موجود ہو۔

اِسی طرح چند روز بعد مسلمانوں نے مقابلہ حسن قرأت کا انتظام کیا جس میں ساری دُنیا کے قاری مدعو تھے۔ ریڈیو والوں نے اُسے نظرانداز کردیا۔ اِس کا ذکر تک نہ کیا تو مرحوم فخر ماتری برس پڑے اور لکھا کہ۔

"ناچ گانوں اور فحاشی کے پروگراموں کے لئے ریڈیو والے دوڑے دوڑے جاتے ہیں۔ مگر قرآن عظیم کی قرأت کا مقابلہ جو عالمی پیمانے پر ہو رہا ہے نظرانداز کرنا کیا معنیٰ ہے۔"

اللہ یا خُدا

ریڈیو والوں کی اِس حرکت سے جسے بخاری صاحب نے خالص پاکستان بنا رکھا تھا۔ ہمیں بھی پتہ چلا کہ پاک لوگ اللہ کے نام سے گھبراتے ہیں۔ اور اُسی وجہ سے وہ اللہ کو خُدا کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نام میں جو عظمت ہے۔ اور اللہ سے جس بزرگ و بالا، قادر و مختار، قہار و جبار، ستار و غفار کریم و رحیم ہستی کا احساس ہوتا ہے۔ اِسے شیر گھوڑے اور تابوتوں کو پوجنے والے برداشت نہیں کرسکتے۔ چنانچہ وہ اللہ کو خُدا کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خُدا ایک بے وقعت سا عامیانہ لفظ ہے جو ہر کس و ناکس کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ جیسے شیعہ شاعر میر تقی میر کو خُدائے سخن کہا جاتا ہے۔ امیر دل کو خُداوند نعمت، بادشاہوں کو خُداوند یا خاوند، چاند کو ماہِ خُدا، سورج کو خدائے نور۔ حیدر کو شیرِ خُدا، شیطان کو خُدائے شر۔ اور ملّاح کو ناخُدا جو دراصل ناوخدا ہے یعنی کشتی کا مالک۔ اب اگر اللہ کو خُداوند عالم کہہ دیا تو اِس کی اہمیت صرف اِس قدر ہے کہ اپنے بہت سے خُداؤں میں ایک اور خُدا کا اضافہ قبول کر لیا ہے۔ اور بس! یہ لفظ اللہ کے معنوں میں کیسے استعمال ہونے لگا اور کیوں مقبول ہوا ایک شیعہ بزرگ سے سُنیئے۔ ماہ نو کراچی بابت اکتوبر ۱۹۶۱ء میں سید قدرت نقوی صاحب لکھتے ہیں:۔

"خُدا ایک مفرد لفظ ہے۔ اوستا (قدیم فارسی) میں خوتائے تھا۔ پہلوی میں خذا ہوا اور فارسی میں خُدا ہو گیا۔ اوّلاً یہ لفظ معنیٰ بادشاہ، حاکم، بزرگ، آقا

یا صاحب کے استعمال ہوتا رہا۔ اِسلام کے زیر اثر اور غالباً تصوّف کے رواج کے ساتھ یہ لفظ اللہ کی ذات واجب الوجود کے لئے استعمال کیا گیا اور بادشاہ و امراء کے لئے خُداوند و خواجہ رکھا گیا۔ جو لفظ خُدا کی مختلف شکلیں ہیں۔ اُردو میں خُدا، خُداوند، خواجہ، اور خاوند کا استعمال موجود ہے۔ شاہان مغلیہ اور دیگر امراء کو خُداوند یا خاوند کہا جاتا رہا ہے۔ بلکہ خاوند بمعنیٰ شوہر آج بھی مستعمل ہے۔ جو دراصل خُداوند کا مخفف ہے گویا مرد عورت کے لئے بمنزلہ خُدا ہے اسی طرح لفظ خان بھی خاوند کا مخفف ہے اور خُدا کے معنیٰ دیتا ہے۔

خواجہ کی حقیقت

قدرت نقوی صاحب لکھتے ہیں لفظ "خواجہ" دراصل مرکب ہے "خُدا اور بچہ" سے جیسے "کتاب" سے کتابچہ، "مغ" سے "مغبچہ"۔ "آہو" سے "آہو بچہ" اور "چاہ" سے چہبچہ یا چاہ بچہ وغیرہ۔ کثرت استعمال یا علامت تصغیر "یزہ یا بچہ" لگانے سے یہ "خُدا بچہ" بن گیا اور پھر "خوچہ" ہو گیا۔ جس کے معنیٰ چھوٹے خُدا، چھوٹے صاحب یا چھوٹے میاں کے نکلتے ہیں۔ پھر عربی میں حرف "چ" نہ ہونے کی وجہ سے خوجہ ہو گیا جس کی مزید شستہ صورت "خواجہ" نکل آئی۔ لیکن پشتو زبان میں یہ لفظ بجنسہٖ "خوچہ" مستعمل ہے بلکہ اس کو مزید مخفف کر کے صرف "خوا"، خان سے بھی کام نکال لیا جاتا ہے۔ مصری "خدیو" اور چینی "خاقان" یا کھاکان "اسی لفظ" "خُدا" کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں جن سے بادشاہ یا حاکم کے معنیٰ پیدا ہوتے تھے۔

حتیٰ کہ لفظ "خواجہ سرا" جسے اُردو میں "ہجڑا" کہتے ہیں کثرت استعمال سے "خسرا" "کھسرا" اور "کھدرا" مستعمل ہے۔ حالانکہ اس کے معنیٰ گھر کا مالک ہوتے ہیں۔

اب شاید آپ سمجھ گئے ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے "اللہ" کے بدلے "خُدا" کا لفظ اپنے معبودِ حقیقی کے لئے کیوں پسند فرمایا۔ اگر کہا جائے کہ فارسی اثرات کے تحت اللہ کا ترجمہ خُدا کیا گیا تھا تو لازم آتا ہے کہ ہندو اثرات کے تحت جو ہمارے معاشرے میں اب بھی موجود ہیں (انہی شادی بیاہ کی رسموں کو دیکھئے

بُھوتی" "چالا"، "مانجھا"، "مہندی") اللہ کا ترجمہ "ایشور" "بھگوان" یا "مہادیو" کر لینا تھا خُدا کو ایران و عراق کے لیے رہنے دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا کیوں؟

اِس لیے کہ اگر اللہ کو باقی رہنے دیا جاتا تو مُسلمانوں کو اِن کے چھوٹے موٹے سینکڑوں خُدا یا خُدا بچے (خوجے) اور خواجہ صاحبان کیسے ملتے۔ خواجہ بندہ نواز، خواجہ گیسو دراز، خواجۂ خواجگان و خواجہ خضر کا کیا بنتا اور خاص کر شیرِ خدا کو کون جانتا

مُسلمانوں کے دو مولیٰ

میں نے ایک ٹرک والے سے پوچھا تمہارے ٹرک پر "مولیٰ مدد" لکھا ہوا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟

وہ بگڑ گیا اور بولا تم مُسلمان ہو اور مَولا کو نہیں جانتے۔ سب مُسلمان مصیبت کے وقت مَولا علی مُشکل کُشا کو پکارتے ہیں اور جب کوئی اُن کو پکارتا ہے تو وہ جنگل اور پہاڑ پر آ کر اس کی مدد کرتے ہیں۔ میں نے استغفر اللہ پڑھا، مُشرک سے کیا کہتا

دُوسرے دن ایک پٹھان ڈرائیور سے پُوچھا تم نے اپنے ٹرک پر مَولا مدد کیوں لکھوا رکھا ہے۔ کہنے لگا بابوجی! دُنیا میں ایسا کون ہے؟ جو اپنے مولا اور مالک سے مدد نہ مانگے جس نے پیدا کیا ہے جو پالتا ہے وہی مدد بھی کرتا ہے۔ ہمارا کام خطرناک ہے، موت ہمارے سر پر رہتی ہے اُس لیے ہم سے زیادہ مَولا کو یاد کرنے کا حق کس کو ہے یہ نام تو ٹرک کی طرح ہمارے دل پر لکھا ہوا ہے۔

میری زبان سے بے ساختہ نکلا جزاک اللہ یہ جاہل اور اَن پڑھ ڈرائیور ایمان میں کتنا کامل ہے اور مَولا کے کیسے صحیح معنیٰ جانتا ہے۔

میں نے ایک مَولوی صاحب سے پُوچھا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے کہ ہمارے مُسلمان بھائی اللہ کو بھی مَولا کہتے ہیں اور علی کو بھی مَولا سمجھتے ہیں۔

فرمانے لگے عربی زبان بڑی جامع زبان ہے اس میں ایک لفظ کے کئی معنیٰ ہوتے ہیں۔ مَولیٰ کے معنیٰ مالک کے ہیں اور مَولا غلام کو بھی کہتے ہیں۔

میں نے پُوچھا اگر مَولا سے مُراد غلام ہے تو علی کس کے غلام ہیں۔

مولوی صاحب کو اس گُستاخی پر غصہ آ گیا۔ فرمانے لگے تم لوگ انگریزی تعلیم

پا کر اسلام سے بے بہرہ ہو گئے ہو حدیثِ رسُول موجود ہے۔

" من کنت مولاہ فعلی مولاہ" یعنی جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ بھی اُس کا مولیٰ ہے۔ میں نے عرض کیا، مگر قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وان تولوا فاعلموا ان اللہ مولٰکم نعم المولیٰ ونعم النصیر (سورۃ انفال)

یعنی تولائی (مُشرکین و باغیوں) کو بتلادو کہ مُسلمانوں کا مَولا تو صرف اللہ ہے اور وہ کیسا اچھا مَولا ہے اور کتنا اچھا مددگار و مُشکل کُشا ہے اُسے چھوڑ کر کسی کو مَولا نہ بنانا۔

اِس آیتِ قرآنی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مَولا کا لفظ بہت مُتبرک اور اولیٰ ہے۔ اُسے سوائے اللہ کے معنوں کے دُوسرے معنوں میں استعمال کرنا غلط ہے۔ خاص کر کسی فانی مخلوق کو مَولا کہہ دینا روحِ توحید کے منافی ہے بلکہ شرک ہو گا۔

مَولوی صاحب نے فرمایا۔ میں تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ تم جو جی چاہے سمجھو۔ میں نے تمہیں حدیث شریف سُنا دی ہے۔

میں نے عرض کیا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے اور رسُول اللہ نے واقعی ایسا کہا تھا کہ میں جس کا مَولا ہوں علی بھی اس کے مَولا ہیں تو بدبخت مُسلمانوں نے رسُول کی مَولائی کیوں چھین لی۔ مَولا علی، مَولا علی چلانے والے۔ مَولا محمدؐ کیوں نہیں کہتے۔ ملا جی اُس کا جواب کیا دیتے۔ خفا ہو کر چلے گئے۔

پھر مشکوٰۃ باب الاسامی میں دیکھا ہے قال رسول اللہ لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید اللہ وکل نسائکم اماء اللہ ولا یقل العبد سیدہ مولای۔ فان مولاکم اللہ۔ ترجمہ: یعنی رسُول اللہ نے فرمایا تم کسی کو میرا غلام (بندہ) یا میری باندی (بندی) نہ کہو۔ تم سب اللہ کے غلام (بندے) ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ اسی طرح کوئی غلام اپنے آقا (سید) کو میرا مَولا نہ کہے۔ کیونکہ تمہارا سب کا مَولا تو صرف اللہ ہے۔

حیرانی ہوئی کہ مولوی صاحب ایک حدیث سُناتے ہیں جس میں رسُول بھی مَولا ہیں۔ اور علی بھی مَولا ہیں۔ اور حدیثوں کی کتاب ایک حدیث پیش کرتی ہے۔

جس میں غلام کو بھی اپنے آقا کو مولا کہنے کی ممانعت ہے۔ پھر آزاد انسان کسی فانی مخلوق کو اپنا مولا کیسے کہہ سکتا ہے۔

مگر ہمارے مولوی اور ملاؤں کا سرمایہ دین تو محض باطنی ذخیرہ خرافات ہے جو عجمیوں نے کوفہ و بغداد اور مصر سے بنو ہاشم و بنو فاطمین کی سرپرستی میں خاص مقاصد سے شائع کیا تھا اور سارے عالم اسلام میں پھیلا دیا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ بنو فاطمین مصر از ڈاکٹر زاہد علی مطبوعہ کراچی)

البتہ شیعہ کتاب البلاغ المبین مصنفہ آغا سلطان مرزا مطبوعہ کتب خانہ حسینیہ محلہ شیعان لاہور میں وہ روایت اس طرح درج ہے۔

روایت ابو سعید مسعود بن ناصر السجستانی کتاب درائت فی الحدیث الولایت میں درج ہے کہ عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا کو حکم دیا گیا۔ کہ حضرت علی کی ولایت کی تبلیغ کریں اور آیت یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک نازل ہوئی۔ اسی وقت آنحضرت نے غدیر خم کے مقام پر خطبہ دیا اور بعد حمد و ثنائے باری تعالیٰ ارشاد فرمایا۔

فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحب من احبہ وابغض من ابغضہ وغیرہ وغیرہ

جس کا مطلب ہوا کہ جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے اے اللہ دوست رکھ اس کو جو اسے دوست رکھے۔ دشمنی رکھ اس سے جو اس سے دشمنی رکھے۔ محبت کر اس سے جو علی سے محبت کرے اور بغض رکھ اس سے جو علی سے بغض رکھے۔ ترجمہ آغا سلطان مرزا البلاغ المبین ص۶۳۳

اس شیعہ حدیث کی صحت کا اندازہ نور رسول کی دعا سے ہو جاتا ہے۔ گویا ان کو معلوم تھا کہ امت علی سے محبت نہ کر سکے گی۔ نہ ان کی مدد کرے گی۔ نہ ان کو خلافت دلائے گی۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اگر مسلمان محبت نہ کریں

تو ان کو سزا دے اور سزا نہ دے سکے تو کم سے کم ان سے بغض رکھے یعنی موقعہ کی تاک میں رہے کہ جب غافل پائے تو ان کو نقصان پہنچا سکے۔ حدیث بنانے والے کو غالباً معلوم تھا کہ خدا نعوذ باللہ اتنا بھی نہ کر سکے گا۔

مسلمان علماء جو شیعہ کتابوں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں باقی باتوں کو حذف کر کے صرف من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا شوشہ چرا لائے ہیں اور اس کے سہارے نہ صرف علی کو مولا علی بنا لیا ہے، بلکہ مولا بننے کے دروازے سب کے لئے کھول بیٹھے ہیں یہ ہر عالم فاضل، پیر ولی حتیٰ کہ ہر داڑھی والے کو مولانا کہنے لگے ہیں حالانکہ اہل زبان عرب آج بھی کسی کو مولانا نہیں کہتے۔ عرب اپنے علماء کو شیخ امام یا سید کہتے ہیں اور کوئی خطاب آگے پیچھے نہیں لگاتے۔ القاب و خطابات لگانا صرف مشرکوں کا طریقہ ہے۔ اور غلامانہ ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے۔ مولانا کے خطاب پر ابن بطوطہ نے سب سے پہلے اعتراض کیا تھا اس نے دیکھا ترکی اور عراق میں لوگ اپنے علماء کو مولانا کہنے لگے تھے تو حیرت کا اظہار کیا۔ اسے شاید معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ جو اپنے پجاریوں کو زمانہ کفر سے آقا، سرکار، موبد پیر مغان، سوامی سائیں، خداوند، خاوند، اخوند کہتے چلے آئے تھے مسلمان ہوئے تو ان کو مولانا کہنے لگے جو انہی معنوں میں مالک اور آقا کے مماثل ہے چنانچہ پیر رومی کہتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ؞ تا غلام شمس تبریزی نہ شد

یعنی مولوی جب تک اللہ کی بندگی سے نکل کر کسی مجوسی پیر کا غلام نہ بنے مولانا نہیں بن سکتا واضح رہے کہ لفظ مولوی انہی عجمیوں کی اختراع ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں ہے۔ بلخ بخارا سمرقند اور افغانستان میں باطنی اسماعیلی۔ نو جے مولائی کہلاتے ہیں یعنی مولا علی کو پوجنے والے مولوی اور ملا اسی مولائی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ جس سے علی کی مولائی کا اعتراف ہوتا ہے ابتدائی دور کے باطنی خود کو مولائی، مولوی یا ملا کہلاتے تھے۔ ہندوستان میں یہ خطاب

عام مسلمانوں میں رائج ہوگیا۔ تاہم یہ لفظ مولانا سے بہتر ہے کیونکہ مولانا کہنے سے ہم اس شخص کو اپنا خدا یا آقا تسلیم کر لیتے ہیں۔ جو جائز نہیں۔ میں بھی لوگوں کو تعظیماً مولوی کہہ دیتا ہوں یعنی کسی مولو کا پرستار۔

افسوس کہ مسلمان نہیں سوچتے کہ جب ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ معاویہ رضوان اللہ علیہم مولا نہ تھے تو علی مولا کیسے بن گئے۔ پھر امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام تیمیہ مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ وغیرہ مولانا نہ کہلائے تو اس کی وجہ کیا ہے۔ مگر یہ اپنی غلطی کا اعتراف نہ کریں گے کیونکہ شرک کے پروردہ ہیں۔ اور انسانوں کو پوجتے رہے ہیں۔

قرآن دشمنی

قرآن حکیم عرب کی اُجڈ قوم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے دوست دشمن اپنے اور غیر سب کو بلا معاوضہ سکھا دیا۔ اور ان کی کایا پلٹ دی وہ دوسری قوموں کو تہذیب و تمدن سکھانے کے قابل ہو گئے تو اپنے آباواجداد کے خداؤں کو ٹھکرا کر اللہ واحد کا نام بلند کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ جس نے اُن کی صداقت قبول کر لی وہ اِن کا بھائی بن گیا اور جس نے انکار کیا وہ اللہ کا اور ان کا دشمن قرار پایا خواہ باپ بھائی چچا ہو یا ماں بہن نانی، دادی۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ اُن کی راہ میں کوئی حائل نہ ہو سکا۔ قیصر و کسریٰ کا جاہ و دبدبہ بھی اِن کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر سکا جب حق کی فتح نے صحرا نشیناں عرب کو ایشیا افریقہ بلکہ بیشتر حصہ یورپ کا وارث بنا دیا تو شیطانی قوتوں کو پریشانی لاحق ہو گئی۔ وہ غور کرنے لگے کہ ایسی کون سی طاقت ہے جس کے سامنے اِن کی صدیوں پرانی، نمرودی، فرعونی زرتشتی اور ویدی خدائیاں گھٹنے ٹیک رہی ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ قرآن عظیم کی تعلیم کا اثر ہے۔

پس عجمیوں نے طے کیا کہ عربی سیکھی جائے اور عربوں کی زبان میں کچھ ایسی کتابیں پیش کر دی جائیں جنہیں پڑھ کر وہ قرآن حکیم کو بھول جائیں۔ چنانچہ

حدیث رسول کے نام سے تمام دنیا کے مفکروں کے اقوال اور اپنے مشرکانہ عقائد کو عربی میں منتقل کر کے پیش کر دیا اور اس کا نام سنت رکھ دیا۔

پس نئی نسل نے سنت اللہ یعنی قرآن کو چھوڑ کر سنتِ رسول کو بغل میں دبا لیا اور اسی کو اسلام بتلانے لگے۔

قرآن کا بدل حدیث

اس بحث کو ہم اپنی زبان میں پیش کرنے سے بہتر سمجھتے ہیں کہ کسی دوسرے دردمند اسلام کی زبانی یہ کہانی سنائی جائے۔ خواجہ عباد اللہ اختر اپنی کتاب عجمی مذاہب کا اثر مسلمانوں کے عقائد پر جسے مرکزی مکتبہ تحریک تجدید عہد لاہور نے شائع کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"ابو مسلم کا مذہب کیسانیہ مختاریہ تھا۔ اسی مذہب پر اس کی تعلیم و تربیت ہوئی اُس نے جعفر صادق کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام ہوا۔ تو ابوالعباس بن محمد کی طرف رجوع ہوگیا۔ اس کی کوشش سے بنو اُمیہ کا تختہ حکومت اُلٹ گیا۔ اور بنو عباس کا قبضہ امامت پر ہوگیا۔"

ابو مسلم کے بارے میں اس کے خراسانی جان نثاروں کا عقیدہ تھا کہ وہ مظہر الوہیت ہے (یعنی خدا کا اوتار ہے) وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور پھر کسی دن سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ خروج کرے گا (یعنی بغاوت)

یہی بنو عباس جنہیں ابو مسلم مختاریہ نے خلیفہ بلکہ امام المومنین بنایا تھا شیعہ مذہب کی ترویج کا باعث ہوئے اُن کے داعی ایرانی اور عجمی تھے وہ دنیائے اسلام میں ایسی حدیثیں بیان کرتے پھرے جن میں کسی مہدی کی آمد کی پیشگوئی آنحضرتؐ سے منسوب ہوتی تھی۔ یہی روایات ہماری صحاح ستہ میں محفوظ ہیں۔ صحاح ستہ کے مؤلفین سب کے سب عجمی تھے جو عجمی ماحول میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔

اختر صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"عجمی داعیان بنو ہاشم کی سرگرمیاں اگر یہیں تک محدود رہتیں تو ٹھیک تھا۔ مگر بنو اُمیہ کے زوال حکومت پر ایرانی روح بیدار ہوگئی اور بقول۔

قاسم زادہ اُس کی جلوہ ریزی آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی گئی۔ تفسیر تراجم اور مغازی کے بارے میں بے شمار احادیث جو صحاح ستہ میں محفوظ ہیں اُنہی ایام میں وضع ہوئیں یہ کام زندیقوں (باطنیوں) نے نہایت ہوشیاری سے سرانجام دیا۔ امام احمد حنبل نے اِن کے بارے میں فرمایا ہے کہ اُن کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے (یعنی سب جھوٹی حدیثیں ہیں)'' آگے لکھتے ہیں۔

'' ابومسلم کے بعد حکیم المقنع نے دعوے نبوت کیا اس وقت محمد المہدی عباسی خلیفہ تھا۔ خلیفہ نے اِسے قتل کروا دیا۔ تو مقنع کے پیرو کہنے لگے کہ وہ مارا نہیں گیا بلکہ رُوپوش ہو گیا ہے

مہدی کے بعد ہادی تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں رجعت یعنی واپسی امام مہدی و ملاحم پر کثرت سے حدیثیں تیار ہوئیں۔ حتٰی کہ اسے ایک محکمہ صاحب الزنادقہ قائم کرنا پڑا۔ کئی واضعان حدیث گرفتار ہوئے اور قتل کئے گئے۔ ہارون رشید کے زمانے میں بھی اِن کی تلاش جاری رہی جو زنادیق حکومت کے کلیدی عہدوں پر چھائے ہوئے تھے۔ معزول ہوئے اور مارے گئے۔ جن میں برامکہ مشہور رہیں۔ ایک زندیق (شیعہ) عبدالکریم واضع حدیث گرفتار ہوا تو کہا جو چاہو سلوک کرو۔ کئی لاکھ احادیث نبوی ؐ وضع کر چکا ہوں جو دُنیائے اِسلام کے کونے کونے میں پہنچا دی گئی ہیں۔ اور اب تمہارے یا تمہاری نسلوں کے مٹانے سے بھی قیامت تک نہ مٹ سکیں گی۔

ابن ندیم نے زنادقہ (باطنیوں) کے اکابر کی فہرست تیار کی اور اس کا نام، الفہرست رکھا یہ سب بظاہر مُسلمان اور بہ باطن مانی و بہزادک کے چیلے (مجوسی و آتش پرست) تھے ،، خواجہ صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

کہ ماموں رشید کے زمانے میں زنادیق (باطنیوں) نے پھر زور پکڑا۔ ماموں کی ماں ایرانی نژاد مجوسن تھی۔ اِس کے عہد میں بابک خرمی نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ بابک کو دعوٰے نبوت و الوہیت تھا عجمی طاقت کا اندازہ صرف اُس بات سے لگایا

جاسکتا ہے۔ کہ بابک کو ماننے والوں نے کم سے کم تین لاکھ مُسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔

یہ تفصیلی حوالہ صرف اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ ذخیرہ احادیث کے جعلی ترین کی نشاندہی ہو سکے اور سچّی اور حقیقی حدیثوں کے لئے راستہ کھلا رہے۔ کیونکہ حدیثوں سے بہرحال فائدہ ضرور ہے اُنہیں تاریخ کے طور پر پڑھنا چاہیئے۔ لیکن اِس کے باوجود یہ اعتراض اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ رحلتِ رسُول ؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سو سال بعد حدیثوں کے جمع کرنے کا کام شروع ہوا؟ اور وہ بھی اِس لئے کہ اختلافی روایتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم سے دُور کر کے شرک وکفر میں مُبتلا کر دیا جائے

اِس مفسدے کو بنو اُمیہ نے رُوکا تھا مگر وہ ختم نہ ہو سکا اندر گراؤنڈ کام جاری رہا۔ بنو عبّاس کے ہاشمی دور میں اِس تحریک نے جو زور پکڑا وہی بالآخر اِسلام کی تباہی کا باعث ہوا۔ بنو عبّاس نے باطنیوں زندیقوں اور عجمیوں کی مدد سے عنانِ حکومت حاصل کی تھی اور ہمیشہ اِن کے اشاروں پر چلتے رہے کبھی کبھی حالات نے اِن اثرات سے نکلنے کا موقعہ دیا مگر اِن سے فائدہ اٹھانا اور مستقل طور پر اِن اثرات سے محفوظ ہو جانا اِن کے بس کی بات نہ تھی۔ کیونکہ وہ خُود اِسلام سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔

پہلا مُسلمان جامع حدیث

مذکورہ خرابیوں کے زیرِ نظر خلیفہ منصور عبّاسی نے مکّہ و مدینہ کی طرف ہدایت کے لئے نظر اُٹھائی تو ایک اللہ کا بندہ اور سچّا مومن موجود پایا۔ اِس سے کہا مجھے مستند حدیثِ رسُول ؐ جمع کرنے کا شوق تھا۔ مگر امورِ جہان بانی کی ذمہ داریاں اجازت نہیں دیتیں۔ کہ لکھنے پڑھنے کا کام کر سکوں میں چاہتا ہوں کہ یہ کام آپ سرانجام دیں اور احتیاط برتیں کہ کوئی غلط بات رسُول اکرم ؐ سے منسُوب نہ ہو جائے۔ اور یہ خرافات جو عجمیوں نے پھیلا رکھی ہے ختم کی جاسکے۔

امام مالک (۹۵ ہجری تا ۱۹۷ ہجری) ایک عربی النسل فرزندِ اِسلام نے سچ

کو جھوٹ سے الگ کرنے اور صرف سچ کو اُمتِ محمدیہ کے سامنے پیش کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اِس نے دس ہزار حدیثوں میں سے پانچ سو (۵۰۰) ثقہ اور قابلِ اعتماد حدیثیں چُن کر ایک کتاب تیار کی اور اُسے خلیفہ وقت کے دربار میں پیش کیا مگر اب خلیفہ منصور مر چکا تھا۔ ہارون رشید سر پر آرائے خلافت تھا۔ اِس کے دربار کے روحِ رواں جعفر برمکی اور ہشام جیسے شیعہ بزرگ تھے۔ آخر الذکر کی سیرۃ النبی دُنیائے اِسلام میں سیرت پر پہلی اور مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ آپکے عقائد کا اندازہ اِس لطیفے سے ہو سکتا ہے۔

لطیفہ

ایک مرتبہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ابو محمد ہشام بن الحکم علیہ الرحمتہ سے سوال کیا "کیا یہ ممکن ہے کہ ایک چیز کے دُو دعویدار ہوں اور دُونوں حق پر ہوں" ہشام نے کہا "یہ ممکن نہیں اِن میں ضرور ایک سچا نہ ہو گا" یحییٰ نے کہا: علیؑ و عباسؓ نے میراثِ رسُولؐ کا دعویٰ کیا تھا اِن میں کون حق پر تھا اور کون کاذب تھا" ہشام اس بے ڈھب سوال سے سخت حیران ہوئے۔ اگر عباسؓ (عمِ رسُولؐ) کو کاذب کہتے ہیں تو ہارون رشید کا خوف ہے اور اگر حضرت علیؑ کو کاذب بناتے ہیں تو کافر ہوتے ہیں۔ آخر سوچ کر کہا۔ حضرت داؤدؑ کے پاس دُو فرشتے مقدمہ لے کر آئے تھے، اِن میں کون کاذب تھا؟ یحییٰ نے کہا" وہ تو فرضی مقدمہ لائے تھے۔ اِس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی تنبیہ مقصود تھی کہ ۹۹ بیویاں رکھتے ہوئے کسی غریب کی ایک بیوی چھین لی تھی" ہشام نے کہا" بس اِسی طرح یہ دُونوں صالح تھے ان کا مطلب ابوبکرؓ کو تنبیہ کرنا تھا جیسے فرشتوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کی تھی (تفریح الشیعہ، مطبوعہ امامیہ کُتب خانہ، لاہور)

چنانچہ امام مالکؒ کی حدیثوں کو دیکھ کر (جس کا نام اُنہوں نے موطا رکھا تھا یعنی چھان بین کر مصفا اجزا فراہم کرنا) حضرت ہشام نے اِن پر اعتراض فرمایا کہ "آپ نے اِس میں حضرت علی مرتضیٰؑ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بہت کم روائتیں لی ہیں۔ اِس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟" امام مالکؒ نے جواب دیا" یہ دُونوں حضرات اپنے مدینے کے قیام میں حدیثِ رسُولؐ کے راوی نہ تھے۔ اِس لئے اہلِ مدینہ و مکہ اِن کی

روائتوں سے واقف نہیں۔ ممکن ہے کہ اُنہوں نے کوفہ و بصرہ کے دورانِ قیام میں یہ کارِ خیر اختیار کر لیا ہو (اِس لئے صرف کوفی و بصری ہی اِن کی حدیثوں سے واقف ہیں) تاہم جو حدیثیں اِن حضرات سے اہلِ مدینہ کو ملی ہیں وہ اِس میں موجود ہیں"۔

ظاہر ہے یہ جواب خلیفہ عجم اور اِس کے درباریوں کے لئے قابلِ قبول نہ ہو سکتا تھا۔ ہشام صاحب نے بڑی ہوشیاری سے عبداللہ بن عباسؓ کا نام علیؓ کے ساتھ ملا کر بادشاہ کی دُکھتی رگ پکڑ لی تھی۔ وہ امام مالک کی کتاب کو سرکاری منظوری کیسے دیتا۔ چنانچہ اِن کی کتاب رد کر دی گئی اور یہ کام کوفہ و بغداد کے عجمیوں کے سُپرد کر دیا گیا۔ جنہوں نے صحاح ستہ بھی لکھ ڈالیں اور سیرتِ النبویؐ بھی تیار کر لی۔ جو آج ہماری اِسلامی دُنیا کی مایہ ناز کتابیں ہیں۔ مگر موطا اِن میں شامل نہیں ہے۔

موطا کے بارے میں امام بخاریؒ کا قول ہے کہ سب سے زیادہ صحیح اسانید امام مالکؒ نے ابن عمرؓ سے بذریعہ نافع جمع کی ہیں۔ پھر بھی کوفہ و بغداد کے عجمیوں نے اُنہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وجہ یہی تھی کہ عجمی دماغ اِسلام کے سیدھے سادے سچ کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ وہ کوہ قاف کی پریوں اور دیوؤں کے قصے سُن کر پلا بڑھا تھا۔ اسلئے ایسی روائتیں جن میں طلسماتی رنگ نہ ہو اُنہیں پسند نہ آتی تھیں ہمارے باطنی بھائیوں نے اِسلام میں کمی اپنی حدیث سازی کے ذریعہ پُوری کر دی اِس موقع پر امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کی ایک ایک حدیث بطور مثال پیش ہے۔

اوقاتِ نماز عرب روایت

امام مالکؒ لکھتے ہیں:۔ "ابو مسعودؓ انصاری نے حضرت مغیرہؓ سے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اِن کے ہمراہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ پھر دُوسرے تیسرے اور چوتھے وقت کی نماز بھی ساتھ پڑھی۔ اِس طرح پانچ نمازوں کے اوقات مقرر ہوئے۔ یہ روایت بشیر بن ابی مسعود انصاری سے لی گئی" (موطا امام مالک)

عجمی روایت:۔ مگر عجمی دماغ اِس سیدھی سادی روایت سے مطمئن نہ ہو

سکا۔ نمازوں کے اوقات اور تعداد نماز کے لئے اُنہیں زیادہ مفصل حدیث کی ضرورت پڑی تو تیسری صدی ہجری میں امام بخاریؒ متوفی ۲۶۱ھ نے وہ کمی اس طرح پوری فرمائی۔ اختصار کے لئے یہ روایت مودودی صاحب کے الفاظ میں سُنئے۔

(۱) رسولؐ اللہ، جبرئیل کے ساتھ سفر معراج کو چلے چھ آسمان پار کرکے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر جبرئیلؑ ٹھہر گئے۔ آپؐ تنہا آگے بڑھے۔

(۲) ایک بلند ہموار سطح پر پہنچے تو بارگاہ جلال سامنے تھی ہم کلامی کا شرف بخشا گیا۔

(۳) ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔

(۴) پیش خداوندی سے واپسی پر نیچے اترے تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے مُلاقات ہوئی۔ اُنہوں نے روداد سُنی اور کہا میں بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں میرا اندازہ ہے کہ آپؐ کی اُمّت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی — جائیے اور کمی کے لئے عرض کیجئے۔

(۵) آپ واپس گئے اور اللہ جل شانہٗ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پلٹے تو حضرت موسیٰ نے پھر وہی بات کہی۔ اُن کے کہنے پر آپؐ بار بار اُوپر جاتے رہے اور دس نمازیں کم کی جاتی رہیں۔ آخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حُکم ہوا۔ اور فرمایا گیا۔ کہ یہی پچاس کے برابر ہیں۔

(۶) واپسی کے سفر میں آپ اِسی سیڑھی سے اُتر کر بیتُ المقدّس آئے یہاں تمام پیغمبرؑ موجود تھے آپؐ نے اُن کو نماز پڑھائی۔ جو غالبًا فجر کی نماز تھی۔

(۷) پھر بُراق پر سوار ہوئے اور مکّہ آئے۔ اب ذرا اس روایت کے رموز سُنیئے۔

ف۱:۔ چھ آسمانوں تک جانے کے لئے تو حضرت جبرئیلؑ کی رہبری کی ضرورت تھی۔ مگر ساتویں آسمان پر اللہ میاں کا مکان ڈھونڈنے کے لئے اُن کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ گویا وہ بھی کوئی محلہ تھا جیسے صدر میں پہنچ کر آپ کو ایوانِ صدر تلاش کر لینے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

ف۲:۔ اللہ تعالیٰ کا گھر ایک ٹیلے پر بنا ہوا تھا جو مسطح و ہموار تھا۔ گویا اللہ میاں کا دیا ہوا اپنا پتہ غلط ہے۔ اُنہوں نے قرآن میں فرمایا ہے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی ہماری کرسی اتنی بڑی ہے کہ وہ زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے ہے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں وہ ٹیلے پر ایک چھوٹے سے بنگلے میں مقیم تھے۔ یعنی وہ لامکان نہیں ہیں۔

ف۳:۔ ہر روز پچاس نمازوں کا حُکم دے دیا۔ خُدا کو معلوم نہ تھا۔ کہ دُنیا کی دن صرف ۲۴ گھنٹے کا ہوتا ہے اِس میں پچاس نمازیں ۲۴/۵۰ پڑھنے کے معنی تھے کہ ہر آدھ گھنٹے کے بعد نماز پڑھی جائے۔ نہ رات کو سوئیں نہ دن کو آرام کریں پھر بھی دُو نمازیں رہ جائیں۔ یعنی صرف اڑتالیس ادا ہوں۔ اور اگر دن کے دن پڑھی جائیں تو ۱۲/۵۰ نمازیں گھنٹے میں چار ہوئیں۔ اور دُو بچ جائیں گی۔

ف۴:۔ رسُولؐ اللہ کا بھولا پن ظاہر کیا گیا ہے اِن کو بھی معلوم نہ تھا۔ کہ اُمّت اتنی ساری نمازیں اتنے قلیل عرصے میں کیسے پڑھے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا وہ حُکم بھی بھول گئے۔ جس میں دن رات کے کام بتلا دیئے گئے ہیں۔ وجعلنا الّیل لِباسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ یعنی رات کو پردہ مقرّر کیا ہے اور دن بنایا ہے کہ اِس میں تُم تلاشِ معاش کرو۔ پھر یہ پچاس نمازیں کیسے ادا ہوں گی۔

اب لُطف کی بات سُنئے۔ رسُولؐ اپنے آقا سے اُمّت کے لئے نئے احکام لے کر آرہے تھے۔ راستے میں موسیٰ علیہ السّلام مِل گئے۔ پُوچھا بھائی مُحمّدؐ بتاؤ تُم میں اور اللہ میاں میں کیا باتیں ہوئیں۔ اور جب سُنا کہ اُمّت محمّدی پر پچاس نمازیں فرض ہو گئی ہیں اور سب کی سب باوضو، با استنجا با طہارت پڑھنی ہوں گی تو سر پیٹ لیا اور کہا۔ میری اُمّت نے ہفتے کے ہفتے ایک نماز پڑھ کر نہ دی۔ تُمہاری اُمّت ایک دن میں پچاس نمازیں کیسے پڑھے گی۔ جاؤ اللہ میاں سے کہو یہ حُکم غلط ہے۔

ف۵:۔ میں خُدا کی دھاندلی دکھلائی گئی ہے ایک تجربہ کار نبیؑ کے مشورے سے رسولؐ حکم میں تبدیلی کروانے گئے تھے۔ مگر وہ کچھ سُننے اور سمجھنے پر راضی نہ

ہوا صرف دس نمازیں کم کردیں چنانچہ رسُول کو باربار عرش سے ساتویں آسمان تک چڑھنا اُترنا پڑا۔ اس سے آپؐ کو آسمانوں کے فاصلے بھی معلوم ہوگئے۔ یقیناً وہ اسٹیٹ بنک کی طرح کوئی عمارت تھی جہاں لفٹ کے ذریعہ چڑھنا اُترنا تھا خُدا کا آفس آٹھویں منزل پر تھا۔

ف۶:۔ چنانچہ بخاری صاحب فرماتے ہیں کہ عرش سے لے کر بیت المقدس تک ایک سیڑھی کے ذریعہ رسُول اُترے اور پھر بُراق پر بیٹھ کر مکّہ واپس آئے یعنی بُراق صرف دُنیاوی سفر کے لئے تھا۔ آسمان پر نہ جا سکتا تھا۔ کیا یہ کوہ قاف والا عرش تھا۔ جہاں سبز رنگ کے گھوڑے اُڑتے ہیں اپولو کے محل کی تصویر دیکھئے اور مُسلمانوں کا اعتقاد ملاحظہ فرمائیے۔

ناظرین نے محسوس کر لیا ہوگا کہ عجمی دماغ محیر العقول اور ناقابلِ یقین دیوپری کے قصّے بنانے میں کتنا تیز رہا ہے اور اُن کے عوام اُنہیں باور کرنے کے لئے کیسے تیار رہتے ہیں۔ بخاری کی یہ حدیث امام مالک کی حدیث پر صرف اِس لئے سبقت لے گئی کہ اِس میں جھوٹ ہی جھوٹ تھا بلکہ یہودی شرارت تھی۔ جس نے چاہا کہ مُسلمانوں کو یقین دلا دے کہ موسیٰؑ نہ ہوتے تو محمدؐ اور ان کے خُدا نے مُسلمانوں کو کہیں کا نہ رکھا تھا۔ اِن بیچاروں کو دن رات نمازوں سے فرصت نہ ملتی۔ حج روزہ اور جہاد کیا کرتے۔ روٹیوں کو مُحتاج ہوتے۔ دُوسروں کی خیرات پر جینا پڑتا۔

پاکستان میں رافضی اور اُن کے حاشیہ بردار مُلاؤں نے حدیثوں پر رائے دینے والوں کو منکرِ حدیث کا لقب دے کر مطعُون کرنا اپنی آبائی عادت سے مجبُور ہو کر شروع کیا ہے۔ لیکن اِس میں کوئی ندرت نہیں اِن کے بزرگ بھی اِسی طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔

جب جھُوٹے مدعیانِ اِسلام یعنی عجمی مجوسیوں اور یہُودیوں نے حدیث سازی شروع کردی تو سچّے مسلمان اِن کے جھُوٹ اور افترا کا پردہ چاک کرنے کھڑے ہوگئے۔ الطاف حسین حالی نے اِسی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

گروہ ایک جویا تھا عِلمِ نبی کا ۔۔۔ لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا ۔۔۔ کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا ۔۔۔ مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا ۔۔۔ ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا

طلسم ورع ہر مُقدّس کا توڑا
نہ مُلّا کو چھوڑا نہ صُوفی کو چھوڑا

مگر وہ کتابیں چھُپا دی جاتی ہیں۔ اور مَولوی وہی الاپتا ہے جس سے اِس کی مُلّائی چمکے وہ مخدوم بن کر خُدام کو لوٹ سکے۔

قرانِ عجم کی تیاری

آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ کوشش صرف من گھڑت حدیثوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ بابل و نینوا کی سرزمین نے ایسے لوگ بھی پیدا کر دیئے جنہوں نے قرآن کے مقابلے کی کتابیں تیار کر دیں۔ اِن میں ایک صاحب نے اپنا فارسی کلام تیس پاروں میں جمع کرکے پیش کر دیا۔ اور اِس کی تعریف میں لکھا ؎

ما ز قرآن مغز را برداشتیم ⁂ استخوان پیش سگاں انداختیم

یعنی ہم نے قرآن عربی سے اِس کا مغز نکال کر اپنی اِس کتاب میں جمع کر دیا ہے جو فارسی میں ہے۔ اور ہڈیاں چھیچھڑے وغیرہ جو عربی میں رہ گئے ہیں۔ وہ عربی دان کتّوں کے لئے چھوڑ دیئے ہیں۔ اور یہ حربہ کامیاب ہوگیا عجمی مُسلمان اِس فارسی قرآن سے اخذِ دین کرنے لگے جس میں، وجد، مراقبہ، حال، ناچنا، لوٹنا، خرقہ اتارنا اور ایک دُوسرے سے چمٹنا، بوس و کنار کرنا ہی اِسلام بتلایا گیا ہے۔

چنانچہ اب مُسلمان ڈنکے کی چوٹ پر کہنے لگے ؎

قاضی ار با ما نشیند بر فشاند دست را ⁂ محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را

یعنی پیر جی ہمارے ساتھ آ بیٹھیں تو ناچنا، تھرکنا شروع کر دیں اور تھانیدار وکوتوال ہماری صحبت میں بیٹھ کر دو گھونٹ پی لیں تو عمر بھر شرابیوں کے منہ نہ آئیں پھر قرآن عجم کے بارے میں فتویٰ دیا گیا۔ ؎

مثنوی مولوی معنوی ✣ ہست قرآن در زبانِ پہلوی

عجمی قرآن کو پاکر عجمی مسلمانوں کو عربی قرآن کی ضرورت نہ رہی۔

اِس قرآنِ عجم میں لکھا ہے۔ ؎

شکرانہ آں کہ روزہ خوردم رمضان ✣ درعید نماز بے طہارت کردم

یعنی میں رمضان کے روزے کھا گیا اور کوئی باز پرس نہ ہوئی تو بطور شکرانے کے نمازِ عید بے طہارت ہی پڑھ آیا۔ سبحان اللہ کیا اسلام تھا آپ کا اور آپ کے ماننے والوں کا۔

اِس کا نتیجہ آپ نے دیکھا۔ قرآن عربی کو طاق میں رکھ دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اِسے سمجھنا محال ہے۔ یہ بدل دیا گیا ہے۔ اِس میں علیؓ کی منقبت کے سورے نکال دیئے گئے ہیں۔ صحابہؓ کی تعریف کی آیات شامل کر دی گئی ہیں۔ پس علیؓ کے پرستار اِسے قبول نہیں کر سکتے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

قرآن کی بے حُرمتی

مُسلمانوں نے قرآن سے ہدایت لینا چھوڑ دیا مگر اس کی افادیت کے منکر نہیں ہیں۔ چنانچہ جب کوئی مرجاتا ہے تو قرآن کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ اگر قرآن پڑھوا دیا جائے تو اِس کے سارے گناہ اور سب بداعمالیاں مُعاف ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ باقاعدہ دعوت دے کر لوگوں کو قرآن پڑھنے کے بعد پلاؤ، زردہ کھلایا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ رسم اِسلامی نہیں ہے بلکہ ہندوؤں سے سیکھی گئی ہے۔

ہندو مذہب میں پنڈت کو بلا کر کتھا پڑھوائی جاتی ہے پھر پانڈوں کو لڈو پوری اور شیرہ کھلایا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ جتنا زیادہ برہمنوں کو کھلایا جائے گا برہما جی خوش ہوں گے۔ یہ لوگ پیسے دے دے کر لڈو کھلواتے ہیں۔ سُنا ہے کہ جب مزید لڈو کھانے سے پنڈت جی انکار کرتے ہیں۔ تو فی لڈو سو سو روپے دے کر کھلاتے ہیں۔ شیعوں کے یہاں قرآن خوانی کے لئے بلا کر مجلس پڑھائی جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ قرآن پڑھے ہوئے نہیں ہوتے بریلوی عقائد کے لوگ قرآن کی جگہ قل ھو اللہ پڑھواتے ہیں۔ اِسی لئے یہ رسم قل کہلاتی ہے اسلام سے اِن رسوم کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الیوم تجزیٰ کلّ نفسٍ بما کسبت: قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا پائے گا۔ اللہ لوگوں سے رشوت نہیں لیتا۔ ورنہ تمام راشی، چور ڈاکو جو دولت چھوڑ جاتے ہیں اور اُن کے ورثاء شاندار سوم وچہلم مناکر مولویوں کو گوشت روٹی اور پلاؤ کھلا دیتے ہیں سب جنتی بن جائیں اور ایماندار نیک لوگ جو حرام کی کمائی چھوڑ کر نہیں مرتے۔ دوزخ کا ایندھن بن جائیں اللہ اِن گمراہوں کو ہدایت دے جو قرآن کی اِس طرح بے حُرمتی کرتے ہیں کہ جہاں کوئی مرا عربی قرآن کی ضرورت پڑ گئی سب جمع ہوئے آپس میں سپارے تقسیم کر کے پڑھنا شروع کر دیا۔ پڑھنا آئے یا نہ آئے پڑھو صحیح پڑھو یا غلط مگر قرآن ختم کر دو تاکہ مُردے کی رُوح اِس ہوائی ثواب پر سوار ہو کر سیدھی جنّتُ الفردوس پہنچ جائے

بعض خُداترس اور دیندار حضرات تو قرآن عربی کے اِس قدر معتقد ہوتے ہیں کہ بلاؤں کے دفعیہ اور برکت کے لئے اچھے سے اچھا قیمتی نسخہ لاکر گھر کی سب سے اُونچی کارنس یا طاق میں رکھ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

مُسلمانان درگور مُسلمانی درکتاب

قبلہ وکعبہ کی بے حُرمتی

مُسلمانوں کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ سارے جھوٹے اور فانی معبودوں کی پرستش سے روک

دیا گیا تھا تاکہ وہ ایک ذاتِ واحد کو ماننے والے موحد بن جائیں اور کسی دُنیادی طاقت کے سامنے نہ جُھکیں خواہ بادشاہ یا وزیر ہو خواہ ولی اور پیر چنانچہ مُسلمانوں نے جب وہ مُسلمان تھے نہ رسُول ؐ کو پُوجا نہ کسی ولی اللہ اور امام کو مانا۔ اور نہ قیصر وکسریٰ کے سامنے جُھکے نہ مقبرے اور مزار پُوجے۔

مگر ایک دُنیاوی چیز کا احترام کرنے کی اجازت دے دی گئی اور وہ تھا خانہ کعبہ جس کے سامنے جُھکنا جس کی زیارت کے لئے دور دراز سے آنا اِس کے غلاف کو پکڑ کر دُعا کرنا توبہ کرنا رُو نا گڑ گڑانا اور اِس کے در پر جُھک کر سجدہ کرنا جائز کر دیا گیا تھا۔ ہمارے عجمی بھائیوں نے جو نہ خود وہاں جانا چاہتے ہیں نہ اُن کو اپنے اصلی رنگ دروپ میں جلنے کی اجازت ہے اور اِس کا اُنہیں اعتراف بھی ہے ؎

کعبہ کس مُنہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تُم کو مگر نہیں آتی

ہمارے قبلے و کعبہ کی اہمیت کو ختم کرنے کے لئے "مجاز" کا رنگ چڑھا کر اُن الفاظ کا استعمال اِس درجہ عام کر دیا کہ ہر کس و ناکس کو "قبلہ و کعبہ" کے الفاظ سے یاد کرنے لگے۔ یعنی اِنسان کا مرتبہ بڑھا کر قبلے و کعبے کے برابر کر دیا تاکہ جمہور مُسلمانوں کی نظر میں قبلہ و کعبہ کی بڑھی ہوئی اہمیت گھٹ کر ختم ہو جائے پس اِس کا نتیجہ وہی نکلا جو وہ چاہتے تھے۔ قبلہ و کعبہ قسم کے لوگ گلی گلی کوچے کوچے پھرنے لگے جہاں دیکھو اور جب چاہو اِن سے ملاقات کر لو اور اصل قبلہ و کعبہ کی طرف رُخ نہ کرو۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ شیعہ اپنے بزرگوں کو اپنے متبرک مقامات کے نام سے پُکارتے جیسے، نجم الحسن کراروی نجف اشرف مدظلہٗ یا کفایت حسین صاحب کوفہ شریف اور بشیر صاحب کربلائے معلیٰ وغیرہ اور قبلہ و کعبہ کو مُسلمانوں کے لئے قابلِ احترام رہنے دیتے۔ مگر افسوس تو اِن سُنی عُلماء پر ہے جو خود بھی ایک دُوسرے کو قبلہ و کعبہ و قبلہ گاہی لکھتے ہیں اور عربی دانی کا زعم بھی رکھتے ہیں۔

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

ہندُوستانی اِسلام پر شیعی اثرات

ابھی تک ہم نے اِسلام پر عجمی اثرات دکھلائے ہیں۔ اب چند نمُونے اپنے ہندُوستانی اِسلام کے مُلاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ آپ خود کتنے پانی میں ہیں۔ اور علّامہ اقبال نے جو اعتراف کیا ہے کہ وہ ہندی کافر ہیں مُسلمان کہلانے کے لائق نہیں تو یہ کہاں تک دُرست تھا ؎

یہ کافر ہندی ہے بے تیغ و سناں خوں ریز

السلام علیکم کا بدل

اِسلام نے مُسلمانوں کو آپس میں بلانے اور اِن میں اُخوت و بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے حُکم دیا تھا کہ جب اپنے کسی مُسلمان بھائی سے ملو تو کہو السّلام علیکم یعنی آپ پر سلامتی ہو شمالی ہند میں شیعی اثرات نے اِس کے بدلے آداب عرض ہے ایجاد کیا۔ جس سے اِسلامی مساوات کا تصوّر زائل ہو گیا اور یہ غُلاموں کی طرح جُھک جُھک کر آداب بجالانے لگے۔ بندگی اور تسلیمات عرض کرنے لگے۔ کیوں کہ غُلامانہ ذہنیت لے کر پیدا ہوئے تھے

لاحول کا غلط استعمال

اِسلام نے مُسلمانوں سے توہم پرستی یعنی بھُوت پریت سے ڈرنے اور بد رُوحوں سے خائف رہنے کی عادت نکلانے کے لئے ایک آیت مبارک تبلائی تھی کہ جب تُمہارے دل میں شیطانی وسوسے یا جن بھُوت کا خُوف پیدا ہو تو کہو لاحول ولا قوت الا باللہ، یعنی دُنیا میں کوئی قوت یا کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جس سے اِنسان ڈرے سوائے اللہ کے۔ شیعوں نے اِس آیت مبارکہ کو گالی بنا دیا۔ اجی لاحول بھیجیے۔ بلکہ اِسے لاحول بِلا قوت بولنے لگے۔ حتیٰ کہ یہی بات حضرت حسین رضی سے کہلوا دی ۔

میں! اور اطاعت یزید گمراہ'

لاحول ولاقوت الا باللہ!

یعنی یہ قرآن کی آیت جو انسان کو نڈر اور باہمت بنانے کے لئے تھی تاکہ مسلمان جانوروں، بھوتوں، چڑیلوں اور شیطانوں سے بے خوف ہو جائیں، ناکارہ بنا دی گئی۔ اور اُنہیں شیر گھوڑے اور مُردہ بزرگوں کی عظمت کے گن گانے، پُوجنے سے لگا دیا گیا۔

خلیفہ کی تحقیر

آپ جانتے ہیں شیعہ خلفائے اسلام سے بغض رکھتے ہیں اِن کو گالیاں دیتے ہیں۔ آپ نے بھی سُنا ہوگا۔ بعض روافض کا تکیہ کلام ہوتا ہے۔ اجی لعنت برسے۔ اور آپ کو پتہ نہیں ہوتا کہ وہ دراصل کہتا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے "لعنت برسہ" یعنی تین پر لعنت۔ اور یہ تین خلفاء ثلاثہ۔ ابو بکرؓ عُمر و عثمان رضوان اللہ علیہم ہیں جن سے اِسے آبائی بغض ہوتا ہے۔ اِسکی دُوسری شکل وہ ہے جس میں آپ خُود بھی مبتلا ہوں گے۔ وہ یہ کہ اب یہ لفظ خلیفہ جو ہمارے جلیل القدر بانیانِ اسلام کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہندو پاک میں حجام کے لئے مستعمل ہے یعنی خلیفہ کی حیثیت حجام سے زیادہ نہیں رہی ہے۔ اللہ آپ کو مُعاف فرمائے توبہ کیجئے اور آئندہ احتیاط برتیئے۔

ہندوستان میں ایک مشہور کتاب داستانِ امیر حمزہؓ چھپی تھی اور نوابان اودھ کی سرپرستی میں چھپی تھی۔ اِس میں عُمرو عیّار اور عُمرو عیّار کی زنبیل کا ذکر آپ نے بھی سُنا ہوگا۔ جسے مسلمان جہالت سے عُمر عیار پڑھتے رہے ہیں۔ اور نہ سمجھے کہ یہ خلیفہ ثانی حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی اہانت کے لئے ایک فرضی کردار پیش کیا گیا تھا جس کا مقصد پُورا ہوگیا یعنی ہمارے جاہل اسلاف حضرت عُمرؓ کو عیار (مکار) کہتے رہے اور نہ شرمائے۔ حالانکہ بڑے بڑے دانش منداور تعلیم یافتہ مولانا اور شمس العلماء بن کے مر گئے۔ اور آج بھی ایم اے، بی اے عالم فاضل بنتے ہیں مگر کوئی احتجاج نہیں کرتے۔ سعدی نے ایسے عالموں کے بارے میں سچ کہا تھا۔ چارپائے برو

کتابے چند، یا کہا تھا ؎

پرتوئے نیکاں نہ گیرد آنکہ بنیادش بداست
تربیت نااہل را چوں گردگاں برگنبد است

شہیداور شہدا کا فرق

ہم اپنی کتاب "سبائی سبز باغ" میں بتلا چکے ہیں کہ شیعت اسلام کی دُشمن ہے یہ صرف خلفاء کی تحقیر پر اکتفا نہیں کرتی۔ اپنے اماموں کو بھی نہیں بخشتی ہے۔ شیعوں کے شہید صرف پانچ ہیں۔ جن میں تیسرے علامہ شوستری ہیں جو شہید ثالث مشہور ہیں۔ بادشاہ جہانگیر نے اُن کو گدی سے زبان کھینچ کر قتل کردایا تھا۔

اِن پانچ شہیدوں کا تعلق کربلا کے سیّدالشہدا سے نہیں ہے۔ جنہیں چارجوی صاحب نے شہیدِ نینوا لکھا ہے۔ ہم پریشان تھے کہ کربلا میں شہید ہونے والے بزرگ کا تعلق نینوا سے کیسے ہوگیا جو وہاں سے تین چار سو میل دور شمالِ مغرب میں واقع ہے۔ نقشہ عجم دیکھئے۔ مگر آغا سلطان مرزا کا مضمون تہذیب بابل و نینوا سے پتہ چلا کہ نمرُود یعنی شدّاد نے نینوا کا شہر آباد کیا۔ اِس میں ایک جنت ارضی بنائی۔ حوریں اور غلمان رکھے۔ سونے چاندی کے برتن فراہم کئے۔ اور دیواروں پر زمرد والماس جڑوائے مگر جُوں ہی اُس جنت کے دروازے پر پہنچا پیامِ اجل آگیا۔ اور تلمیح سمجھ میں آگئی۔ حضرت حسین کو کوفیوں نے بلایا۔ فصل تیار ہے پھل پک گئے ہیں، آئیے اور ہاتھ بڑھا کر باغ رضوان پر قبضہ کر لیجئے لیکن جب سرحد پر پہنچے نقشہ بدل گیا لینے کے دینے پڑ گئے واقعی چارجوی صاحب نے خُوب سوچ کر حضرت حسین کو یہ خطاب دیا ہے۔ سبحان اللہ!

آپ سمجھتے ہیں شہید کی جمع شہدا ہے یعنی کئی شہید، شہدا کہلائے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ شیعہ معاشرے میں شہدا کوئی اور شے ہے۔

الطاف حسین حالی بتلاتے ہیں ؎

اگر کیجئے ان پاک شہدوں کی گنتی ؛ ہوا جن کے پہلو سے بچ کر ہے چلتی

مِل خاک میں جن سے عزّت بڑوں کی ٭ مٹی خاندانوں کی جن سے بزرگی!

چنانچہ ہمارے لکھنؤ میں سیاہ قمیض سفید پاجامے میں ننگے سر ننگے پاؤں پھرنے والوں کو شہدا کہا جاتا تھا۔ یہ مومنین کے مُردے اُٹھاتے نہلاتے دُھلاتے اور دفناتے تھے۔ اور محرم میں سوز و نوحے پڑھتے اور ماتم کر کے پیٹ پالتے تھے۔ بعض لوگ اِن کی خدمات اپنے بزرگوں کے ماتم اور نوحہ کے لئے بھی حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ مرزا غالبؔ بھی ایسے کسی بزرگ کو نوکر رکھنا چاہتے تھے۔ مگر مقدور نہ رکھتے تھے

مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں۔

ہندوستان میں شہدا اور شہدے کو شُدے بھی کہتے ہیں بعض جگہ شُدے بٹھانا یا شُدے نکالنا سے مُراد عَلم و تعزیہ رکھنا اور نکالنا مستعمل ہے۔ حالیؔ نے اِن کو پاک شُہدے کہہ کر یہ اشارہ کر دیا ہے کہ اِن کا تعلق شیعہ فرقے سے ہوتا ہے شیعہ کے مجازی معنیٰ پاک کے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے یہ لفظ شیعہ بُرے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ یعنی تفرقہ بازی،

شبّیر و شبّر کا بھید

ہم نے مجلسوں میں سُنا تھا کہ حضرات حسنین کو جنّت سے سبز و سُرخ جوڑے بھیجے گئے تھے اور ساتھ ہی شبر و شبیر کے خطابات بھی آئے تھے۔ اِن کے معنیٰ عربی لُغات میں تلاش کئے تو معلوم ہوا کہ یہ عربی الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ فارسی میں شبّر و شبّیر موجود تھے اور یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ مرکب الفاظ ہیں۔ اِن کو شب پرا ور شب پیر لکھنا زیادہ دُرست ہے۔ شب پر کو شب پرہ بھی کہا جاتا ہے۔ سعدی نے کہا ہے۔

گر نہ بیند بہ روز شب پرہ چشم
چشمِ خورشید را چہ گُناہ!

پس وجہ تسمیہ یہ ہوئی کہ باطنی حضرات حضرت حسن سے ناراض تھے اِن کو مذل المومنین اور عار المومنین کہتے تھے کیونکہ آپ نے امیر معاویہؓ سے صُلح کر کے عجمیوں کو زِک پہنچائی تھی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ

فارسی بولنے والوں نے آپ کو شب پر کا خطاب دے دیا۔

آپ نے سُنا ہوگا کہ ایک بار چرند و پرند میں جنگ ہوئی تو شب پرہ (چمگادڑ) حالات کے لحاظ سے کبھی ادھر ہو جاتا اور کبھی اُدھر۔ پرندوں سے کہتا میں اُڑتا ہوں، پرندہ ہوں چرندوں سے کہتا میں تمہاری طرح بچوں کو دودھ پلاتا ہوں، انڈے نہیں دیتا۔ اِس کی خاص عادت یہ تھی کہ وہ دن کو باہر نہیں نکلتا تھا۔ چنانچہ یہ نام حضرت حسنؓ کے حسب حال معلوم ہوا اور رکھا گیا۔

شبّیر

اِسی طرح حضرت حسینؓ کو شب پیر بلا وجہ نہیں کہا گیا ہے۔ آپ باون سال کی عُمر میں خلافت حاصل کرنے رات کی تاریکی میں مدینے سے نکلے اور مکّہ پہنچے پھر مکّے سے بلا حج کئے رات کے اندھیرے میں نکل کھڑے ہوئے کوفے سے ایک منزل پہلے راستہ بدل کر چپکے سے دمشق کی طرف مڑ گئے اور خلافت کی گدی کوفے میں انتظار ہی کرتی رہی چار منزلیں طے کر کے کربلا پہنچے تھے کہ حُر کوفی نے اپنے پچاس ساٹھ ہمراہیوں کے ساتھ جا لیا۔ اور کوفہ واپس چلنے پر اصرار کیا۔ آپ نے تین دن تک اِس کے چنگل سے نکل بھاگنے کی کوشش کی اور رات رات بھر سفر کرتے رہتے مگر صبح ہوتی تو خود کو کربلا ہی میں پاتے (یعنی راستے سے واقف نہ تھے یا رات کو راستہ دکھائی نہ دیتا تھا) پھر کوفیوں نے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ جانا نہیں چاہتے تو وہ خطوط ہم کو دے دیجئے جو ہم نے بھیجے تھے۔ آپ نے خطوط دینے سے انکار کیا تو جنگ چھڑ گئی دونوں طرف کے بہتر افراد مارے گئے۔ باقی کوفیوں نے خطوط تلف کرنے کے لئے حُسینی قافلے کے خیموں میں آگ لگا دی اور بھاگ گئے۔ کوفہ پہنچ کر تو اُ بین بنے اور خود ہی وا ویلا مچانے لگے۔ اُنہیں حضرت حسینؓ سے شِکوہ تھا کہ اِن کا کہا نہ مانا اور اپنوں ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔ پس اِن کو شب پیر کا لقب دیا گیا۔ یعنی جب کوئی اندھا کنوئیں میں گرتا ہے تو لوگ اندھے ہی کو بُرا بھلا کہتے ہیں کہ دکھائی نہ دینا تو رات کو گھر سے کیوں

نکلا تھا۔ یہی نسب، پسرِ شبیّر بن گیا ہے۔

کراری حیدر

آپ کرار اور حیدر کے معنی تو جانتے ہی ہیں۔ مگر شاید یہ نہ معلوم ہو کہ جناب حیدر نے کراری کس طرح کی تھی۔

یعنی باطنی اسلام کے مفروضہ بانی جناب امیر نے اِس نئے اسلام کو پھیلانے میں کیا مساعی فرمائیں اور اِن کی کوششوں کو شیعت و طریقت پھیلانے میں کتنی کامیابی ہوئی۔ ہمارے باطنی بزرگوں نے تاریخ کے اِس پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ صرف سمجھنے کی ضرورت ہے شیعہ کتب میں یہ واقعات دھڑلے سے بیان کئے گئے ہیں آغا سلطان مرزا لکھتے ہیں۔" کہ رسُول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی آنکھ بند ہوتے ہی اُمّت مُسلمہ میں اختلافات پیدا ہوگئے۔ اور اصل اختلاف تھا اِن کی جانشینی کا۔ حضرت علیؑ کا دعوٰی تھا کہ وہ علاوہ داماد رسُولؐ ہونے کے باطنی شریعت کے رسُولؐ بھی تھے۔ رسُولؐ کے وصی بھی تھے۔ پھر اللہ کے ولی بلکہ ولی عہد تھے اِس لئے خلیفہ بننے کا حق اِن کے سوا کِسی کو نہیں پہنچتا تھا۔ مگر ہوا کیا؟ کہ۔

" علیؑ تو رسُولؐ کے کفن و دفن میں لگے رہے۔ اور عُمرؓ نے سقیفہ بنی سعد میں جاکر حضرت اُبو بکرؓ سے بیعت کرلی۔ اور اِن کو نصبِ خلافت کر دیا (اِس سے اُن کا نام ناصب اوّل پڑ گیا۔ الحمدللہ ہمیں بھی اِس نسبت پر فخر ہے۔ ہم خُود کو ناصبی کہلانے پر ناز کرتے ہیں۔ گو روافض اِس نسبت کو بطُور گالی استعمال کرتے ہیں۔

" کہتے ہیں حضرت علی نے اِس فیصلے کو تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا خلافت کو وہ اپنا مُوروثی حق سمجھتے تھے۔ رسُولؐ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اُنہوں نے علی کو پالا تھا (حالانکہ حضُور کے متبنّیٰ حضرت زید تھے نہ کہ علی) چنانچہ اپنا حق حاصِل کرنے کے لئے آپ حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر بٹھا کر مہاجر و انصار کے گھر گھر لے گئے اور اپنے حق میں کینویسنگ کروائی مگر ہر جگہ یہی جواب مِلا کہ ہم تو ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے۔ اب اپنے عہد سے کیسے پھر سکتے ہیں۔ آپ پہلے آئے ہوتے

تو ہم ضرور غور کرتے۔

علیؓ نے کہا کیا میں رسُولؐ کو بے گور و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی سعد میں جاکر الیکشن لڑتا

لوگوں نے کہا۔ آپ پہلے جانشینی کا معاملہ طے کر لیتے پھر اِن کا جانشین شایانِ شان انتظام کفن دفن کا کر دیتا جِس میں ساری اُمّت شریک ہوتی۔ آپ کو مٹی دینے کی ایسی جلدی کیوں تھی۔ یہ کام تو اُمّت کا تھا پیغمبر کی وارث اُمّت ہوتی ہے۔ داماد یا بیٹا نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں اِس جواب سے علیؓ کو اپنی قوم قریش سے نفرت ہوگئی۔ آپ نے خاندانِ قریش کی شان میں فرمایا۔

خلافت کو ابو بکرؓ نے تنگ کرتے کی طرح کھینچ تان کر پہن لیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میرا مرتبہ ایسا ہے جیسے کیلی کا چکی میں کہ بغیر کیلی کے چکی نہیں چلتی۔ اِس پر بھی میں نے صبر کیا مگر اِس طرح کہ اِس صدمے سے گویا میری آنکھ میں خس و خاشاک پڑے ہوں اور حلق میں ہڈی پھنسی ہو۔

میں اپنی میراثِ خلافت کو لٹتی ہوئی دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ پہلے صاحب نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد اِس خلافت کو عُمرؓ کی طرف جھونک گئے افسوس اُنہوں نے خلافت کو ایک درشت مزاج کے حوالے کر دیا جِس کا زخم گہرا اور جِس کا چھُونا تک ناگوار تھا جِس میں لغزشیں بہت تھیں اور عذر گناہ بھی بکثرت تھے۔ پھر دُوسرے صاحب بھی دُنیا سے سدھارے تو خلافت کو ایسی جماعت کے حوالے کر گئے جِنمیں مَیں بھی شامل تھا۔

تیسرے صاحب دُونوں پہلوؤں کو آنتوں اور معدے کے درمیان پھیلائے ہوئے قائم ہوگئے اور اُن کے ساتھ اُن کے خاندانی رشتہ دار اُٹھ کھڑے ہوئے جو مال خُدا کو اِس طرح کھاتے جاتے تھے جیسے اونٹ فصل بہار کی دوب کھاتے ہیں۔

(ترجمہ آغا سلطان مرزا خُطبہ شقشقیہ۔ البلاغ المبین ص۸۴ و ص۱۸۴ حصہ دوم)

اور اپنی قوم قریش کی شان میں جنہوں نے ابو بکرؓ و عُمرؓ کو اپنا خلیفہ رسُول تسلیم کر لیا تھا۔ ایک دُعا "صنمی قریش" بنا کر شیعوں کو دے گئے۔ جِس میں مرتد و بے دین ہو جانے والے۔ اِن کا حق غصب کرنے والے اِن کی خلافت پر دُوسروں کو نصب

کرنے والے قریش صحابہؓ کرام پر لعنت بھیجنا سکھا گئے ہیں۔ دیکھئے تحفۃ العوام مقبول از نجم الحسن کراروی۔

آگے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہی وجوہ سے اُنہوں نے اہلِ قریش سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ اِن کی دوستی عجمیوں سے ہو گئی ان کے خاص پانچ دوست جو دوسروں کے ساتھ کافر نہ ہوئے حسب ذیل تھے۔

(۱) سلمان فارسی ایک ایرانی غلام جو نائی کا کام کرتا تھا۔ (۲) ہرمزان سابق ایرانی گورنر بصرہ جو گرفتار ہو کر آیا اور مسلمان بن کر مدینے میں رہ پڑا۔ (۳) ابو لولو فیروز دوسرا ایرانی غلام (۴) ابو ذر غفاریؓ (۵) مقداد جس نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی۔

ہرمزان اور ابو لولو (فیروز) ایرانی غلام جس کو ہمارے شیعہ بھائی بابا شجاع کہتے ہیں۔ اور اُس کے نام کی نسبت سے فیروزے کی انگوٹھی پہنتے ہیں۔ اور فیروز و فیروزہ نام اپنے بچوں کا فخریہ رکھتے ہیں اِسلامی تاریخ کے اہم کردار ہیں۔ اُنہوں نے ہماری تاریخ کا رُخ موڑ دیا ہے۔

اب مصر سے جو تین چار سو سال تک باطنیت کا گڑھ رہا ہے صحیح اِسلامی تاریخ کے نام سے کچھ لٹریچر نکل رہا ہے جو مسلمانوں کے لئے سوہانِ روح ہوگا محمد حسین ہیکل مصری عمر فاروق اعظم (مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور) میں لکھتا ہے۔

شہادتِ خلیفہ ثانی

حضرت عمرؓ کے قتل کی سازش ہرمزان کے گھر پر تیار ہوئی اِس نے ابو لولو کو ایک خاص قسم کی چھری فراہم کی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے جب وہ چھری دیکھی تو فرمایا۔ میں نے یہ چھری کل ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھی تھی

حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے فرمایا میں نے عمرؓ کے قاتل ابو لولو کو دیکھا جفینہ اور ہرمزان اُس کے ساتھ تھے وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ میں دفعتاً اِن کے پاس سے گزرا تو ایک خنجر اِن کے درمیان گر پڑا جس کے دو پھل تھے۔

اور دستہ بیچ میں تھا۔ لوگوں نے دیکھا تو واقعی وہی خنجر تھا۔ اور یہ وہی عجمی تھے جن کے ساتھ حضرت علیؓ کا اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ اُنہیں اُمید تھی کہ حضرت عمرؓ کو ہٹا دینے سے خلافت اپنے حقدار کی طرف لوٹ آئے گی مگر حالات نے پلٹا کھایا۔ عبیداللہ بن عمرؓ نے سُنا تو طیش میں آکر ہرمزان اور جفینہ کو قتل کر ڈالا اور فیروز یا ابو لولو خود کشی کر کے مر گیا۔ اِس طرح مزید تفتیش کے دروازے بند ہو گئے۔ اور آج تک اصل حال معلوم نہ ہو سکا۔ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے دوسروں کو جنازے پر تعزیتی فقرے کہتے سنا تو فرمایا۔ ابن خطابؓ اللہ آپ پر اپنی رحمت کرے بنتِ ابی شحمہ نے ٹھیک کہا۔ آپ نیکیاں لے کر جا رہے ہیں۔ اور دُنیا کی برائی سے محفوظ ہیں خدا کی قسم بنت ابی شحمہ نے خود کچھ نہیں کہا اِس سے کہلوایا گیا ہے صنہ ۳ء

یہاں اِس آخری جملے پر سر دھینے۔ گویا علیؓ نے جو کچھ کہا مجبوراً کہا تھا۔ اِس عجمی و عربی مناقشے کو سمجھنے کے لئے ہمیں اپنی تاریخ کو جو عجمیوں کی لکھی ہوئی ہے بین السطور دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے بزرگ شیعہ اثرات سے بلکہ شیعہ اقتدار کے ڈر سے حقیقتوں کو احترام و تقیہ کے پردوں میں چھپاتے رہے ہیں جہاں علیؓ کے خلاف بات ملی چھپا دی۔ معاویہؓ و عثمانؓ کا ذکر آیا تو بلند آواز سے بیان کر دیا۔ جیسے ہمارے مودودی صاحب کر رہے ہیں۔

اُنہی بزرگوں نے یہ سارے جھگڑے جو شہادتِ فاروقیؓ و عثمانیؓ سے متعلق تھے عربوں مسلمانوں اور خاص کر بنی اُمیّہ کے سر تھوپ دیئے ہیں۔ حالانکہ معاملہ کچھ اور ہے۔

آیئے دیکھیں وہ کیسے مسلمان تھے جو رحلتِ رسولؐ کے چند سال بعد ہی آپس میں لڑنے مرنے لگے یقیناً یہ آپس میں لڑنے والے مسلمان سب ایک نہ ہوں گے۔ اُن میں علاقائی نسلی، نسبی، لسانی اور خاندانی اختلافات ہوں گے۔ جبھی تو پارٹیاں بن گئیں۔

ہمارے عجمی و باطنی مؤرخین فرماتے ہیں کہ علیؓ کے طرفدار عراقی و ایرانی ہو گئے

اور شیعانِ علیؓ کہلائے، ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ معاویہؓ و یزیدؒ کے ساتھی عرب شام اور مصر کے لوگ رہے۔ اور یہ خارجی، ناصبی، قریش و بنو امیہ کے ناموں سے یاد کئے گئے۔

اس لئے ان جھگڑوں کو بنو ہاشم و امیہ کی آپس کی منافقت یا خاندانی بغض و عناد سمجھنا جہالت ہے۔ خاص کر جب ہم دیکھتے ہیں کہ علیؓ کے سگے بڑے بھائی عقیل بن ابی طالب حضرت معاویہؓ کی طرف سے شیعانِ علیؓ سے لڑ رہے ہیں۔ اور وہ بنو ہاشم ہونے میں علیؓ سے کم نہیں۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے تاریخ کے ساتھ تھوڑا سا جغرافیہ بھی معلوم کرنا پڑے گا۔ ابو یوسفؒ لکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کی فتوحات سے خاص شہر مدینہ کی آبادی بھی محض عربوں پر مشتمل نہ رہی۔ جس طرح اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر ایران عراق شام مصر اور اقصائے چین تک پھیل گیا تھا۔ اور یہ سب ممالک اسلامی ممالک کہلائے جانے لگے تھے۔ حالانکہ ان میں بیشتر ذمی مشرکین و کفار موجود تھے جنہیں جزیہ ادا کرنے کے بعد وہی شہری حقوق حاصل تھے جو کسی مسلمان کے ہوتے اسی طرح شہر مدینہ جو اسلامی دارالخلافہ تھا اب خالص عربی آبادی پر مشتمل نہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجاہدین اسلام ممالک فتح کرتے اور وہاں سے لونڈیاں اور غلام مدینے بھیجتے رہتے جو حضرت عمرؓ عربوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

چنانچہ آپ جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کو بھی ایک لونڈی دی گئی تھی۔ جس کا نام شہر بانو تھا۔ اسے مجاہدانِ اسلام ایران سے لائے تھے۔ ابھی حضرت حسینؓ کی عمر شادی کے لائق بھی نہ تھی۔ آپ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور ایران ۱۶ھ میں فتح ہوا۔ یعنی آپؓ کی عمر کل بارہ سال تھی مگر خدمت کیلئے لونڈی عطا فرما دیگئی۔

کہتے ہیں حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت سعد بن وقاصؓ نے مدینے کی مردم شماری کی تو معلوم ہوا کہ غلاموں اور لونڈیوں کی تعداد عربوں سے تین گنا زیادہ تھی یعنی مدینے کے سینتیس ہزار عرب گھرانوں میں ایک لاکھ پینتیس ہزار عجمی (ایرانی، عراقی، مصری، حبشی) غلام اور لونڈیاں موجود تھیں۔ ابو یوسفؒ لکھتے

ہیں کہ تعجب ہے کہ اتنی بڑی غلاموں کی جمعیت نے ایکا کر کے اپنے مٹھی بھر آقاؤں کے خلاف بغاوت کیوں نہ کی۔ کیونکہ یہ سب جنگجو سپاہی تھے۔ جو جنگوں میں گرفتار ہو کر غلام بنے تھے (مقتولین کے بال بچے اس لئے لائے جاتے تھے کہ حکومت ان کی پرورش کر سکے اُس وقت تک یتیم خانوں اور بیوہ خانوں کا رواج نہ تھا)

انہی عجمی غلاموں میں بصرے کا ایرانی گورنر ہرمزان بھی تھا جو محض اپنی قوم کا بدلہ لینے کے لئے مدینے میں رہ پڑا تھا اس کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا اس کی تعریف خواجہ اجمیری سے سنئے۔

عرب و عجم کے بادشاہ

دلیل العارفین میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی لکھتے ہیں کہ خواجہ بندہ نواز نے فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں عراق کا بادشاہ گرفتار کر کے لایا گیا (یہ بصرے کا گورنر تھا) حضرت عمرؓ نے کہا اگر تو مسلمان ہو جائے تو عراق تجھے واپس دے دوں گا۔ وہ نہ مانا حضرت عمرؓ نے کہا اگر اسلام قبول نہ کرو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے اس نے پھر انکار کیا حضرت عمرؓ نے اسے قتل کرنے کے لئے تلوار طلب کی (گویا خود ہی جلادی بھی کرتے تھے) مگر عراق کا بادشاہ بہت چالاک اور عقل مند تھا اُس نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ اُسے شیشے کے برتن میں پانی پلانے کا حکم ہوا۔ اُس نے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا چونکہ یہ بادشاہ ہے اسے سونے یا چاندی کے برتن میں پلاؤ۔ وہ کہنے لگا۔ نہیں میں مٹی کے برتن میں پیوں گا۔ (دیکھئے حضرت عمرؓ کی حیثیت کے برتن میں پانی مانگا) جب مٹی کے برتن میں پانی پیش کیا گیا تو عراق کے بادشاہ نے کہا مجھ سے عہد کیجئے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی لوں مجھے قتل نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے وعدہ کر لیا اب عراق کے بادشاہ نے برتن زمین پر دے مارا اور پانی زمین میں جذب ہو گیا۔ پھر کہنے لگا آپ نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ جب تک یہ پانی نہ پی لوں آپ مجھے قتل نہ کریں گے۔ حضرت عمرؓ بادشاہ کی اس عقل مندی پر بڑے متعجب ہوئے اور اُسے معاف کر دیا۔

پھر آپ نے اسے ایک عابد و زاہد اور نیک شخص کے سپرد کر دیا کہ شاید اس

کی صحبت کے اثر سے وہ اسلام لے آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ مدت کے بعد وہ بادشاہ مسلمان ہو گیا (خواجہ بندے نواز صـ۱۶۱) نیز دیکھئے کشف المحجوب۔

ظاہر ہے کہ وہ عابد و زاہد شخص حضرت علیؓ تھے اور حضرت علیؓ کی تعلیم کا کیا اثر ہوا خواجہ صاحب نے نہیں بتلایا۔ البتہ حسنین ہیکل مصری بتلاتا ہے کہ عجم کے بادشاہ ہرمزان کے گھر تمام مجوسی غلام بن میں فیروز لولو، سلمان فارسی، جفینہ وغیرہ جمع رہتے اور حضرت علیؓ وہاں بیٹھ کر ان کو اسلام سکھلاتے تھے حتیٰ کہ ۸ سال بعد عراق کے بادشاہ نے فیروز ابولولو کو ایک خاص چھری دیکر عرب کے بادشاہ کو قتل کروایا۔ اور حضرت علیؓ صرف واللہ انا بریؑ کہہ کر صاف بچ گئے۔

خلیفہ وقت کے صاحبزادے عبیداللہ بن عمر کو معلوم ہوا کہ ہرمزان کی سازش سے اُن کے والد کو قتل کیا گیا ہے تو تلوار لے کر گئے اور ہرمزان کے ساتھ جفینہ اور اُس کی بیٹی کو بھی قتل کر ڈالا۔ فیروز ابولولو پہلے ہی مار ڈالا گیا تھا۔

تاریخ داں حیران ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے سوتیلے نواسے عبیداللہ بن عمر کے خلاف قصاص کا مقدمہ کیوں دائر کیا۔ انہیں ہرمزان سے کیا تعلق تھا۔ جو اس کے وارث بن کر خون کا بدلہ لینے کھڑے ہو گئے اور بدلہ لینا ہی تھا تو جفینہ اور اس کی بیٹی کا قصاص بھی طلب کرتے۔

حضرت عثمانؓ نے زمام حکومت سنبھالی اور ہرمزان کا خون بہا سرکاری خزانے سے دلا دیا۔ مگر حضرت علیؓ نے پھر بھی عبیداللہ کو معاف نہ کیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کی زندگی میں چپ رہے اور جیسے ہی حضرت عثمان کو ان کے بیٹے اور غلام نے ٹھکانے لگایا۔ آپ عبیداللہ سے قصاص لینے کھڑے ہو گئے بیچارے عبیداللہ بن عمر نے بھاگ کر دمشق میں حضرت معاویہؓ کے پاس پناہ لی۔

چند ماہ بعد جنگ صفین میں پھر دونوں دو بدو ہوئے تو حضرت علیؓ نے کہا تم وہی قاتل ہرمزان ہو جس پر قصاص باقی ہے کہتے ہیں کہ اس پر اُن کے سوتیلے نواسے حضرت عبیداللہؓ نے جواب دیا۔ ہاں مجھ پر ایک کافر مجوسی کا

قصاص باقی ہے اور تمہاری گردن پر خلیفہ معصوم عثمان بن عفان کا قصاص ہے

پھر عبیداللہ جنگ میں شہید ہو گئے۔ میر خاوند و ابن اثیر لکھتے ہیں کہ علیؓ نے چاہا کہ ان کی لاش کی بے حرمتی کی جائے مگر عبیداللہ کی بیوی نے اہل قریش کی حمیت کو للکارا انہوں نے علیؓ کو ایسی حرکت سے باز رکھا۔ ابن اثیر کو صرف حیرت ہے۔ کہ علیؓ جیسے بلند مرتبہ شخص نے ایک عجمی غلام کے قصاص کے لئے اپنے ہم قبیلہ ہم قوم بلکہ سوتیلے نواسے کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا۔ اس کا محرک کون سا جذبہ تھا۔ اگر کہا جائے کہ محض مقتضائے انصاف تھا تو جفینہ اور ابولولو کی لڑکی کے قصاص کا بھی ذکر ہونا چاہیئے تھا۔ ابن اثیر ج ۳ صـ۳۱ میر خاوند باب ۲ صـ۱۲۱۔

معلوم نہیں اُس میں کیا سچ ہے۔ اور کیا جھوٹ کیونکہ تاریخ تو ساری کی ساری عجمی مفسدوں کی لکھی ہوئی ہے۔ اور کوئی ضروری نہیں کہ پہلی صدی ہجری کے حالات اُنہوں نے دیانت داری سے قلم بند کئے ہوں۔ تاریخوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ ہمیں آج کے سے علمی ماحول میں صحیح پتہ نہیں چل سکتا کہ قائداعظم یکایک کیسے مر گئے۔ لیاقت علی خاں کو کیوں قتل کیا گیا۔ اور دراصل مسلم لیگ اور پاکستان کے قیام میں حسن بن صباح کے پوتے اور خوجوں کے خدا پرنس آغا خاں مرحوم کا کتنا ہاتھ تھا۔ اور اس بیچارے کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا گیا تو اسے کتنا قلق ہوا ہو گا۔ یا ہمارے شیعہ بھائیوں کو جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ اور پاکستان آکر تمام کلیدی عہدوں اور وسائل نشر و اشاعت یعنی اخباروں اور ریڈیو پر قبضہ کر لیا اور مکان دکان زمینیں۔ اپنوں اپنوں کو بانٹنے لگے تو مقامی لوگ اور دیگر مسلمان دم بخود رہ گئے۔ کیا وہ اتنے پڑھے لکھے اور ہوشیار نہ تھے۔

یہی حال اس وقت شہر مدینہ کا تھا۔ وہاں کی آبادی خالص عرب نہ تھی۔ آپ نے دیکھا کہ عجمی غلاموں کی آبادی عربوں سے تین گنا زیادہ تھی اور ان کی ریشہ دوانیوں کا حال بھی دیکھ لیا کہ خلیفہ اسلام کو شہید کر دیا گیا۔ بلکہ ذوعظیم الشان

خلفاء اِن کے ہاتھوں قتل ہوتے۔

مگر ہمارے بغدادی و کوفی مؤرخ اُن مجوسوں کو مسلمان تبلاتے ہیں۔ اور اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اِسے مسلمانوں کی خانہ جنگی ظاہر کرتے ہیں حالانکہ یہ عجمی غلاموں کی عرب آقاؤں سے بغاوت تھی اور ایک کامیاب بغاوت تھی۔

شہادت خلیفہ ثالث

ہاں تو ہم حضرت علیؓ کے حصولِ خلافت کا ذکر کر رہے تھے کہ شیعانِ علیؓ یعنی عجمیوں نے مدینہ پر دھاوا بول دیا۔ حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اِن کا پانی بند کر دیا۔ مگر وہ مومن و پاک باز و پاک دامن دوہرا دامادِ رسولؐ ان کلمہ گو عجمیوں کے خلاف تلوار اُٹھانے کو راضی نہ ہوا۔ نہ دیارِ رسولؐ چھوڑ کر شام جانے کو تیار ہوا۔ جہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فوج بھیجنے یا بلانے پر اصرار کر رہے تھے۔ خلیفہ اسلام کو یاد تھا کہ مدینہ وہ مقام ہے۔ جہاں سے نورِ اسلام سارے جہاں پر چمکا تھا جسے رسولِ عربیؐ نے اپنی آخری آرام گاہ کے لئے پسند فرمایا تھا۔ فرائض حج سے فارغ ہوئے تو نو مسلمان مکہ کی تالیفِ قلوب کے واسطے بھیڑ بکریاں اور اُونٹ تقسیم کرنے لگے۔ اہلِ مدینہ کے دلوں میں رشک پیدا ہوا۔ آپ نے اِن سے پُوچھا اے اہلِ مدینہ کیا تم کو قبول نہیں کہ یہ تو اُونٹ اور بکریاں لے کر اپنے گھر جائیں اور تُم اپنے اللہ کے رسولؐ کو لے کر گھر لوٹو۔ سب چیخ پڑے ہمیں رسولؐ کافی ہے

خلیفہ کی بے بسی اور ضد کو دیکھ کر سچے مسلمان مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔ بیشتر حج کے لئے گئے ہوتے تھے واپس نہ آتے۔ مدینہ میں عجمی غلاموں کی اکثریت جو اب مسلمان کہلاتے تھے باغیوں کے ساتھ ہو گئی۔

محمّد بن ابو بکر جسے حضرت علیؓ نے مصر کا گورنر مقرر کروانا چاہا تھا کیونکہ اِن کے بیٹوں میں وہی ایک باصلاحیت نوجوان تھا۔ اور اس وقت شیعانِ علی کا سرخیل بنا ہوا تھا اپنے حبشی غلام جون ایلیا کے ساتھ دیوار پھاند کر خلیفہ کے گھر میں گھس گیا۔ اور برچھی سے حملہ کر دیا۔ حضرت نائلہ بچانے آئیں تو جون ایلیا نے تلوار چلا دی جس سے

اُن کی انگلیاں کٹ گئیں اور تلوار خلیفہ مظلوم کی گردن میں پیوست ہو گئی۔

اب شیعانِ علی کو فکر ہوئی کہ خلیفہ مظلوم کے حامی چاروں طرف سے آ کر اُن کا قتلِ عام مچا دیں گے اور مدینے کے نو مسلم عجمیوں کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ اِس لئے ضروری تھا کہ نیا خلیفہ عجمیوں کا بہی خواہ ہو۔ اِس کے لئے علیؓ سے بہتر آدمی ملنا دشوار تھا۔ سب نے آپ کو گھیر لیا۔ اور دستارِ خلافت پیش کر دی اور آپ نے قبول کر لی جس پر دیگر اکابر قوم تو ایک طرف خود اُن کے صاحبزادے حضرت حسنؓ بھی ناراض ہو گئے۔ آپ نے پدر بزرگوار سے کہا میں نے کہا تھا۔ آپ بھی مدینے سے چلے جائیے آپ نہ مانے پھر میں نے کہا خلافت اِن عجمی باغیوں کے ہاتھوں قبول نہ کیجیے۔ مگر آپ نے نہ سُنا (قصاص سیدنا عثمانؓ) از محمّد سلطان نظامی لاہور)

عجمی باغیوں اور سبائیوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تو بنا دیا مگر اُنہیں تنہا چھوڑنے کی جراَت نہ کر سکے وہ جانتے تھے کہ اِن کے عرب ساتھی آ جائیں گے۔ تو یہ پھر اُنہی سے مِل کر اِن کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اور خلیفہ معصوم کا خُون رنگ لائے گا۔ محمّد بن ابوبکر اور علی کا غلام جون ابلیا مع اپنے عجمی لشکر کے جن میں مالک اشتر مجوسی اور عبداللہ بن سبا یہودی موجود تھے کیفرِ کردار کو پہنچائے جائیں گے۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنے عجمی شیعانِ علیؓ کی حفاظت و قیادت میں اِسی دیارِ رسولؐ کو جس کے احترام کے لئے خلیفہ سوم نے اپنی جان دی تھی۔ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا اور شہر کوفہ کو جہاں کبھی شہر بابل آباد تھا اپنا نیا دارالخلافہ بنانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور ترابی صاحب کے لئے اُس پر ناز کرنے کا موقعہ فراہم کر گئے۔ کہ باب العلم کو ہم نے بابل و نینوا کی میراث سونپ دی۔ لیکن اُنہی بزرگ کے شیعہ اسلاف یہ معلومات بھی لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔

"جس سال ۴۱ھ میں معاویہؓ نے امام حسنؓ سے صُلح کر لی اِس کے بعد اِس نے دُنیائے اِسلام کے ہر گورنر والی اور حاکم کو یہ فرمان لکھ کر روانہ کیا کہ جو شخص بھی ابوتراب حضرت علیؓ اور اِن کے اہلِ بیت کی فضیلت میں کوئی حدیث روایت

کرے گا اِس سے حکومت بری الذّمہ ہے اور سلطنت اِس کے کسی نقصان کی پرواہ نہ کرے گی۔ اِس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر اور ہر دیہات میں بلکہ ہر منبر مسجد پر خُطبہ دینے والے اور وعظ کہنے والے (مُسلمانانِ عالمِ اِسلام) کھڑے ہو کر حضرت علیؓ پر تبرّا کرنے اور حضرت کو اور حضرت کے اہلِ بیت کو بُرا کہنے اور حضرت کی مذمّت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اِس مُصیبت میں اِس وقت سب سے زیادہ کوفے والے مبتلا ہوئے کیونکہ وہاں علیؓ کے شیعہ بہت تھے۔

معاویہؓ نے اِن لوگوں پر زیاد بن سُمیّہ کو مسلط کر دیا اور اِس کو کوفہ و بصرہ کی گورنری دیدی زیاد شیعوں کو خُوب پہچانتا تھا۔ کیونکہ علیؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ خُود بھی شیعہ تھا۔ اِس نے شیعوں کو ڈھُونڈ ڈھُونڈ کر گرفتار کیا۔ اور قتل کروا دیا۔ اور جنہیں زندہ رکھا اُنہیں دھمکیاں دیں۔ اِن کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اِن کی آنکھوں میں سلائیاں کیں اِن کو درختوں کی شاخوں پر سُولیاں دیں۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی جانا پہچانا شخص عراق میں باقی نہیں رہا۔ ۲۴۸ و ۲۴۹ ہ ۱۴ اموی دورِ خلافت از مولانا محمد باقر مدیر اصلاح کھجوہ بہار مطبوعہ دائرہ تحقیق، ۲۰۷ گارڈن ویسٹ کراچی آگے لکھتے ہیں۔ معاویہؓ اور اِن کے اعمال نے امیر المومنین (علیؓ) پر سب وشتم کرنے میں اتنا اہتمام کیا کہ اِسی حالت پر بچے جوان ہوئے۔ بڑے مرنے کے قریب پہنچے یعنی ۴۰ برس تک جب تک عُمرؒ بن عبدُالعزیزؒ خلیفہ نہ ہوئے ہر شہر میں ہر ممبر پر شام سے لے کر رے تک اور رے سے لے کر کوفہ تک کوفہ سے بصرہ تک بصرہ سے مدینہ اور مدینہ سے مکّہ تک مختصر یہ کہ بقوُل یا قُوت حموی مؤلف معجم البلدان شرق و غرب میں کوئی جگہ نہ بچی۔ جہاں مجمعِ عام میں منبروں پر پابندی سے یہ رسمِ نسا ادا کی جاتی ہو۔ بلکہ اموی حکومت میں یہ دستُور ہو گیا تھا۔ اور ستر ہزار منبروں پر (علیؓ) پر لعنت ہوتی رہی یہاں تک کہ عُمرؒ بن عبدُالعزیزؒ خلیفہ ہوئے اور اُنہوں نے کسی حکمتِ عملی کی بنا پر اِس کی ممانعت کر دی۔ مسعودی، یعقوبی ابن اثیر اور سیوطی وغیرہ بھی اِس کی تائید کرتے ہیں (ص ۳۵۲ اموی دورِ خلافت)

افسوس کہ ہمارے عجمی مُورخوں نے وہ تبرائی الفاظ نقل نہ کیے جن سے حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد یعنی اہلِ بیت کو چالیس سال تک یاد کیا جاتا رہا۔ یقیناً یہ سب عجمی و باطنی افترا پردازی ہے۔ جس کا مقصد مُسلمانوں کو بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام مرنے والوں پر تبرا بازی کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ غیبت کو ایک مکروہ فعل قرار دیتا ہے۔ پھر صدرِ اوّل کے مُسلمان ایسی مُبتذل بدعت میں کیسے ملوث ہو سکتے تھے کہ حضرت علیؓ کو مسجد کے منبروں سے گالیاں دیتے اور بیٹھ کر سُنتے۔ یہ سب حضرت معاویہؓ کو ملعُون کرنے کے لئے باطنی مفسدین لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ تاہم اِن حالات کو پڑھ کر ایک بے لاگ مبصر کے ذہن میں یہ سوالات ضرور گدگداتے ہیں کہ! کیا امیر معاویہؓ اتنے ہر دل عزیز تھے کہ اِن کے کہنے سے لوگ حضرت علیؓ کو گالیاں دینے اور سُننے لگے حالانکہ گالیاں بکنا تبرائی شیعوں کا شعار ہے ـــــ کیا عام مُسلمانوں کو بھی حضرت علیؓ سے وہی شکایتیں تھیں جو امیر معاویہؓ کو تھیں کہ وہ اپنے امیر کا اشارہ پاتے ہی اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگے یا اِن کو یقین تھا کہ:۔

(۱) حضرت علیؓ اپنوں کو چھوڑ کر عجمیوں سے مِل گئے اور اِن کے اشاروں پر اِسلام کو نقصان پہنچاتے رہے۔ (۲) حضرت علیؓ نے قاتلانِ عثمانؓ کے ہاتھوں خلافت حاصل کی اور اِن کی پشت پناہی کرتے رہے۔ نہ خُود قصاص لیا نہ دُوسروں کو اِس کی اجازت دی۔ (۳) یہُودی عبدُاللہ بن سبا اور مجُوسی مالک اشتر کے حکم سے اُنہوں نے دارالخلافہ مدینۃ الرّسُولؐ سے کوفے میں منتقل کر کے مدینے کی اہمیت ختم کر دی اور مکّے و مدینے کے مُسلمانوں کی حق تلفی کی۔ (۴) حضرت علیؓ کی وجہ سے مُسلمانوں میں دُو فرقے پیدا ہو گئے شیعانِ علی نے کُھلے بندوں قرآن کے حکم "لا تفرقوا" کا مذاق اڑایا۔ اور مُسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کر دیا۔ (۵) مجُوسیوں کی ہمت افزائی کر کے اُنہیں باطنی اِسلام تیار کرنے اور شرعِ محمدیؐ کو منسُوخ کرنے کی ترغیب دی اُنہوں نے نئے اِسلام کو حضرت علیؓ سے منسُوب کر کے فائدہ اُٹھایا۔ (۶) مُسلمانوں میں آپس میں تلوار چلوا دی اور ہزاروں بے گناہوں کے خُون سے اپنا دامن داغدار کر لیا جبکہ قرآن کا حکم تھا ومن یقتل مُومناً متعمداً فجزاءُہ جہنم

پس جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے شہدا کا خُون کس کی گردن پر ہے، مجُوسیوں کی گردن پر یا اُن

ساتواں باب

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے،
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف
اقبال

ہمارے عروج و زوال کی کہانی

ہمارے مُسلمان بھائی فخر سے نہال ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف کی ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ یعنی تم بہترین اُمّت ہو ہم نے دُنیا بھر کی قوموں میں سے تمہیں چُن کر نکالا ہے۔ اور یہ بھُول گئے کہ اُس کے ساتھ کوئی شرط بھی تھی۔ وہ یہ کہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ (آل عمران ۱۱۰) جس کا مطلب تھا کہ مذکورہ تعریف صرف اِن لوگوں کی ہے جو اچھے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں۔ کیونکہ اپنے پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتے ہیں۔

آج جس کا نام عبدُ العلی یا غلام محمدؐ ہے وہ خُود کو مُسلمان کہتا ہے، اور جس کا کلب علی اور زوار حسین ہو وہ اپنے کو فخر سے مومن بتلاتا ہے۔ گویا عربی نام ہونا ہی اِسلام کا ضامن ہے اور خُود کو حقیر کرکے اِنسان سے جانور

بن جانا ایمان کو کامل بنا دیتا ہے۔

اب جھُوٹ بولو، غیبت کرو، رشوت لو۔ دُولت جمع کرو۔ عیاشیاں کرو۔ مُلک میں ابتری پھیلے۔ معاشرے میں گندگی ہو۔ پڑوس میں چُوری ہو جائے کوئی تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر ڈالے۔ کسی کی ماں بہن یا بیوی کو لے اُڑے اور اُسے لیجا کر بیرون مُلک فروخت کر آئے تو تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی، تم ایک اچھے مُسلمان ہو، پانچ وقت نماز پڑھتے ہو۔ گھر سے نکلتے ہو تو ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے۔ پھر تمہارے تقدّس میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔

پڑوس کے امام باڑے سے دن میں تین بار اذان کی آواز سُنتے ہو جس میں لاؤڈ اسپیکر پر علی ولی اللہ۔ وصی رسُول اللہ۔ خلیفہ بلا فصل کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ مگر اُسے نہ سمجھتے ہو نہ سمجھنا چاہتے ہو۔ تمہاری بلا سے کوئی تمہارے بزرگوں پر لعنت بھیجے اُنہیں ظالم اور ناصب کہے۔ اور آپ کے ابرو پر شکن نہ آئے۔ آپ کہدیں گے کہ یہ اُن کے اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے بُرے اعمال کی سزا خُود دے لیگا۔ ؎

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

مگر آپ کو معلوم نہیں کہ یہ تَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کی تکذیب ہے۔ ایسا کہنے والا کنتم خیر امۃ سے خارج ہو جاتا ہے۔ یعنی بے غیرت اور بے حمیت اِنسان مُسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۱۳۹) تم ہی غالب رہو گے اگر صاحب ایمان رہے۔ پس جو مغلوب ہو گیا خائف رہنے لگا اور اپنی ذمہ داریوں سے کترانے لگا۔ وہ مُسلمان نہیں ہو سکتا۔ اِن کے لیے واضح وعید ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (آل عمران ۱۷۹) اے مُسلمانو! اللہ تم کو اِس حال میں نہ رہنے دیگا جس میں تم (بے فکری سے) بسر کرنا چاہو گے۔ وہ ناپاک کو پاک سے

برابر جدا کرتا رہے گا۔

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ شیعانِ علی و خوارج وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کا سکون و اطمینان برابر درہم برہم کیا جاتا رہا ہے۔ اوراق ماسبق میں یہ نکتہ ذہن نشین نہ ہوا ہو تو اِس مضمون کا خلاصہ پھر ایک بار پڑھ لیجیے

بنو اُمیہ کا زوال

مؤرخ اِسلام نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ "خوارج (باطنی فرقوں) کا فتنہ اموی دور میں بھی مسلسل جاری رہا جب کبھی کوئی زبردست خلیفہ یا حاکم مقرر ہوا یہ لوگ خاموش ہو کر موقعہ کا انتظار کرنے لگتے۔ اور جونہی وقت آتا میدان میں نکل آتے۔ خوارج اور دیگر خفیہ (باطنی) سازشوں اور بغاوتوں کے لئے عراق و خراسان ہمیشہ مشہور رہے ہیں (یعنی عجمی باطنی جو مختلف ناموں اور فرقوں میں کام کرتے تھے) جب حضرت عمر بن عبدالعزیز تختِ خلافت پر بیٹھے آپ کی نیک نامی و پاک باطنی کا حال لوگوں کو معلوم ہوا تو خوارج بھی آپ کے اخلاق کو دیکھ کر شرما گئے۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ ایسے صالح خلیفہ کے زمانے میں حکومت کے خلاف کوئی انقلابی کوشش کرنا مناسب نہیں" صـ۲۱۶۔

گویا یہ خلیفہ اتنے نیک تھے کہ عراق و خراسان کے شیعانِ علیؓ کے ساتھ خوارج بھی (جو پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھے بعد کو اُن سے بیزار ہو گئے) اُن کے ہمدرد بن گئے مگر آخر کیوں۔ خارجیوں اور شیعوں کو اِن کی کونسی ادا بھا گئی تھی۔ وہ بھی مؤرخ اِسلام سے سُنئے۔

کفر و ایمان میں سمجھوتہ

"حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی حکم جاری کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں کوئی شخص ناشدنی الفاظ ہرگز استعمال نہ کرے۔ اب تک بنو اُمیہ میں عام طور پر رواج تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بُرا کہتے اور جمعہ کے خطبے میں بھی اُن پر لعن طعن سے دریغ نہ کرتے تھے"۔ صـ۲۰۵ ج ۲

یعنی خلیفۂ اِسلام نے خوارج کے مُطالبات تسلیم کر لیے۔ اور اِس کمزوری کے صِلے میں آپ کو اِن اِسلام کے دُشمنوں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ اب آپ اِن کا دُوسرا کارنامہ سُنئے۔

"عمر بن عبدالعزیز نے خوارج کے سردار کو ایک خط لکھا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تم اللہ اور رسُول کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ مگر اِس بات کا حق تمہارے مقابلے میں ہم کو زیادہ ہے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ اور ہم سے مباحثہ کر لو ہم حق پر ہوں تو ہمارا ساتھ دُو۔ اور اگر تم حق پر ہوگے تو ہم تمہاری بات مان لیں گے"۔ صـ۲۱۵۔

پھر اِس دُوستی اور سمجھوتے کا نتیجہ کیا نِکلا۔ یعنی مُسلمانوں کے بادشاہ نے کُفر سے سمجھوتے پر آمادگی ظاہر کر دی اور کہا کہ تم راستی پر ہوئے تو میں اپنے عقائد بدل ڈالوں گا۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسے تمسّک کو پسند نہیں کرتا۔ فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ (آل عمران ۱۴۹)

یعنی اے مُسلمانو! اگر تم اِن لوگوں کا کہا مان لوگے جو کافر ہو گئے ہیں تو وہ تم کو بھی اپنی طرح کافر بنا لیں گے اور پھر تم نقصان میں پڑ جاؤ گے

مؤرخ اسلام صاحب لکھتے ہیں کہ "خوارج کے سردار نے اپنی طرف سے دُو ہوشیار آدمیوں کو مناظرے کیلئے روانہ کیا۔ اُنہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز سے کہا۔ تُمہارے بزرگ یعنی خلفاء بنو اُمیّہ کافر تھے اِن پر لعنت بھیجنا ضروری ہے"۔ صـ۲۱۷۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا مگر تُم فرعون و نمرود پر لعنت نہیں بھیجتے وہ تو صریحاً کافر تھے۔ میرے بزرگوں پر لعنت کیوں بھیجتے ہو۔ اگر اُنہوں نے علیؓ پر لعنت بھیجنا شروع کروایا تھا تو میں اِس کو غلط سمجھتا ہوں اِس لئے بند کروا تا ہوں۔ آؤ اب دُوستی کر لو۔

چنانچہ یہ دُوستی اِس طرح ہوئی کہ علی رضؓ پر لعنت بند ہو گئی اور خلیفہ عبدالعزیز کے باپ دادا پر لعنت شروع ہو گئی جو آج بھی جاری ہے۔ پھر علی خدائی مراتب کو پہنچ گئے۔ اور معاویہؓ شیطانی مراتب پر اُتار دیئے گئے۔ اور یہ سب کچھ اُنہی کے مایہ ناز فرزند کے ہاتھوں ہوا جو کافروں سے سمجھوتے کرتا تھا۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

عُمر بن عبدُالعزیز نے حضرت عُمر فاروق اور علی مرتضیٰ کی سُنّت قائم کرنے کے زعم میں سرکاری خزانہ خالی کروا دیا۔ فوجوں کو کمزور کر دیا اور عربوں میں بددِلی پھیلا دی اور خُود اپنے خاندان کو ذلیل و رسوا کر ڈالا۔ اِن کی ساکھ بگاڑ دی۔ البتہ روافض و خوارج کو اُن کے دور میں اطمینان نصیب ہوا۔ اور وہ اپنی طاقت جمع کرتے رہے۔ اِس سے مُلک کی سالمیت کو سخت نقصان پہنچا۔ عوام کا اعتماد ختم ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اِن کو زیادہ مہلت نہ دی اور اِن کے جانشینوں میں اتنی بہت سی خرابیاں جو یہ شخص اپنے چند روزہ دورِ اقتدار میں پیدا کر گیا تھا سنبھالنے کا یارا نہ رہا۔ چنانچہ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ابُومسلم خراسانی اپنے عجمی (خارجی۔ رافضی۔ مُعتزلہ۔ قدریہ۔ جبریہ۔ قلندروں، صُوفیوں اور ولیوں کے) جتھے لیکر نکلا۔ اور عالمِ اِسلام پر طوفان بلاخیز کی طرح چڑھ گیا۔ اُس نے نہ صِرف بنُو اُمیّہ اور عربی تہذیب کا چراغ گُل کر دیا بلکہ اِسلام کے مزید پھیلنے کے دروازے بھی بند کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ اِس نے چھ لاکھ مُسلمانوں کو قتل کیا حتیٰ کہ مرنے والوں پر رونے والوں کو بھی نہ چھوڑا۔ اور حکومت عبّاسیوں کے قدموں میں ڈال دی۔

بنُو عبّاس کا زوال

۱۳۲ھ میں بنُو اُمیّہ ختم ہو گئے۔ اُن کے ساتھ اِسلام کے عروج کا زمانہ بھی ختم ہو گیا۔ عبّاسیوں نے بابل و نینوا کے باسیوں یعنی آلِ نمرُود کی مدد سے حکومت حاصِل کی۔ اور اُن کے

اثرات بھی قبُول کر لئے۔ اکبر شاہ سے سُنئے۔

عبدُاللہ سفاح نے مال و دُولت سے اپنی خلافت کے قیام و استحکام میں اِسی طرح کام لیا جس طرح بانی خلافت بنُو اُمیّہ حضرت امیر معاویہؓ نے کام لیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنی سخاوت کے ذریعہ اپنے مخالفوں یعنی آلِ علی کا مُنہ بند کر دیا تھا اِسی طرح بانی خلافت عبّاسیہ کے مُقابل بھی علوی ہی دعویدار خلافت تھے کیونکہ اُنہوں نے عبّاسیوں کے ساتھ مِل کر بنُو اُمیّہ کو برباد کیا تھا۔ اب خلافت کے عبّاسیہ خاندان میں چلے جانے سے وہ بالکل اِسی طرح ناخوش تھے جیسے کہ خاندان بنُو اُمیّہ میں خلافت جانے سے ناراض تھے۔ اِس لئے سفاح نے علویوں کو بے دریغ روپیہ دیکر اُن کا مُنہ بند کر دیا۔ مگر سفاح کے مرتے ہی علوی پھر خرُوج (بغاوت) پر آمادہ ہو گئے۔"

سفاح کے بعد اُس کا بھائی ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا۔ منصور نے ابُومُسلم خراسانی کو ہوشیاری سے دربار میں بلا کر قتل کروا دیا۔ اُس کے بعد علویوں کی خبر لی۔ آلِ حسن کو تو اُس نے بالکل ہی ختم کر دیا۔ حسینی سادات میں مُحمّد مہدی (نفس ذکیہ) نے مدینے میں خرُوج کیا۔ تو منصور سے اُن کی خط و کتابت بڑی دلچسپ ہے۔ دُونوں نے ایک دُوسرے کے خاندان کے جو حالات کھولے ہیں شرمناک ہیں مگر وہ ہمارے نفسِ مضمُون سے خارج ہیں۔ عبّاسیوں نے بڑے طمطراق سے پانچ سو سال حکومت کی۔ مگر یہی دورِ باطنی اِسلام کے پھلنے پھُولنے کا تھا۔ عبّاسیوں کے زمانے میں حکومت پر شیعوں کا قبضہ رہا۔ بلکہ یہ حکومت دلائی ہوئی شیعوں کی تھی۔ ۱۹۲ھ میں ہارون رشید برامکہ میں پھنسا ہوا تھا۔ اِس کی بیوی مجُوسن تھی جس کے بطن سے مامون پیدا ہوا۔ مامون معتزلہ عقائد رکھتا تھا۔ مُسلمان عُلماء کا بڑا دُشمن تھا۔ اُن کو خلق قرآن کی بحث میں اُلجھا کر سینکڑوں کو تہ تیغ کیا۔

مِصری باطنی فتنہ

۲۹۶ء میں میمُون القداح مجُوسی غُلام کی اولاد نے مِصر میں خلافت بنُو فاطمہ قائم کر لی اور اصلی سیّد بن بیٹھے تو عبّاسی دُم ہلاتے رہے۔ مِصر، مراکش، الجزائر اور فلسطین پر اُن کا

قبضہ ہو گیا۔ اور مکّہ و مدینہ میں اُن کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اِس خاندان نے ۵۶۶ھ تک مِصر پر حُکومت کی اور باطنی اِسلام پھیلاتا رہا۔ جامعہ ازہر اُنہی کی قائم کی ہوئی ہے۔ چنانچہ آج بھی وہاں باطنی اِسلام کی کتابیں نصاب میں داخل ہیں۔ اُن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے ایک متوازی خلافت قائم کردی اور باطنی اِسلام کو ظاہری اِسلام کے مُقابل لاکھڑا کیا۔ اور یہ شیعہ دُنیا کی خلافت سمجھی جانے لگی،

عراق میں باطنی فتنہ

۳۲۲ھ میں عبّاسی خلیفہ راضی باللہ تخت نشین خلافت ہوا۔ اُس کی خلافت بغداد اور اُس کے مضافات کے علاوہ کہیں نہ تھی۔ نہ کِسی صوبے سے خراج آتا تھا۔ گویا یہ عبّاسیوں کے شہنشاہ ہند بہادر شاہ تھے۔ یہ آخری عبّاسی خلیفہ تھا جس نے نمازِ جمعہ کا خطبہ مسجد میں دیا۔ اِس کے بعد پھر کسی خلیفہ کو مسجد میں خطبہ دینے اور نماز پڑھانے کا موقعہ نہ مِلا۔ اِس کے زمانے میں ایرانی نژاد ماہی گیر آلِ بُوَیہ نے خلافتِ عبّاسیہ پر اقتدار حاصِل کر کے بغداد کی سُنّی خلافت میں شیعی اثرات داخل کر دیئے اُنھوں نے خطبات جمعہ لکھوا کر مساجد میں بھیج دیئے اور اِن کو پڑھنا لازمی قرار دیا جو ہندوستان میں آج تک جاری ہے۔ اِن میں جنّت کی ملکہ اور جنّت کے شہزادوں کا ذکر ہے۔ آلِ عبّاس اور آلِ علی کے لیۓ دُعائیں اور اُن کے دشمنوں پر لعنت بھی لکھی ہوئی ہے۔ جسے ہمارا مولوی گا گا کر پڑھتا ہے۔ اور اپنے ساتھ نمازیوں کی بھی عاقبت خراب کرتا ہے۔

۳۵۱ھ میں مُعزُالدولہ نے جامعہ مسجد بغداد کے دروازے پر یہ عبارت لکھوادی۔

لَعَن اللہ معاویۃ بن سفیان و من غصب فاطمۃ فدکا و من منع عن دفن الحسن عند جدّہ و من نفی اباذر و من اخرج العبّاس عن الشوریٰ۔ یعنی خُدا کی لعنت ہو معاویہ بن سفیان

پر اور اِس پر جس نے فاطمہ کا فدک غصب کیا (یعنی ابوبکرؓ) اور جس نے حسن کو روضہ مبارک میں دفن سے رُدکا (حضرت عائشہؓ) اور جس نے ابوذرؓ کو سزا دی (حضرت عُثمان) اور جس نے عبّاس کو شوریٰ سے نکالا (حضرت عُمرؓ) اور کِسی بغدادی مُسلمان کو غیرت نہ آئی جو کم سے کم اسے مِٹا دیتا۔

اسی سال مُعزُالدولہ نے عید غدیر منانے کا حُکم دیا۔ خوب ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں۔ بظاہر اور درون خانہ جو ہوا سو وہ تو ہوتا ہی ہے جو مجُوسوں کا شیوہ ہے۔ ۳۵۲ھ میں اُس کے حُکم سے ۱۰ محرّم کو شہادتِ حسین کا غم منانے کا حُکم دیا گیا۔ سب دکانیں بند کر دی گئیں اور لوگ ماتمی لباس میں سڑکوں پر نِکل آئے۔ عورتیں بھی اپنے بال کھول کر چہروں کو سیاہ کر کے اور کپڑے پھاڑ کر چھاتیاں کوٹتی نکلیں اور مرثیے پڑھنے لگیں۔ شیعوں نے خُوب خُوب دھوم مچائی۔ سُنّی دم بخُود اور خاموش رہے۔

۳۵۴ھ میں سُنّیوں کو بھی اِس میں شامل ہونے کا حُکم دیا گیا تو شیعہ سُنّی فساد برپا ہو گیا۔

مَعزُالدولہ نے کربلا کے میدان میں جہاں برسوں سے کھیتی باڑی ہو رہی تھی حضرت حسین کا مقبرہ تعمیر کروایا اور نجف کے ٹیلے پر حضرتِ علی کا مزار بنوایا حالانکہ حضرت علی کی لاش ڈاکو لوٹ لے گئے تھے۔ پھر پتہ نہ چل سکا کہ کیا ہوئی یہ دُونوں زیارت گاہیں قدیم شہر بابل اور اُر کے کھنڈروں پر قائم ہوئیں۔ بعد شیعہ دُنیا کے لیۓ مکّہ و مدینہ کا نعم البدل قرار پائیں۔

اِسی خاندان کے ایک فرد نے (جو شریف الرضی اور سید زادہ مشہور ہے) حضرت علیؓ کی وفات کے چار سو سال بعد اُن کی مشہور کتاب نہج البلاغہ تصنیف کی بالکل اِسی طرح جیسے ہمارے قاضی عبدالغفار نے مجنوں کی ڈائری اور لیلیٰ کے خطوط شائع کروا دیئے ہیں۔

اِن ماہی گیر مجُوسوں کی اولاد تقریبًا سو سال عبّاسی خُلفا، پر حاوی رہی۔

اور من مانی کرتی رہی حتیٰ کہ ۵۳۲ھ میں خلیفہ راشد باللہ کو شیعوں نے قتل کر ڈالا تو اُس کے ساتھ ہی بنو بُویّہ کے اثرات بھی ختم ہو گئے۔ اور سلجوقیوں نے اِن کی جگہ لے لی

محمُود غزنوی

سلجوقیوں نے جو بڑے دیندار اور مذہب پرست تھے خلافتِ عبّاسیہ کی کھوئی ہوئی عظمت تھوڑی بہت واپس دلائی۔ مگر افسوس کہ یہ آپس میں لڑتے مرتے تھے۔ بھائی بھائی سے اور چچا بھتیجے سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہ کر اپنا اقتدار جلد ختم کر بیٹھے۔ مگر اِن کے چند فرزندانِ گرامی نے اِسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ محمُود غزنوی نے خراسان سے لیکر ہندُوستان تک باطنی اثرات زائل کرنے کی پُوری کوشش کی۔ سمرقند، بخارا، عراق، ایران میں باطنیوں کا صفایا کرنے کے بعد وہ ہندُوستان کی طرف بار بار رجُوع کرتا رہا۔ ملتان میں قرامطہ کا صفایا کرنے کے بعد وہ سندھ اور گجرات اور سومناتھ سے باطنی اثرات زائل کرتا ہوا واپس گیا۔ اِسی لیئے ہماری تاریخ جو دُشمنوں کی لکھی ہوئی ہے اُسے لٹیرا اور ڈاکو ظاہر کرتی ہے۔ حالانکہ وہ کُفر و اِسلام کا فارق اور اِسلامی معاشرے کو باطنی اثرات سے پاک کرنے والا امامِ اِسلام تھا۔ یہ بادشاہ ۵۳۵ھ میں فوت ہوا۔ یہ خلافتِ عبّاسیہ کے ماتحت رہا اور خلیفہ کے حُکم سے اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ فردوسی دراصل مجُوسی ہے تو اُس کو دُھتکار دیا۔ جِس کا ایک طومار باندھا گیا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی

۵۶۴ھ میں صلاح الدین ایوبی نے خلیفہ بغداد کی اجازت سے حکومت قائم کی۔ یہ شام و فلسطین میں عیسائیوں سے صلیبی جنگ لڑتا رہا۔ عوام اُسے اِسی وجہ سے جانتے ہیں کہ اِس نے فلسطین کو عیسائیوں کے سو سالہ قبضے سے نکال کر آزاد کروایا۔ اور اِسلام کا نام روشن کیا۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ اُس کا اصل کارنامہ کیا ہے۔ اور اِسلام پر اُس کا احسان کیا ہے۔

مصر کی اسمٰعیلی باطنی حکومت بظاہر مُسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں سے لڑنے

آئی مگر یہ باطن مُسلمانوں کی پیٹھ میں چھُرا گھونپنے کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔ چنانچہ عیسائیوں سے فارغ ہوتے ہی اُس نے مصر پر حملہ کیا اور مُکار فاطمین کا قلع قمع کر دیا۔ وہاں کے قید خانوں سے دس پندرہ ہزار ایسے مُسلمان قیدیوں کو نجات دلائی جو دس دس پندرہ پندرہ سال سے تاریک تہ خانوں میں زنجیروں میں باندھے پڑے تھے۔ اُن کا جرُم یہ تھا کہ وہ مجُوسی غلام کی نسل کے اماموں کو خدا ماننے کو تیار نہ تھے اور رسُول عربی کے دین کا دم بھرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ تاریکی اور گھٹی ہوئی فضا کے ایسے عادی ہو گئے تھے کہ اکثر باہر نکل کر سورج کی روشنی اور تازہ ہوا برداشت نہ کر سکے اور مر گئے۔

ایران میں باطنی فتنہ

مصر میں باطنی خلافت ختم ہو گئی اور اسماعیلیوں کا اقتدار جاتا رہا تو ایران کے شیخ الجبل حسن بن صباح نے وہ گدی سنبھال لی۔ ایران دراصل باطنیت کا مرزبوم تھا مگر مجُوسی زادوں کو اقتدارِ مصر میں ملا تھا۔ اب وہ اقتدار ایران واپس آگیا حسن بن صباح نے ہماری جماعت اسلامی کی طرح جِس کے کارندے تین طبقوں میں تقسیم ہوتے ہیں اور اپنی وفاداری کے لحاظ سے ارکین، متفقین و مؤیدین کہلاتے ہیں، اپنی پارٹی میں تین درجے رکھے تھے جو فدائیں، رفیقین اور لاحقین کہلاتے تھے۔ اِس تنظیم میں داخلے کی شرائط جماعت اسلامی سے زیادہ سخت تھیں۔ کافی ٹھونک بجا کر پارٹی میں شامل کیا جاتا تھا۔ خاص کر فدائیں تو ایسے لوگوں کو بنایا جاتا تھا جو امام کے حُکم پر پہاڑ سے کُود کر یا خُودکشی کر کے جان دینے پر آمادہ ہوتے۔

شیخ الجبل یعنی پہاڑی چیر گدھ نے کوہ البرز کی چوٹیوں پر قلعے بنوائے تھے اِن میں ایک جنّت بھی تعمیر کی تھی جو فردوس بریں کہلاتی تھی جنّت میں حُوریں اور غلمان رکھے گئے تھے۔ پارٹی میں شامل ہونے کے خواستگار کو بھنگ (علی لوٹی) پلا کر جنّت میں پہنچا دیا جاتا۔ اور ایک رات حُوروں یعنی ایرانی دُوشیزاؤں کے

ساتھ بسر کرنے کے بعد پھر بھنگ پلا کر واپس کر دیا جاتا۔ اور اُسے پتہ نہ چلنے دیا جاتا کہ وہ کہاں گیا تھا اور کب واپس آیا۔ اب اگر وہ دُوبارہ اِس جنّت میں جانا چاہتا تو کوئی بڑا کام سرانجام دینے کی شرط رکھی جاتی اور یہ بڑا کام کسی مسلمان بادشاہ، وزیر یا جنرل کو قتل کرنے سے متعلق ہوتا تھا۔ صباح نے ایسے ہزاروں فدائین تیار کر لئے تھے جو ساری اسلامی دُنیا میں پھیلا دیئے گئے تھے۔ خلیفہ بغداد اُن کے نام سے کانپتا تھا۔ محمُود غزنوی اور صلاح الدّین ایوبی پر اِن فدائین نے حملے کئے حتیٰ کہ صباح نے اپنے بچپن کے دُوست نظام الملک طوسی کے قتل سے دریغ نہ کیا جو اُس کا بڑا محسن تھا۔ نیز اہل یورپ بھی جو صلیبی جنگوں کے سلسلے میں فلسطین میں پڑے تھے اِن سے خائف رہتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ بھیس بدل کر درباروں میں رسائی حاصل کر لیتے اور دھوکے سے حملہ کرتے تھے چنانچہ انگریزی زبان کا لفظ (A SSASIN)، جس کے معنیٰ ہیں دھوکے سے قتل کرنا دراصل حشیشین ہے۔ یعنی بھنگ پینے والوں کی جماعت، مختصر یہ کہ اِس زمانے میں ساری مہذب دُنیا اِن دُھوکے باز فدائین کے خُوف سے لرزہ براندام رہتی تھی۔ بعض حاکموں کے اپنے اہلِ خاندان فدائین بن جاتے تھے اور ساتھ رہ کر اپنا کام کر گزرتے تھے۔

اِسی حسن بن صباح کے پوتے نے جس کا نام حسن بن مُحمّد بزرگ امید تھا، امامت کا دعویٰ کر دیا۔ اور خُود کو فاطمی سیّد کہنے لگا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو اُس نے کمالِ بے حجابی سے تاویل پیش کی کہ میری ماں نے مصری امام نزار کے ساتھ ایک شب بسر کی تھی۔ اِس طرح میں فاطمی سیّد ہوں اور امامت کا حقدار ہوں۔ اُس کی قوم نے یہ توجیہہ قبول کر لی۔ اِس امام نے سرزمینِ ایران سے شریعتِ محمّدی کو نکال پھینکا اور قدیم مجُوسی روایات کا احیاء کر دیا۔ یعنی ماں، بیٹی اور بہن سے نکاح جائز قرار دیدیا۔ چنانچہ اِن اماموں کو اپنی بہو بیٹیاں اور بیویاں پیش کرنا باعثِ سعادت سمجھا جانے لگا۔ تاریخ میں

اِس اعتراف کو بطورِ سند محفُوظ کیا گیا ہے۔

برداشت غلِ شرع بتائیدِ ایزدی   مخدوم روزگار شد ذکرہٗ السلام

یعنی حسن بن بزرگ امید نے جو مخدوم روزگار (مالک آقا یا آغا ہے) شرع مُحمّدی کو منسُوخ کر دیا ہے۔ اِس کا ذکر کرنے سے سلامتی ہوتی ہے۔ یعنی شیعہ اماموں کی طرح یہ علیہ السّلام نہ تھا کہ اُس پر سلامتی ہوتی بلکہ وہ خُود سلامتی دینے والا ذکرہٗ السّلام تھا۔

ہمارے مرحوم آغا خان اُسی سلسلے کے آغا یا مخدوم روزگار تھے۔ چنانچہ یہ بھی خُدائی اختیارات استعمال کرتے تھے۔ لیکن حقیقت پسندانہ اعتراف کے ساتھ کہ من شیطان ہستم وا ینہا ہمہ از ذرّیت ما است،

کہتے ہیں جب اِن کا کوئی پرستار (خوجہ) مر جاتا تو اُس کے ورثاء اُن سے ایک خط زرِ کثیر دے کر حاصل کرتے اور اُسے مرنے والے کے ساتھ دفن کر دیتے جس کی عبارت کچھ اِس طرح ہوتی۔

"بھائی جبریل، متوفی سے مطلُوبہ رقم وصول ہو گئی ہے۔ اُسے فردوس بریں میں اچھی جگہ دی جائے۔

شرحد ستخط۔ آغا خان"

اسماعیلی خوجے اِن لوگوں کو آغا (آقا) مخدوم روزگار یا حاضر امام سمجھتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ اُن کے ذکر سے سلامتی ہوتی ہے۔ اُنکی عبادت ہی صِرف اماموں کو یاد کرنا ہے۔ اور اُن کے ناموں پر سجدہ کرنا ہے۔ یہ لوگ نماز روزہ حج زکات سے سروکار نہیں رکھتے۔ قرآن کی جگہ گجراتی زبان میں دسا اوتار نامی کتاب پڑھتے ہیں۔ جس میں علی کو وشنو جی، آنحضرت کو برہما جی۔ آدم کو شیو جی اور آغا خان کو حاضر امام یعنی زندہ خُدا بتلایا گیا ہے۔ ہمارے قائداعظم مرحوم اِسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی قانونی وارث محترمہ شیریں بائی اور اُن کا خاندان بھی اِسی فرقے سے تعلق رکھتا ہے

البتہ قائد اعظم مرحوم کی بیٹی اور نواسے (جو اُن کے وارث نہ بن سکے) زرتشتی مذہب قبُول کر کے پارسی بن گئے ہیں اِس لئے فدک کے دعویدار نہیں ہیں۔

قائد اعظم علیہ الرحمۃ آغا خان کے قانونی مشیر تھے اور پانچ ہزار مشاہرہ ماہوار پاتے تھے۔ جب یہ خُود گورنر جنرل بن گئے آغا خان نے مشاہرہ بند کر دیا۔ (صدیق علی خان)

ہندُوستان میں حسن بن صباح کی جو ذریت آکر پناہ گزین ہوئی وہ مخدُوم زادوں کے نام سے پہچانی جاسکتی ہے۔ مرورِ زمانہ سے یہ مُسلمان ہو گئے۔ مگر پیری مریدی اور مُردہ بزرگوں کی پرستش اب بھی اِن کے معاشرے میں موجُود ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے عبدالحلیم شرر کی فردوسِ بریں یا ہسٹری آف فدائیز آف الموت (آفادی اسے سنز از جرمن مؤرخ جوزف فان ہیمر) کاش کوئی صاحب یہ کتاب پھر شائع کروا دیتے یا اِس کا ترجمہ چھپوا دیں جو ہمارے ایک دُوست نے لے کر رکھا ہے

مُسلمانوں پر غضبِ الٰہی

نجیب آبادی لکھتے ہیں "۶۵۶ھ میں عبّاسیوں کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ تختِ خلافت پر بیٹھا اُس نے مویدالدین علقمی کو جو ایک غالی شیعہ تھا اپنا وزیرِ اعلیٰ بنا لیا۔ علقمی نے شیعوں کو آگے بڑھانا اور ہر قسم کی رعائتوں سے نوازنا شروع کیا۔ دیلمیوں کے زمانے میں جو بدعاتِ جاری ہوئی تھیں اُن کو پھر زندہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ سُنّی فسادات شروع ہو گئے۔

اب علقمی عبّاسیوں کو ہٹا کر علویوں کی خلافت قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا بغداد کے بعض سمجھدار لوگوں نے خلیفہ کو اُس کی غدارانہ روش اور منصوبوں سے آگاہ کیا۔ مگر خلیفہ اِس قدر احمق تھا کہ اُس نے علقمی سے اِن شکایتوں کا ذکر کر دیا۔ علقمی نے اِن سب کو سخت سزائیں دیں۔ پھر علقمی نے خلیفہ کو لہو و لعب اور شراب نوشی و عیاشی کی طرف مائل کر دیا اور ہر طرح کے اندیشوں سے محفُوظ ہو گیا چند روز بعد خلیفہ کے بیٹے ابوبکر نے شیعوں کی دست درازی کو روکنے کے لئے

بغداد کے ایک محلہ کرخ پر حملہ کر دیا۔ اور علقمی کے بارے میں سخت و سست الفاظ کہے۔ اِس سے علقمی کو ملال ہوا۔ اُس نے فوراً چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خان کو جو تاتاریوں کا سردار اور خراسان کا بادشاہ تھا خط لکھا اور بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور وعدہ کیا کہ بغیر جدال و قتال کے خلافتِ عبّاسیہ پر آپ کا قبضہ کرا دُونگا ہلاکو عربوں اور مُسلمانوں کی فوج سے خائف تھا۔ اُس نے ضمانت طلب کی۔ علقمی نے وہ بھی فراہم کر دی۔ اب اُس نے خلیفہ سے فوج کم کر کے اخراجات بچانے کو کہا۔ خلیفہ نے منظور کر لیا۔ اور اپنی بہت سی فوج بغداد سے باہر دُوسرے شہروں اور ولایتوں میں منتقل کر دی۔ باقی فوج کو علقمی نے مُوقوف کر دیا اور خلیفہ سے کہدیا کہ وہ تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کے لئے سرحد پر بھیج دی گئی ہے۔

چنانچہ ہلاکو نے بغداد پر حملہ کر دیا۔ اہلِ شہر نے مدافعت کی اور پچاس روز تک تاتاریوں کو شہر میں نہیں گھُسنے دیا۔ دریں اثنا شہر کے شیعوں نے ہلاکو خاں کے لشکر میں جا جا کر امن حاصل کیا اور شہر کے حالات سے مطلع کیا۔ وزیر علقمی شہر کے اندر رہا اور دم دم کی خبریں ہلاکو کو بھیجتا رہا۔ پھر خُود بھی جا کر ہلاکو سے مل گیا۔ اور شیعوں کے لئے امن کا پروانہ حاصل کر کے واپس آیا۔ بادشاہ سے کہا میں نے آپ کے لئے بھی امن حاصل کر لیا ہے۔ آپ ہلاکو کے پاس چلیں وہ آپ کو عراق پر اِسی طرح قابض و متصرف رکھے گا۔ خلیفہ مع اپنے بیٹوں کے ہلاکو کے پاس پہنچ گیا خلیفہ کو دیکھ کر ہلاکو نے کہا آپ اپنے ارکینِ سلطنت اور شہر کے عُلما و فقہا کو بھی بلائیں وہ سب بھی آ گئے۔ ہلاکو نے سب کو قتل کرنے کا حُکم دیا۔ پھر بادشاہ سے کہا کہ شہر میں حُکم بھیجو کہ لوگ اپنے ہتھیار رکھ کر خالی ہاتھ شہر سے باہر آ جائیں۔ جب وہ باہر آ گئے تو اِن سب کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالا گیا۔ اِس طرح کئی لاکھ شہری قتل ہوئے جن سے شہر کے گرد کی ساری خندقیں پٹ گئیں۔ اور دجلہ کا پانی مقتولوں کے خُون سے سُرخ ہو گیا۔ پھر تاتاری شہر میں گھُس گئے اور عورتوں بچوں کا قتل شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ شہر کے اندر کوئی متنفس زندہ نہ بچا۔ کہتے ہیں بغداد میں ایک

کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔ اگلے روز ہلاکو خلیفہ کو لے کر شہر میں آیا۔ قصرِ خلافت میں دربار کیا اور خلیفہ سے کہا۔ اپنے خزانوں کی کنجیاں بتلاؤ مگر کنجیاں نہ ملیں تو سب تالے توڑ ڈالے گئے اور زمین دوز خزانوں سے جواہرات اور اشرفیوں کی تھیلیوں سے بھرے ہوئے حوض نکلے۔

ہلاکو خان نے کہا۔ جس چیز کو تم کھا نہ سکتے تھے اس کو اپنی اور لاکھوں مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے کیوں نہ خرچ کیا۔ اور سپاہیوں کو کیوں نہ دیا کہ وہ تمہاری طرف سے لڑتے اور تمہارا موروثی ملک بچاتے۔

پھر علقمی کے مشورے سے ہلاکو نے خلیفہ کو نمدے میں لپیٹ کر اور ایک ستون سے باندھ کر اس قدر لاتیں لگوائیں کہ خلیفہ کا دم نکل گیا۔ پھر اس کی لاش کو زمین پر ڈال کر مغل سپاہیوں کے پاؤں سے کچلوا کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کروا دیا علقمی بھی یہ منظر دیکھتا رہا اور خوش ہوتا رہا کہ میں علویوں اور شیعوں کے خون کا بدلہ لے رہا ہوں۔

ہلاکو نے عراق پر اپنے عامل مقرر کر دیئے اور علقمی کو دھتکار دیا۔ چند دنوں تک علقمی تاتاریوں کے ساتھ اُن کی جوتیاں سیدھی کرتا پھرا۔ اور اپنی ناکامی کے صدمے سے مر گیا۔ (تاریخ اسلام ج ۲)

اتفاق سے یہ سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے ہلاکو کی قسمت میں لکھی تھی کہ اُس نے ایران کے شیخ الجبل حسن بن صباح کی فردوس بریں کو کھود پھینکا۔ اور اسلام کے جسم کا یہ ناسور عباسیوں کے ساتھ ہی دفن کر دیا۔ پھر ہلاکو کی اولاد مسلمان ہوئی اور اُس نے اسلام کی بڑی خدمت کی جس کا اعتراف علامہ اقبال نے کیا ہے۔ ؎

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے،

نیز اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا کہ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

غَیْرَکُمْ یعنی اگر تم تولائی (نا فرمان) بن گئے تو ہم تمہیں کسی دوسری قوم سے بدل دیں گے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ عباسیوں اور اُن کے عجمی رفقائے کار کو ہٹا کر تاتاریوں کو مسلط کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر ظلم نہیں کرتا۔ لیکن جب اُس کی گمراہی حد سے بڑھ جاتی ہے تو سزا ضرور دیتا ہے۔ عراق کی سرزمین بابل و نینوا کی میراث ہے۔ یہاں بدکاریاں اور بداعمالیاں ہوتی ہی رہی ہیں۔ اس لئے تباہیاں بھی آتی رہیں۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی آلِ نمرود پر ایک دوسرا قہرِ الٰہی تھا اور بس۔

ہندوستانی اسلام

آپ نے عرب و عجم کے اسلام کا حال دیکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی گمراہیوں کی سزا بھی سُن لی۔ اب آپ دیکھیں کہ ہمارے ہندوستان میں اسلام پر کیا گزری مسلمانوں نے ہندوستان پر کم و بیش ایک ہزار سال حکومت کی ہے جن میں مختلف قومیں مختلف قبیلے حملہ آوروں کی طرح یہاں آئے اور حکومت پر قابض ہو گئے کبھی ترک آئے، کبھی مغل، کبھی پٹھان، کبھی ایرانی۔ لیکن اُنہیں صرف حصولِ حکومت سے غرض تھی اسلام سے سروکار نہ تھا۔

سنہ ۹۵۲ھ میں ایک انقلاب آیا۔ مغلیہ بادشاہ ہمایوں شیر شاہ سے زک اُٹھا کر ایران بھاگا۔ شاہ ایران نے شیعیت قبول کرنے کی شرط پر فوج اور روپیہ دیا جس سے ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان فتح کر لیا۔ اور ایرانی فوجیوں کو بڑے بڑے مناصب اور بڑی بڑی جاگیریں دے کر یہاں آباد کر دیا۔ یہ ایرانی اپنے ساتھ شیعہ اثنا عشری مذہب لائے اور اُسے سارے ہندوستان میں پھیلانے لگے۔ خاص کر شمالی ہند اُن کے قبضے میں رہا اور وہاں شیعیت نے خوب پر پرزے نکالے۔ جس کی تفصیل کتاب بادشاہ بیگم اودھ مطبوعہ مکتبہ محمود کراچی میں ملاحظہ فرمایئے۔

اکبر کا زمانہ آیا تو اُس کے دربار میں ابوالفضل فیضی۔ عرفی۔ بیرم خان وغیرہ شیعہ حضرات موجود تھے۔ اِن لوگوں نے اِسے ایک نیا مذہب بنانے کی صلاح

دی اور بتلایا کہ اِسلام ایک فرسُودہ مذہب ہے جس میں کا فروں سے نفرت سکھائی جاتی ہے۔ تمُ ایک ایسا مذہب بناؤ۔ جس میں ہندُو مُسلم پارسی سب بھائی بھائی ہو جائیں۔ آپس میں شادی بیاہ کرنے لگیں۔ اور اپنے نادیدہ خُدا کو پوُجنے کے بجائے بادشاہ کو پوُجیں۔

اکبر اِس تجویز سے خوش ہو گیا۔ چنانچہ دین الٰہی بنا۔ اور اکبر بادشاہ کو اللہ اکبر کا خطاب دیا گیا۔ فیضی صاحب اُس کے پیغمبر بن گئے۔ فیضی نے ایک بے نقط عبارت لکھ کر کیلے کے درخت میں پیوست کر دی اور بادشاہ سے کہا کہ مجُھے الہام ہوا ہے کہ اللہ نے آپ پر صحیفہ نازل کیا ہے وہ اِس کیلے کے درخت میں مِلے گا۔ اِس مضمون کو کِسی نومُسلم نے سو سال قبل نظم بھی کیا تھا

عزض شاہ نے جل کے دیکھا چمن میں
سر مو نہ تھا فرق اس کے سخن میں
کیا قطع نخل اور اِس کو نکالا — جو دیکھا تو نقطوں سے خالی رسالہ
بہت سیدھا سادھا تھا سلطان والا — ہوا شبہ پیغمبری کا دو بالا
نہ اکبر ذرا رمز لاحول سمجھا
جو ابلیس کو صادق القول سمجھا (بشکریہ حریت کراچی)

اکبر کے بعد جہانگیر ہوا۔ اُس نے نور جہاں کے شیعہ شوہر کو قتل کروا کر اُس سے شادی رچائی۔ نور جہاں نے اپنے مجتہد اعلیٰ شوشتری کو بلا کر سرِ دربار تبرّا بازی شروع کروا دی۔ اور کوئی مُلّا عالِم فاضل دم نہ مار سکا۔ حتیٰ کہ شوستری صاحب کی دشنام طرازی رنگ لائی۔ ایک دن آپ نے سلیم چشتیؒ کی شان میں گُستاخی کر ڈالی اور کیفرِ کردار کو پہنچے۔ جہانگیر کے زمانے میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ منظرِ شہود پر آئے۔ اُنہوں نے بادشاہ کی بہت کچُھ اصلاح کی اور بہت سے مُسلمانوں کو سدھارا۔ مگر جو آوا بگڑ چکا تھا وہ سُدھر نہ سکا۔ مُغلوں میں شیعہ خوُن شامل ہو چکا تھا اور وہ گمُراہ ہو چکے تھے۔

عالمگیر اور شیعیّت

آپ سُنتے آئے ہیں کہ عالمگیر بڑا پکا مذہبی بادشاہ تھا اور شیعوں کا سخت دُشمن تھا۔ اب ذرا یہ واقعات بھی اُس سے متعلق سُن لیجئے۔ پہلے ایک شیعہ لطیفہ سنیئے اور دیکھئے کہ وہ کیسے ماحوُل میں تھا۔

لطیفہ

اورنگ زیب کے زمانے میں نعمت خاں عالی کے دُشمنوں نے ایک کمیٹی مقرر کی۔ جہاں یہ لوگ رات کے وقت اکٹھے ہو کر شیعوں کے باپ دادا پر لعنت کیا کرتے تھے۔ ایک روز خان عالی بھی کسی ترکیب سے اِس جلسے میں جا پہنچے اور ایک گوُشے میں چھُپ کر بیٹھ گئے۔ حسبِ قاعدہ ایک شخص اُٹھا اور کہا۔ فلاں بن فلاں رافضی بود۔ اہل مجلس نے جواب دیا بر پدرش لعنت۔ نعمت خان نے اُنہیں کے مُطابق کہا۔ محمُدؐ بن ابوبکر رافضی بود۔ اہلِ مجلس نے وہی فقرہ چست کیا۔ یعنی بر پدرش لعنت۔ خان عالی نے کہا۔ آمین۔ بتیں باد۔ جب اہلِ مجلس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا بہت نادم ہوئے۔

(ص۳۴ تفریح الشیعہ حصہ اوّل مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور)

اِس لطیفے کی صداقت سے ہمیں بحث نہیں۔ البتہ اپنے سُنّی بھائیوں کی ایسی کمیٹی پر حیرت ہے جو شیعوں کی طرح تبرّا بازی کا مقابلہ کرتے تھے تاہم اُس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عالمگیر کا وزیر نعمت خان عالی ایک غالی شیعہ تھا۔ چنانچہ یہ روایت بھی صحیح ہونا چاہیئے کہ بادشاہ عالمگیر نے ایک دن نعمت خان عالی سے پوُچھا تم شیعہ ہو یا سُنّی، نعمت خان نے جواب دیا۔

بارہا گفتم بتو اے شہریار
چار یارم چار یارم چار یار

عالمگیر اِس جواب سے کیا سمجھا ہمیں نہیں معلوم۔ مگر جواب سے صاف ظاہر ہے کہ خان عالی نے اپنے بارہ امامی شیعہ ہونے کا جرأت کے ساتھ اعلان کر دیا تھا۔ ہندی لفظ بارہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اِس نے کہا میں بارہ

میں سے ہوں۔ پھر چار یار کو تین بار دہرا کر بارہ امام پورے کر لئے اس سے باطنی بھائیوں کی ہوشیاری اور چالاکی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس طرح بڑے بڑے عقلمند بادشاہوں کو بے وقوف بنا دیتے تھے۔

عالمگیر کو دھوکا

کہتے ہیں کہ عالمگیر کے ایک درباری حیدر بخش نے اپنی دو بیٹیاں اورنگ زیب کے حضور پیش کیں اور خواہش کی کہ ان کی شادیاں بادشاہ اپنی پسند سے کر دے۔ پھر یہ بھی اعلان کیا کہ میں شیعہ مذہب سے توبہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان لڑکیوں کو سنیوں سے بیاہا جائے اور آخری خواہش یہ ہے کہ جب میں مروں تو میرا کفن دفن سنی طریقے پر کیا جائے۔ بادشاہ نے ایک لڑکی کی شادی اپنے بیٹے معظم سے کر دی۔ اور دوسری کسی سنی درباری کو بیاہ دی۔ کچھ دن بعد بادشاہ کو اطلاع ملی کہ حیدر بخش چل بسے۔ بادشاہ نے اپنے درباری ملا کو حکم دیا کہ ان کی تجہیز و تکفین سنی طریقے پر کی جائے۔ ملا صاحب وہاں پہنچے تو شیعوں نے لاش پر پہلے ہی سے قبضہ کر رکھا تھا۔ اور شیعہ طریقے پر تجہیز و تکفین ہو رہی تھی۔ ملا صاحب نے بادشاہ کا حکم سنایا تو مجتہد صاحب نے مرحوم کی تحریری وصیت پیش کر دی۔ جس میں لکھا تھا۔

میں فلاں ابن فلاں شیعہ پیدا ہوا، شیعہ زندہ رہا اور شیعہ ہی مر رہا ہوں میری دونوں بیٹیاں بھی شیعہ پیدا ہوئیں اور شیعہ طریقہ پر پل کر بڑی ہوئی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ شیعہ رہیں گی۔ اور اگر اپنے شوہروں کو شیعہ نہ کر سکیں تو کم سے کم اپنی اولاد پر ضرور قابو پا جائیں گی۔ اور یہی میری زندگی کا نصب العین تھا۔ فقط العبد گنہگار وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عالمگیر کے بعد اس کا بیٹا شہزادہ معظم وارث تخت و تاج سلطنت مغلیہ ہوا تو اس نے اپنی شیعیت کا بے دھڑک اظہار کر دیا اس کی تفصیل ہمارے دوست محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کتاب فضائل صحابہ

اور اہل بیت مولفہ شاہ عبدالعزیز (مطبوعہ پاک اکیڈمی وحید آباد کراچی)[١٨] مقدمے میں لکھتے ہیں۔

مغل بچہ سیّد بن گیا

اورنگ زیب کا فرزند بہادر شاہ اوّل تخت نشین ہوا تو اس نے شیعہ مسلک اختیار کیا۔ مؤلف سیر المتاخرین لکھتے ہیں کہ شہزادہ معظم نے شیعہ مذہب کی تحقیق کی اور اسے حق سمجھ کر قبول کیا۔ پھر اس کی تبلیغ و اشاعت میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اپنے نام میں سیّد کا اضافہ کیا۔ اور چوتھے سال جلوس ١٧١٠ء میں شیعہ وزیر منعم خان کے مشورے سے حکم دیا کہ خطبات میں علیؓ کے نام کے ساتھ علی ولی اللہ وصی الرسول اللہ داخل کیا جائے۔ اس حکم سے جمہور اہل سنّت میں بددلی پھیل گئی۔ احمد آباد گجرات میں ایک خطیب مارا گیا لاہور میں بات اس سے زیادہ بڑھ گئی۔

بہادر شاہ نے علماء لاہور کو طلب کیا۔ مولانا یار محمد مع مولانا محمد مراد اور دیگر تین علماء دربار میں حاضر ہوئے اور بادشاہ سے مناظرہ و مباحثہ کیا۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی تاریخ ہندوستان جلد نہم میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے حاجی یار محمد اور ان کے دو ہمراہیوں کو ایک قلعہ میں قید کر دیا۔ اس کے بعد سیّد برادران یعنی قطب الملک عبداللہ خان۔ اور امیر الامراء حسین علی خان (جو تاریخ میں سادات بارہہ یعنی بارہ امامی شیعہ (جو بادشاہ گر کے نام سے مشہور ہیں) قلمدان وزارت سونپ دیا۔ وہ ملکی سیاست پر ہر طرح چھا گئے۔ اور اپنے عقائد و نظریات کی کھلی اشاعت کرنے لگے۔ حسین علی خان ہر مہینے کی گیارہ اور بارہ تاریخوں کو مجلس عام کرتا تھا جس میں جوق در جوق خلقت شریک ہوتی۔ اور علوم اہل بیت پر ایمان افروز تقریریں سنتی "

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ ہندوستان کی راجدھانی ہے۔ اور یہ مغلیہ حکومت ہے

جو مسلمانوں کے نام سے یہاں حکومت کر رہی ہے۔ اِن کا ایک سپوت اعلانیہ شیعہ بنتا ہے تو اِسے سید بننے کا بھی حق ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی بیوی سیدانی ہے۔ جب بادشاہ سید بن سکتا تھا تو دوسرے کم حیثیت افراد کو پوچھنے والا کون تھا۔ بافندے نداف سپاہی بھی مذہب تبدیل کر کے سید بن جاتے تھے۔

اِس کے تھوڑے دنوں بعد جو حال اسلام کا ہندوستان میں ہوا۔ ایوب صاحب سے سنیئے۔ لکھتے ہیں "اُس کے بعد ہندوستان میں ہر طرف شیعہ حکومتیں قائم ہوگئیں۔ اودھ روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ۔ سندھ میں میراں سندھ۔ بنگال میں میر جعفر کا خاندان اور دکن میں مختلف ریاستیں شیعیت کو پروان چڑھانے میں مصروف ہوگئیں اور دہلی کا یہ حال تھا۔ ذوالفقار الدولہ نجف خان امیر الامراء کا دس گیارہ سال تک دہلی پر استیلا رہا۔ اُن کے زمانے میں شیعیت کو بڑا فروغ ملا۔ اور سنیوں کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا مرزا مظہر جان جاناں لکھتے ہیں کہ اکابر صحابہ کرام خاص کر خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اُن کے سامنے مرثیہ خواں تبرا کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز مصنف تحفہ اثنا عشری پر بھی تبرا بازی کی جاتی تھی۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی اور اِن کے خاندان کو نجف خاں کے زمانے میں شدائد و مصائب برداشت کرنا پڑے۔ اِس کا سبب شاہ صاحب کا شیعیت کے خلاف قلمی و لسانی جہاد میں حصہ لینا تھا۔ پھر شاہ صاحب کی جائیداد املاک ضبط ہوگئی۔ اور وہ شہر دہلی سے نکال دیئے گئے۔ اور شیعوں کی جسارت کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں امام مسجد اور پیش امام بن کر جمہور اہل سنت کی امامت کے فرائض انجام دیتے۔ اور اپنے مسلک کی سرِ عام تبلیغ کرتے۔ مساجد کے ممبروں سے فضائل اہل بیت بیان کرتے۔ اُن کے دشمنوں یعنی سنیوں پر لعنت بھیجتے اور لوگوں کو متاثر کر کے اپنے مسلک پر لانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ اِس دور میں جو غیر مسلم داخل اسلام ہوئے وہ اثنا عشری مسلک کے متبع تھے۔ مثلاً محمد حسین قتیل فرید آبادی اور مکند رام فدوی لاہوریہ دونوں شیعہ ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کے کفر و شرک کی سزا،

آپ نے دیکھا مغلوں کا تین سو سالہ دورِ حکومت اسلام کے لئے کیسا تباہ کن ثابت ہوا۔ اس نے اسلام کو کیسی پستی و ذلت میں پہنچا دیا۔ چنانچہ پھر اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى کا حکم دینے کی ضرورت ہوگئی۔ مگر آس پاس یعنی ساری دنیائے اسلام میں کوئی فرقہ کوئی قوم اور کوئی ملک اس قابل نہ تھا کہ دنیا بھر کے گمراہ مسلمانوں کو اِن کی گمراہی کی خاطر خواہ سزا دے کر راہ راست پر لا سکے

اللہ تعالیٰ نے اس بار جزیرہ برطانیہ کو مسلمانوں کی تادیب و تربیت کے لئے پسند فرمایا۔ یہ لوگ مسلمانوں سے صلیبی جنگوں میں اسلامی توحید کے گر سیکھ کر گئے تھے اور اپنے اخلاق و عادات سنوار کر ایک پسندیدہ قوم بننے کے اہل بنے تھے۔ انہوں نے رومن کیتھلک کے مشرکانہ عقائدِ تثلیث سے توبہ کر لی اور پروٹسٹینٹ یعنی احتجاج کرنے والے اور اللہ کی وحدت کو ماننے والے بن گئے تو یہ اُن کی سرفرازی کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؎

"جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا صابی (ستارہ پرست ناری) یا عیسائی اُن کو کوئی خوف نہ ہوگا۔ اور وہ غمناک بھی نہ ہوں گے" المائدہ۔ ۶۹

حکومت الٰہیہ پر کسی قوم و ملت یا فرقے کی ٹھیکیداری نہیں ہے جو قوم بھی اللہ کی وحدت کو تسلیم کرے گی۔ اور آخرت کے حساب سے ڈرے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم بن جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی بادشاہت عطا فرما دے گا خوشحال بنا دے گا۔ اور دیکھے گا کہ کیسے کام کرتی ہے۔ کیف تعملون۔ کام ٹھیک ہوئے تو کچھ دن بڑھا دیئے ورنہ رسی کھینچ لی اور تختہ الٹ دیا۔ چنانچہ انگریز ہندوستان میں گھس آئے۔ بنگال میں میر جعفر کی خبر لی۔ اودھ میں آصف الدولہ کے خاندان کو ٹھیک کیا اور پھر دلی میں شہنشاہ ہند کی مزاج پرسی کے لئے پہنچے

اِس قصّے کو اپنی تاریخ کی زبانی سنیئے۔

مُغلیہ حکومت کا انجام ۱۸۵۷ء

بہادر شاہ کا بیٹا مرزا مُغل دہلی کی فوج کا جرنیل بنایا گیا لیکن وہ سخت نااہل تھا۔ نہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا تھا نہ اُن کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ شہر میں ابتری پھیلی خوراک کی کمی ہوگئی۔ لوگ بھوک کے مرنے لگے شر پسندوں نے لوٹ مار شروع کر دی بہادر شاہ نظام الدین اُولیاء کے مزار پر دُعا کرتا رہتا مگر فوجی کارروائیوں میں حصّہ نہ لیتا تھا۔

چودہ ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر بخت خان دلی آگیا۔ اُس نے شہر کا انتظام سنبھالا "امن و امان قائم کیا۔ لیکن حالات روز بروز خراب ہونے لگے۔ انگریزوں نے شہر کے اندر جاسوسوں کا جال پھیلا دیا۔ بادشاہ کے قریبی مشیر بھی انگریزوں کے مخبر تھے۔ اُنہوں نے مرزا مُغل کو بخت خان سے لڑوا دیا۔

ستمبر کے مہینے میں انگریزوں نے شہر کی فصیل میں شگاف کیا اور اندر داخل ہوگئے۔ چھ دن کی لڑائی کے بعد شہر فتح ہوگیا۔ بہادر شاہ نے ہمایوں کے مقبرے میں پناہ لی۔ اُسے وہاں سے گرفتار کیا گیا۔ اُس کے بیٹوں کے سر قلم کر کے ایک طشت میں اُس کے سامنے پیش کئے گئے۔ اور محلات کو لوٹا گیا۔ پھر اسے رنگون بھیج دیا گیا جہاں ۱۸۶۱ء میں وفات پائی۔

آپ نے دیکھا مسلمان بادشاہ پناہ لینے کہاں گیا۔ مقبروں اور مزاروں پر پھر یہ اُمید رکھنا کہ اللہ اُس پر رحم کرتا کتنا غلط تھا۔ اللہ کسی بزدل مُشرک اور گمراہ کی مدد نہیں کرتا۔ گو یہ سچ ہے کہ اس غدرِ عظیم میں سیکڑوں راستِ باز و حق گو بندگانِ خدا بھی انگریزوں کے مظالم کا شکار ہوئے مگر یقیناً ان کی افادیت ناکارہ تھی۔ وہ اِسلام کے اندر باطنی و رافضی رخنہ تو جوڑ نہ سکے تھے۔ انگریزوں کے ریلے کو کیا روکتے۔

میں نے اے میرِ سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قُل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

آہ اِس راز سے واقف ہے نہ مُلاّ نہ فقیہہ
وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے۔ قوموں کی امامت کیا ہے
اِس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام (اقبال)

بے شک بغیر کردار کے کوئی قوم اللہ کی برگزیدہ قوم نہیں بن سکتی۔ انگریز بھی کبھی صاحبِ کردار تھے۔ اور اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انگریزوں نے ساری دُنیا کے مُسلمانوں کو اُن کی صدیوں کی جہالت سے نکالا اُن میں علم کا شوق پیدا کیا ورنہ اِن کا مولوی ہندو پجاریوں کی طرح اپنی مذہبی اجارہ داری قائم کئے ہوئے تھا۔ وہ جو چاہتا حرام کر دیتا جو چاہتا حلال بنا دیتا اور کسی کی مجال نہ تھی جو مولوی کے حُکم سے سرتابی کرتا۔ اِس حقیقت کو سب سے پہلے مرزا حیرت دہلوی نے ۱۹۰۶ء میں ظاہر کیا۔ آپ نے صحیح بخاری کا ترجمہ کر ڈالا اور دیباچہ میں لکھا۔

"رسُول اللہ صلعم کے پاک اقوال اور آپ کی پاک ہدایتوں پر ابھی پردہ پڑا ہوا تھا اور لاکھوں اُردو خواں مُسلمانوں کی قسمتیں چند عربی دان مولویوں کے ہاتھوں میں تھیں کہ خواہ اُنہیں اُن کے حقیقی نجات دہندہ کے اقوال سُنائیں یا نہ سُنائیں۔ اُنہیں اختیار تھا اِس کے علاوہ صدہا نفس پرست پیشوا عوام الناس کو بہکانے کے لئے یا اُن سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اپنی طرف سے بخاری کا نام لے دیا کرتے تھے کہ صحیح بخاری میں یہ لکھا ہے خواہ لکھا ہو یا نہ ہو اور خواہ اُس کے برخلاف ہی لکھا ہو۔ اب اِن کے اِس جور و ظلم کی عُمر ختم ہوگئی۔ اُمّت مرحومہ کے اُردو خواں افراد ہرگز اِن کے پھندے میں نہیں پھنس گے اور دم بھر میں اِن کو خاموش و ساکت کر دیں گے۔ فی الحقیقت اِس کی ضرورت تھی کہ رسُولؐ کی ہدایتیں اور اقوال خاص آدمیوں کے قبضے میں نہ رہیں بلکہ عوام اُن سے براہِ راست استفادہ کر سکیں خُدا اور رسُولؐ کا فیض

عام ہونا چاہیے۔ اِس کی برکتوں کو خواص میں محدود کرنا جابروں اور ظالموں کا کام ہے"
مگر صرف صحیح بخاری کے ترجمے سے وہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ ابھی ہمیں اپنی
ساری عربی کتابوں کا ترجمہ کر کے دیکھنا ہے کہ مولوی عربی کے ترجموں سے کیوں
گھبراتا ہے۔ وہ خطباتِ جمعہ کے ترجمہ کیوں نہیں ہونے دیتا شاید جانتا ہے کہ
خطباتِ جمعہ عوام کی سمجھ میں آ گئے تو اکثر نمازی اُٹھ کر اس کی داڑھی نوچ ڈالیں گے
اور پوچھیں گے تم اور تمہارے پیشرو صدیوں سے ہمارے بزرگوں پر لعنت
بھیجتے رہے۔ کیا اپنے باطنی بزرگوں کو بچوانے کے لئے یہ سارے ڈھونگ نہیں
رچائے تھے کہ جو پڑھو عربی میں پڑھو اور نمازیوں کو باور کراؤ کہ سب دُعائیں
ہیں جو تمہارے پاپ دھو رہی ہیں۔ اور جنت کے دروازے کھول رہی ہیں
حالانکہ وہی دُعائیں اُن کو دوزخ میں پہنچانے کی ضامن ہیں آپ کا قرآن پکار
پکار کر کہتا ہے۔ اِنّا جَعَلْنٰہُ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون۔ ہم نے اُسے عربی
کتاب بنا کر اُتارا ہے تاکہ تم اپنی عقل سے کام لو اور اِسے سمجھو مگر مولوی کہتا ہے
تم اپنی عقل کو دخل نہ دو جو میں بتاؤں اُسے مان لو۔ اور اپنے ہُدی اللمتقین کو
سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مُسلمان قرآن کے معنی سمجھ گئے
تو اُس کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ اِسلام پھر ایک ولولہ انگیز دین بن کر دُنیا
میں سرخرو ہو جائے گا۔ اور اپنے مقام خیرِ اُمتہ کو حاصل کر لے گا۔ اِس سے
باطنی اِسلام کو زک پہنچے گی۔ جو اُس کا رزاق ہے اِس کے لئے تر غذائیں فراہم
کرتا ہے۔ مُلّا شیر بِنی، حلوے مانڈے۔ مرغ مُسلم اور پلاؤ سے ہاتھ کیسے دھوئے
اُس کی بلا سے اِسلام رُسوا رہے اور مُسلمان گمراہی و جہالت میں مبتلا رہ کر جہنم
کا نوالہ بنیں۔ ہاں وہ مجالس عزا بھی برپا کریں گے اور میلاد النبی بھی رچائیں گے
خواہ وہ نبیؐ کا یومِ وفات ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ گیارہویں شریف اور
چالیسویں کی بدعت بھی اہتمام سے کرتے ہیں۔ پھر جب اللہ کا عذاب آتا ہے
تو چلاتے ہیں ؎ برق گرتی ہے تو بے چارے مُسلمانوں پر" اور خود اپنے اعمال

نہیں دیکھتے۔ کیا کوئی جاہل جو لفظ مولا کے معنیٰ نہ جانتا ہو مُسلمان کہلایا جا
سکتا ہے۔ پس ۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد پندرہ لاکھ مُسلمان جو ہندوؤں کے
ہاتھوں قتل ہوئے اِسلام کے لئے مایۂ فخر نہ تھے ۴۸ء میں حیدر آباد دکن میں
پانچ لاکھ مُسلمان مارے گئے اور قاسم رضوی صاحب ڈکیتی کیس میں سات
سال کی سزا کاٹ کر پاکستان آئے اور گمنامی میں مر گئے۔ تو یہ کوئی اِسلام کی
خدمت کر رہے تھے یا ۶۵ء کی جنگ میں مارے جانے والے مُسلمان جن کی
تعداد نہ معلوم ہو سکی، نہ معلوم ہو گی۔ کوئی پکّے مُسلمان تھے یا ۷۰ء میں مشرقی
پاکستان کے سیلاب میں مرنے والے پچیس لاکھ بنگالی اِسلام کے سپوت تھے جو
صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ یا وہ بیس لاکھ پنجابی مہاجر اور بہاری جو بنگالیوں
نے مار ڈالے یا وہ پچیس لاکھ بنگالی جن کو فوج اور بہاریوں نے مل کر مارا اِسلام کیلئے
کوئی سرمایۂ افتخار تھے حتیٰ کہ ہم اپنے نوے ہزار فوجیوں کو ہتھیار ڈال کر اِسلام
اور اِسلامی تاریخ کو رُسوا کرنے پر مُعاف نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جب سوچتے
ہیں کہ یہ فوجی تو وہی تھے جو غُلامی کے فیتے سینے پر سجائے پھرتے تھے۔ اُن کی
تربیت انگریزوں کے معیار سے ہوتی تھی۔ انگریز تربیت کے ماہر تھے۔ وہ پریڈ
اور فٹیگ کے ذریعہ ہیڈ کوارٹر کی شے ہائینڈ کوارٹرز میں اُتار دیتے (سر سے سرین
میں) اور حُکم کا بندہ بنا لیتے۔ پھر یہ فوجی عُمر بھر دوست دُشمن نہ دیکھتے نہ کافر
اور مُسلمان سمجھتے وہ جس سے چاہتے لڑا دیتے۔ جب ہی تو موسیٰ اور یحییٰ جیسے
روافض کی کمان میں رہ کر یہ لوگ یا اللہ اور اللہ اکبر کی جگہ یا علی کا نعرہ لگانے
لگے اور نہ جانا کہ یہ شرک اللہ کو پسند نہیں۔ اُس نے بجرنگ بلی کا نعرہ لگانے
والوں کے ہاتھ رُسوا کر دیا مُشرکوں کی یہی سزا ہے۔ اِن میں جوش ایمان کا فقدان
ہو جاتا ہے اِسی لئے آج کسی کو کوئی غم نہیں ہے کہ اُن پر کیا بیت گئی۔ اللہ تعالیٰ
کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ صرف ظالموں کو سزا دیتا ہے اور معاشرے کو پاک کرتا
رہتا ہے اقبال نے سچ کہا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

جی ہاں اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات یہی ہے۔ صرف دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والی عقل کی ضرورت ہے یہ عمل ملّت کے ساتھ افراد کی زندگی میں بھی جاری وساری ہے۔ آغا خاں نے قائداعظم پر بھروسہ کیا اور مایوس ہوئے۔ قائداعظم نے لیاقت علی خان پر بھروسہ کیا اور ناکام ہوئے۔ لیاقت نے ایوب پر بھروسہ کیا اور دھوکا کھایا۔ ایوب نے یحییٰ سے اُمید باندھی مگر یحییٰ نے پُرانا حساب بے باق کردیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

یورپی اقوام کا عروج وزوال

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی پسندیدہ اُمّت یعنی مسلمانوں کو بار بار پاک کرتا رہا ہے۔ مگر اُنہیں تباہ نہیں کیا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے صرف اِس کے ہوکر رہیں۔ اِس کی مخلوق کے غُلام نہ بنیں۔ مگر یہ کبھی سلطان الہند کا سایہ تلاش کرلیتے ہیں کبھی خواجہ سے مانگنے لگتے ہیں اور کبھی داتا سے اور شرک وجہالت کی سزا پاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یوتی الحکمة من یشاء ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیرہ (۲۷۰) البقرہ

(ترجمہ) اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت (سائنس) سکھادیتا ہے اور جس کو سائنس سکھادی سمجھو اس پر اپنی نعمتوں کی بارش فرمادی۔

کبھی مسلمان بھی علوم وفنون (سائنس) کے وارث تھے۔ اُن کو ایشیا افریقہ اور کچھ حصہ یورپ بخش کر انعمت علیہم بنا دیا مگر جب یہ علوم وفنون چھوڑ کر علوم باطنی یعنی گنڈے تعویذ جھاڑ پھونک دُعا عمل کرنے لگے اور مولویوں پیروں، ولیوں کے چکر میں پڑکر شرک وگمراہی میں مبتلا ہوگئے۔ اللہ ورسول کی تعلیم کو بھول گئے تو اللہ نے اِن کو بھلا دیا اور اہلِ یورپ کو علوم وفنون سائنس

حکمت اور دیگر نعمتوں کا وارث بنا دیا۔ اُن کو ساری دُنیا میں علم کی روشنی پھیلانے کی ذمہ داری سونپ دی جس کی وجہ سے آج ہم بجلی کی روشنی اور بجلی کے پنکھوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اور اپنے قرآن حکیم کے ترجمے پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔

انگریزوں کا زوال

انگریزوں کے عروج کے تین سو سال تھے۔ جس میں اُنہوں نے مسلمانوں کو علوم وفنون سکھا کر ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا فریضہ بھی ادا کیا اور خود علوم باطنی سیکھنے میں لگ گئے۔ یعنی پامسٹری، ایسٹرولوجی، یوگا اور تصوف کی مشق فرمانے لگے اور لیڈی ہپی بن کر ناچنے گانے لگے تو اللہ نے ہٹلر کو بھیجا جس نے انگریزوں کی کمر توڑ دی۔ ان کی ساری دُنیا کی حکومت منتشر کردی۔ پھر وہ روسی ملحدوں کی جہانگیری کے خواب بھی پراگندہ کرکے خود تباہ ہوگیا۔ تاکہ یورپ اپنے زخم چاٹتا اور سسکتا رہے اور مسلمان جو پیچھے رہ گئے تھے پھر دُنیا کی امامت سنبھالنے کے لائق بن جائیں ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا (اقبال)

اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اقبال کا یہ خواب حقیقت کا رُوپ دھار رہا ہے۔ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کی آزاد ریاستیں قائم ہوچکی ہیں اُن میں تطہیر معاشرہ بھی ہورہا ہے یعنی پاک سے ناپاک کو جُدا بھی کیا جارہا ہے اور اُنہیں متحد ہونے کے فوائد بھی سکھائے جارہے ہیں۔ تاکہ سب مل کر اللہ اکبر کا غلغلہ بلند کریں اور کفر وشرک کو دُنیا سے مٹا دیں۔

مگر ہم آزادی کے پچیس سال بعد بھی اپنے گورے آقاؤں کی نظرِ کرم کے محتاج ہیں وہ ہتھیار بنا کر دیتے ہیں تو ہم لڑتے ہیں۔ رُوک لیتے ہیں تو پٹ جاتے ہیں۔ ہمارے بچے اِن کا ہنر سیکھ کر اپنے مُلک کی خدمت نہیں کرسکتے۔ انہیں

یورپ اور امریکہ جا کر گوروں کی چاکری کرنا پڑی ہے۔ اور وہ مصنوعات بنانا پڑتی ہیں جن کی ہم کو ضرورت ہے۔ ہماری غلامانہ ذہنیت کا یہ حال ہے کہ ہماری چائے کا نام لپٹن اور بروک بانڈ رکھ دیا جائے تو خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہے دن میں دو بار چائے پینا بھی ضروری ہے کیونکہ ہمارے آقا مفت پلا کر سکھا گئے ہیں۔ اِسی طرح ہماری تمباکو سے انگلش سگریٹ بنتا ہے تو اُس کا پینا باعثِ افتخار ہے۔ دیسی سگریٹ پیئیں تو ماجی خطرے میں پڑ جائے اور گلے میں خراش پیدا ہو جائے۔

چرس بھنگ افیون ہماری جڑی بوٹیاں ہیں۔ اِن کی کاشت اور فروخت پر گوروں کا قبضہ ہے۔ لاکھوں روپئے کی چرس اِنکے حکم سے ہر سال تلف کر دی جاتی ہے۔ مگر اُن ہی اجزا سے تیار کردہ خواب آور گولیاں مسکّن مشروبات۔ مارفیا کے انجکشن۔ ایل۔ ایس ڈی اور راکٹ باہر سے آتے ہیں جنہیں ہمارے عوام سونے کے بھاؤ خریدتے ہیں۔

حالانکہ یہ وہ دوائیں ہیں جن سے یورپ اور امریکہ کی نئی نسل افیونی چرسی ملنگ۔ پیر صوفی اور قلندر بن بیٹھی ہے اور اِس کے اثرات ہند و پاک میں اُلٹے درآمد ہو رہے ہیں اگر اِن کو راکٹ اور مارفیا کی جگہ فلک سیر اور علی بوٹی کی عام اجازت دے دی جائے جیسے وہ عبداللہ شاہ غازی۔ لال شہباز قلندر۔ اور مادھو رام حسین کے مزاروں پر بیٹھ کر پی سکیں تو لاکھوں کا زرمبادلہ بچ سکتا ہے۔ ہمارے وزیر اوقاف جناب کوثر نیازی صاحب کو اِس تجویز پر غور کرنا چاہیئے کیونکہ یہ چیزیں مذکورہ بزرگانِ دین کو بے حد مرغوب تھیں۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق ⁂ جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے ⁂ فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

امریکہ کا زوال

امریکہ دُنیا کا متموّل ترین مُلک تھا۔ وسائل کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ وہ ساری دُنیا کو کھلا کر بھی اپنی گندم کے ذخیرے اکثر جلا کر ٹھکانے لگاتا تھا۔ اللہ کا شکر گزار رہتا تو صدیوں اس خوش

حالی سے ہم کنار رہتا۔ مگر آپ کو ساری دُنیا کی چودھرایت خریدنے کی ترنگ آگئی۔ گندم تو دیتے تھے اب قرضے بھی دینے لگے اور سمجھے کہ دُنیا کو قرضوں میں جکڑ کر اپنا غلام بنا لیں گے۔ بس خزانوں کے مُنہ کھول دیئے اور ڈالر برسانا شروع کر دیئے مگر نتیجہ کیا نکلا۔ جو اسلحہ کمیونزم کے ہوّے کو رُوکنے کے لیے دیا تھا وہ آپس کے جھگڑوں کی نذر ہو گیا۔ یار لوگ پھر قلاش کے قلاش رہے۔ اور امداد دیتے دیتے امریکہ کا بھرکس نکل گیا۔

آپ کوریا کی جنگ میں کُود پڑے اور سب مقروض دُوستوں کو مدد کے لیے بلایا مگر کوئی نہ آیا۔ اِس سے آنکھیں کھل جاتیں تو ویت نام میں جا کر مٹی بلید کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ مگر جب اللہ کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اِس کی عقل پر پردے بھی ڈال دیتا ہے۔ امریکہ نے اپنی نئی نسل کے تمام افراد۔ جنگ میں جھونک دیئے۔ اب اُسے کارخانے چلانے کے لیے غیر ملکی مزدوروں کی ضرورت ہے۔ اور اِن کی تنخواہیں دینے کے لیے عربوں کی دولت کی۔ لیکن اب اللہ نے عربوں کو بھی عقل دے دی ہے وہ اپنی دولت اپنے پاس رکھنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ اِس طرح بیرونی دولت کے ساتھ اُسے بیرونی مزدور بھی واپس کرنا پڑ جائے گا۔ جس کے معنیٰ ہوں گے کہ کارخانے بند کر کے اب صِرف کاشت کاری شروع کر دینی ہوگی۔ نافرمانوں کی یہی سزا ہے۔

درسِ عبرت

انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ط

ترجمہ:- تمہیں غالب رہو گے اگر صاحبِ ایمان ہو

یہ وعدہ تھا اللہ کا مسلمانوں سے۔ مگر آپ نے اپنی ہزار سالہ تاریخ دیکھ لی اِس میں مغلوبیّت ہی نمایاں ہے۔ حتیٰ کہ آزادی کے بعد بھی ہم نے جو

جنگ لڑی اس میں غلبہ حاصل نہ ہو سکا۔ وجہ ظاہر ہے۔ ہمارے ایمان میں خامی ہے جب ہندو بجرنگ بلی کا نعرہ لگا کر حملہ کرتا ہے اور مسلمان یا علی کا نعرہ بلند کر کے مقابلہ کرتے ہیں تو اللہ کے پاس دونوں برابر ہو جاتے ہیں ہمیں امید ہے کہ ہماری افواج یا علی کی جگہ یا اللہ اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیں تو کامیاب ہو سکتی ہیں۔

مشرق وسطی میں جنگ خیبر کے چودہ سو سال بعد مسلمانوں کو پہلی بار یہودیوں سے لڑنا پڑا۔ اس کی اطلاع رسول عربی نے دے دی تھی۔

لا تقوم الساعۃ حتی تقاتلو الیہود۔ الخ

یعنی قیامت برپا نہ ہو گی جب تک مسلمان یہودیوں سے نہ لڑیں جس کے نتیجے میں یہودی اگر پتھر کے پیچھے چھپے تو پتھر پکارے گا کہ مسلمانو آؤ اور اسے قتل کرو۔ چنانچہ اللہ تعالی نے دنیا کے کونے کونے سے یہودیوں کو لا کر فلسطین میں جمع کر دیا ہے اب مسلمانوں کو اپنا کام کرنا ہے۔ دیکھئے یہ کتنے دن لیتے ہیں اور کس طرح اس سے عہدہ برآ ہوتے ہیں

اللہ تعالی نے انسان کو وسیع اختیارات دیئے تھے اس نے ہوا پانی مٹی اور آگ پر حکومت کی۔ فضا سے نکل کر خلا میں پہنچ گیا پس معلوم ہوا کہ سخر لکم مافی السموات ومافی الارض (لقمان ۲۰) کا وعدہ سچ ہو چکا ہے۔ انسان زمین سے نکل کر آسمان کی سیر کر آیا جس کا اشارہ لا تنفذون الا بسلطان (رحمن) میں تھا کہ قوت کے بغیر تم زمین کے نظام شمسی سے باہر نہ جا سکو گے۔ پس جب راکٹ کی قوت حاصل کر لی تو انسان زمین سے آسمان پر پہنچ گیا۔ اور معلوم ہوا کہ یہ بڑا آسان کام ہے جو چاہے چلا جائے چنانچہ روس کے بعد امریکہ اور اب چین و جاپان بھی اپنے راکٹ آسمانوں پر بھیج رہے ہیں۔ اس کی اطلاع بھی قرآن نے چودہ سو سال پہلے دے دی تھی۔ فتحت السماء فکانت ابوابا (نباء ۱۹)

یعنی آسمان کھول دیا جائے گا اور اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ بلکہ جلد ہی انسان اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھنے والا ہے۔

وبرزت الجحیم لمن یری۔ دوزخ دکھائی جائے گی اور تم دیکھو گے۔

چاند کے بارے میں وعدہ ہے اقتربت الساعۃ وانشق القمر یعنی قیامت قریب آئی اور چاند پھٹا۔ اس کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔ امریکہ اور روس اسے پھاڑ کر ہی دم لیں گے ہمارے بزرگوں نے اس کا ترجمہ کر دیا تھا کہ قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ حالانکہ قیامت آج تک نہ آئی۔ اور وہ جھوٹے ثابت ہو چکے ہیں۔ اللہ کا وعدہ تھا۔ یومئذ تحدث اخبارھا یعنی تمام چھپے ہوئے بھید کھول دیئے جائیں گے۔ یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے چاند کا بھید بھی معلوم ہو گیا۔ اب زلزلے آئیں گے۔ زمین اپنے معدن اگل کر خالی ہو جائے گی۔ خاص کر گیس کے نکل جانے سے اس کے محور میں فرق آجائے گا۔ جو موسموں پر اثر انداز ہو گا۔ بلکہ ہو رہا ہے۔ کہیں بارشیں ہو رہی ہیں کہیں خشک سالی شروع ہے جہاں بارش نہ ہوتی تھی وہاں طوفان و سیلاب آرہے ہیں جس سے سائنس دان بھی کہنے لگے ہیں کہ اب یہ دنیا ڈارون کے نظریہ ارتقا کے مطابق ہزاروں لاکھوں سال قائم نہیں رہ سکتی بلکہ اکیسویں صدی دیکھنا بھی محال ہو جائے گا۔

اور خاص کر اب دنیا کی حکومت امریکہ روس یا چین اور ہند کو ملنے والی نہیں ہے بلکہ اب انسان کی حکومت کا وقت ختم ہو گیا ہے الامر یومئذ للہ یعنی اب حکم صرف اللہ کا چلے گا۔ اور اسی کے حکم سے آپ دیکھ رہے ہیں کہ سارے وعدے ایفا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مثلاً

وما کنا مھلکی القری الا واھلھا ظالمون (قصص ۵۹)

ترجمہ:۔ ہم انسانی بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جب تک کہ وہاں کے باشندے ظالم (نافرمان) نہ ہو جائیں۔

جیسے بنگلہ دیش، مشرقِ وسطیٰ، مشرقِ بعید، یا پھر جھنگ، خان پور لائلپور وغیرہ میں جو ہوا۔ اِس سے شاید اِس وعدے پر بھی یقین آجائے کہ کسی دن یہ بھی ہونے والا ہے۔ وان من قریتہ الا نحن مھلکون قبل یوم القیامہ او معذبو ھا عذابا شدید (بنی اسرائیل ۵۸) ترجمہ:۔ یعنی دُنیا کی کوئی بستی باقی نہ بچے گی جسکو ہم قیامت سے پہلے تباہ نہ کریں یا جہاں ہمارا سخت ترین عذاب نازل ہو۔

پس اپنی تباہ شدہ بستیاں دیکھیے اور تباہ ہونے والی بستیوں کی خیر منائیے اللہ کے آگے توبہ کیجیے گناہوں کی مُعافی مانگیئے۔ اور کوشش کیجیے کہ آپ کا شمار بھی ایمان والوں میں ہو جائے۔ ایمان والوں میں شامل ہونا کوئی ایسا بڑا کام بھی نہیں ہے ہمارا قرآنِ حکیم تبلاتا ہے۔

ان الذین آمنوا۔ والذین ھادوا والنصاری والصابئین
من آمن باللہ والیوم الاخرہ وعمل صالحاً فلھم
اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون
(سورہ بقرہ ۶۲)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان والے ہیں۔ خواہ یہودی ہوں۔ خواہ عیسائی یا ستارہ پرست (ہندو جوتشی برہمن وغیرہ) جو بھی

(۱) اللہ پر ایمان رکھے گا۔
(۲) آخرت کے حساب سے ڈرے گا۔
(۳) دُنیا میں نیک کام کرے گا اُسے اللہ اچھا بدلہ دے گا۔

ایسے لوگ نہ خوف زدہ رہیں گے نہ غمگین ہوں گے

اِس سے معلوم ہوگیا کہ ایمان والے بننے کی ٹھیکیداری کسی قوم نسل یا فرقے کو نہیں دی گئی ہے۔ اللہ سب کا خالق اور پالنے والا ہے۔ اُسے سب سے پیار ہے۔ بس وہ اپنے اچھے بندوں سے مذکورہ تین باتوں کا مُطالبہ کرتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی پہچان یہ ہوگی کہ نہ وہ

خوف زدہ زندگی بسر کریں گے نہ غمگین دکھائی دیں گے۔

آج جو قومیں نسلیں یا فرقے یا افراد مسلسل خوف و ہراس، کرب و اضطراب میں بسر کر رہے ہیں، یا جو لوگ صدیوں سے سوگواروں اور ماتمیوں کی زندگی بسر کرنے کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ وہ اہلِ ایمان میں ہرگز شمار نہیں ہوسکتے یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اَے مردِ مُسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار!

(اقبالؔ)

وما علینا الا البلاغ!

نظرِ ثانی کے بعد مئی ۱۹۷۴ء

عُزیر احمد صدیقی۔
کراچی

جس دن بابا شجاع نے ہرمزان، حنیفہ، سلمان فارسی اور کعب احبار یہوُدی کی مِلی بھگت سے اِسلام کے سب سے بڑے اولوالعزّم اور باجبروت خلیفہ حضرت عمرؓ کے پیٹ میں چُھری گھوُنپ کر اِسلام کی بُنیادیں ہلا دیں۔ اور جس دن مُحمّد بن ابُوبکر (حضرت علیؓ کا سوتیلا بیٹا) اپنا حبشی غُلام جون ایلیا کے ساتھ دیوار پھاند کر خلیفہ معصُوم حضرت عثمانؓ کے گھر میں گھُس گئے اور برچھی سے حملہ کر دیا۔ حضرت نائلہ بچانے آئیں تو جون ایلیا نے تلوار چلادی جس سے اُن کی اُنگلیاں کٹ گئیں اور تلوار خلیفہ مظلُوم کی گردن میں پیوست ہوگئی۔ آج ہم مُسلمانوں کی حالت ہے کہ اُن دُو عظیم فرزندِ اِسلام کے بارے میں کوئی معلوُمات نہیں ہے۔ وہ تو صِرف جانتے ہیں کہ اِسلام کی سب سے عظیم شہادت حضرت حُسینؓ کی ہے۔ حالانکہ اُنہوں نے اِسلام کی خاطر ہرگز جان نہیں دی۔ بلکہ حصُولِ خلافت کی خاطر جان دی۔ جس دن حضرت مُحمّد ﷺ کا یومِ وفات ہے اِس دن 12 ربیع الاوّل کو ولادت کی خوشیاں اور جشن مناتے ہیں۔

یاد رہے کہ مُسلمان اپنی میراث یعنی خلافت فِی الارض یا امامتِ عالم اپنے دستِ بازو سے حاصِل کریں گے۔ اگر نصیب ہوئی۔ اِسے یاد دلانے کیلئے کوئی امام مسیح۔ مہدی نہ آئے گا۔ اُن کا انتظار صِرف وہ لوگ کرتے ہیں جو نصرتِ الٰہیہ سے محرُوم اور مایوس ہیں۔

والسّلام

ایک بھائی

12-06-1987

عزیز احمد صدیقی کی معرکۃ الآرا تحقیقی تالیفات جن سے

اسلام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

(۱) سبائی سبز باغ (اسلام پر یہودی اثرات)

(۲) ارمغانِ عرب (تقویتُ الایمان)

(۳) ارمغانِ عجم (میراث بابل و نینوا)

(۴) رام راج (ارمغان وید ہند)

(۵) خداؤں کو الوداع

(۶) ابدی بشارتیں

(۷) حیاتِ سیّدہ خدیجہؓ

(۸) اہلِ بیت رسولؐ اور تحقیق آلِ محمدؐ (کرامات درود شریف)

(۹) ہمارا علمِ تفسیر

(۱۰) احسن الحدیث تفسیر قرآن پاک ۱ تا ۱۰ پارے

(۱۱) اشرف الحدیث " " ۱۰ تا ۲۰ پارے

(۱۲) افہام القرآن " " ۲۱ تا ۳۰ پارے

(۱۳) انمٹ باتیں

(۱۴) اِسلام کہاں ہے؟

(۱۵) حیاتِ سیّدہ سکینہؓ